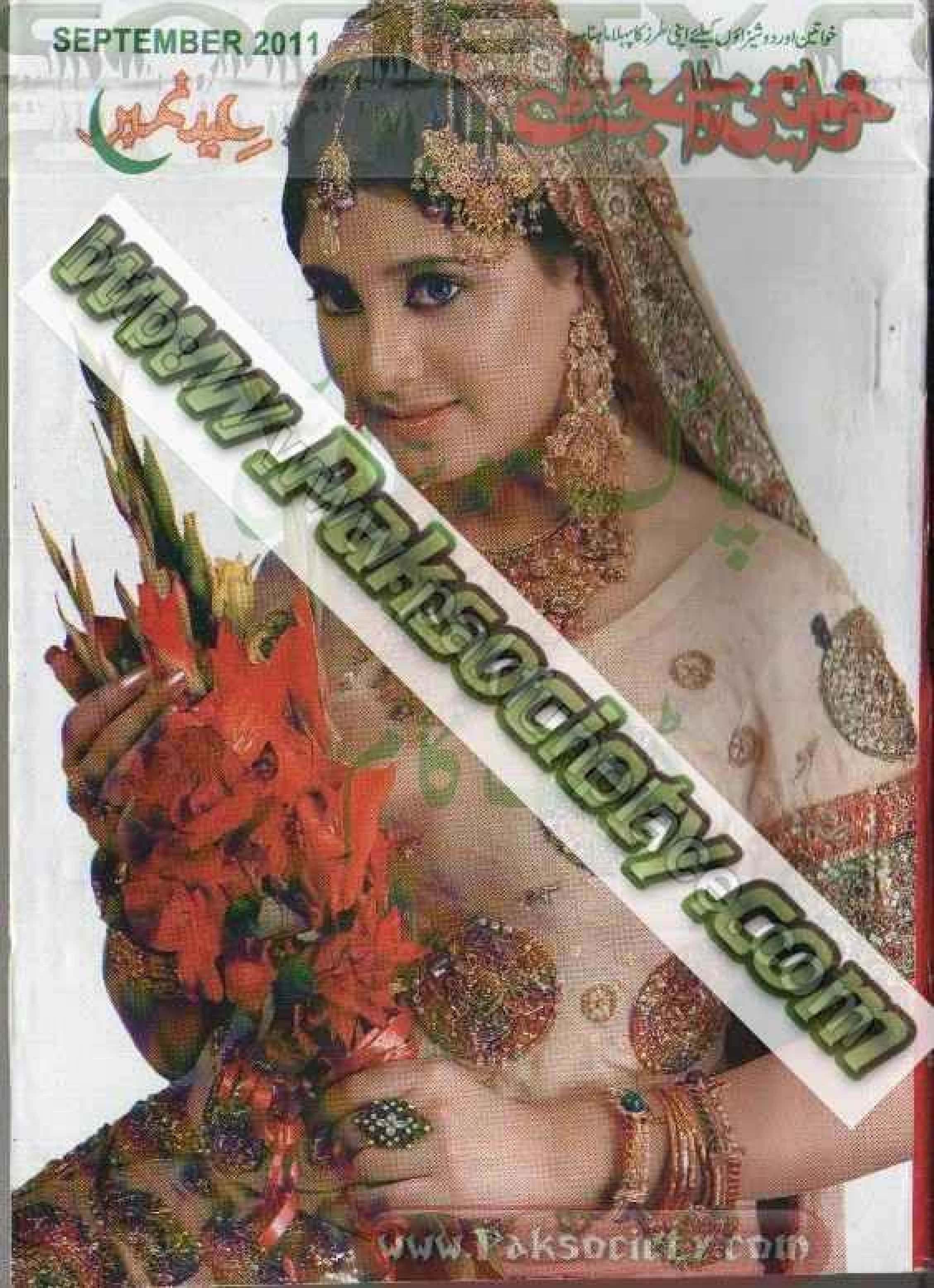


SEPTEMBER 2011
خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
عید نمبر



ستمبر 2011
جلد 39 شمارہ 5
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار کراچی۔

پبلشر آر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر کا شمارہ عید نمبر لیے حاضر ہیں۔

ہر قوم اور مذہب کے لوگوں کے کچھ تہوار ہوتے ہیں جن میں وہ اپنے انداز سے خوشی مناتے ہیں لیکن مسلمانوں کے تہواروں کا انداز جدا گانہ ہے۔ ان میں عبودیت اور تشکر کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری اور اس کی مہربانیوں پر اظہار تشکر۔

عید الفطر مسلمانوں کا مذہبی تہوار ہے۔ عید کے معنی خوشی کے ہیں لیکن وطن عزیز پر نظر ڈالیں تو کہیں بھی کوئی خوش کن منظر نہیں ہے۔

عروس البلاد کراچی جو روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا وہاں آج اندھیروں کا راج ہے اور زندگی بھی بھی منہ چھپائے پھرتی ہے۔

اندرون سندھ بارشوں نے تباہی کی ان گنت داستانیں رقم کی ہیں۔ بے گھر، بے سروسامان، آزمائش میں مبتلا یہ لوگ ہماری بھی آزمائش ہیں۔ ان لوگوں کا ہاتھ تھام لیں۔ ان کے درد بانٹ لیں۔ انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرلیں۔ یہ بھی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عید ہم سب کے لیے حقیقی خوشیوں کا پیغام لے کر آئے۔ وطن عزیز کے ہر گھر میں خوشیوں کا راج ہو۔

خوش خبری،

نازیہ جمیں نے اگرچہ کم لکھا ہے لیکن اچھا لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار قارئین کی پسندیدہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ ایک طویل وقفے کے بعد انہوں نے عید نمبر کے لیے مکمل ناول لکھا ہے۔ جو تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر شامل اشاعت نہ ہوسکا۔ یہ ناول ان شاء اللہ آئندہ ماہ یعنی اکتوبر کے شمارے میں شامل ہوگا۔

اس شمارے میں،

اس ماہ فرحت اشتیاق کا ناول "جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو" کا پہلا حصہ شامل اشاعت [illegible] کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ فرحت اشتیاق نے نہ صرف اپنا معیار برقرار رکھا ہے بلکہ قارئین [illegible] کی دیگر تحریروں سے بڑھ کر ہی پائیں گی۔

نایاب جیلانی کا طویل مکمل ناول بھی پیش کر رہے ہیں۔ نایاب جیلانی کو لکھتے [illegible] لیکن مختصر مدت میں انہوں نے قارئین کے دلوں میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ [illegible] کے ساتھ ساتھ نایاب کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طوالت کے باوجود ان کی کہانی [illegible] آخر تک قائم رہتی ہے۔

- آسیہ رزاقی کا ناولٹ۔ پہلی اور آخری قسط،
- بشریٰ [illegible] مستقل [illegible] تکمیل کے مراحل میں،
- انیسہ سلیم، ہما فاطمہ، ارم تمامہ، زاہدہ افتخار شیخ اور مائرہ [illegible] کے افسانے،
- نگہت عبداللہ کا ناول "میرے خواب لوٹا دو"،
- عید [illegible] ہے۔ قارئین سے سروے،
- معروف فنکارہ ایمن طارق سے ملاقات،
- [illegible] نگارہ فاطمہ آفندی سے باتیں،
- کرن کرن روشنی۔ احادیث نبوی [illegible] کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور [illegible] شمارے میں شامل ہیں۔

عید نمبر آپ کو کیسا لگا [illegible] منتظر رہیں گے۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیادیں ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی [illegible] ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے۔ اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی [illegible] صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں [illegible] ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

قرض اچھے طریقے سے ادا کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے زیادہ بہتر لوگ وہ ہیں جو اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔"

دعا

حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے غزوۂ حنین کے موقع پر تیس ہزار یا چالیس ہزار قرض لیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (غزوے سے واپس) تشریف لائے تو انہیں قرض ادا کر دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تیرے گھر بار میں اور تیرے مال میں برکت عطا فرمائے ادھار کا بدلہ (قرض کی) ادائیگی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔"

فوائد و مسائل: ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے۔ اچھے طریقے سے ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بروقت ادائیگی کی جائے۔

جیسی چیز لی ہو اس سے بہتر ادا کرنا بھی حسن اخلاق میں شامل ہے۔ لیکن اگر یہ پہلے سے طے ہو اور قرض خواہ اس کا مطالبہ کرے تو یہ سود ہے۔ جو بہت بڑا گناہ ہے۔

قرض ادا کرتے وقت قرض خواہ کو دعائیں دینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی اچھے طریقے سے ادائیگی میں شامل ہے۔

قرض خواہ کو (سخت بات کہنے کا حق ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "انہوں نے فرمایا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض واپس مانگنے آیا" یا کسی اور مالی حق کا مطالبہ کرنے آیا۔ اس نے کچھ (نامناسب) الفاظ کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تادیب کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رک جاؤ قرض والے کو اپنے ساتھی (مقروض) پر اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ادائیگی نہ کردے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا ایک بدو (اعرابی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کسی قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت لہجے میں بات کی حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا۔ اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کروں گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

تجھ پر افسوس! کیا تجھے معلوم نہیں تو کس سے مخاطب ہے؟ اس نے کہا میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا۔

"اگر تمہارے پاس کھجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔"

انہوں نے کہا۔

"میرے ماں باپ آپ پر قربان' اے اللہ کے رسول! میں حکم کی تعمیل کروں گی۔"

انہوں نے آپ کو (کھجوریں) قرض دے دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کا قرض ادا کیا اور اسے کھانا کھلایا۔

اس نے کہا۔ "آپ نے مجھے پورا حق دے دیا' اللہ آپ کو پورا دے۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایسے لوگ بہترین ہوتے ہیں۔ وہ قوم پاک نہیں ہوتی جس میں کمزور کو پریشان کیے بغیر اس کا حق نہ دیا جائے۔"

فوائد و مسائل : قرض خواہ کو سختی کا حق حاصل ہے لیکن افضل یہی ہے کہ تقاضا کرنے میں [illegible]

کی جائے اور مقروض کو مناسب مہلت دے دی جائے۔

جاہلوں کے غلط رویے کا جواب سختی سے نہ دیا جائے بلکہ برداشت کیا جائے۔

حق دار کو اس کا حق اور قرض خواہ کو اس کا قرض بن مانگے ادا کرنا چاہیے۔ یہ انتظار نہ کیا جائے کہ وہ جب مانگے گا تب دے دیں گے۔

قرض (کی عدم ادائیگی) کی وجہ سے قید کرنا اور ساتھ رہنا

حضرت عمرو بن شرید رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت شرید ثقفی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ادائیگی کی طاقت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔"

(امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ کے استاد) علی بن محمد طنافسی رحمتہ اللہ نے فرمایا۔

بے عزتی کرنے سے مراد اس کی شکایت کرنا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔

فوائد و مسائل : قرض بروقت ادا کرنا ضروری ہے۔ معقول عذر کے بغیر تاخیر جائز نہیں۔

اگر مقروض وقت پر قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف حکمران یا قاضی سے شکایت کی جا سکتی ہے۔ حاکم اور قاضی کا فرض ہے کہ حق دار [illegible] حق دلوائے۔

اگر مقروض واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مزید مہلت دی جائے یا قرض معاف کر دیا جائے یا بیت المال سے اس کی مدد کی جائے۔ بیت المال کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے سے اس کی مدد کریں۔

جن جرائم میں حد نہیں ان میں مجرم کو تعزیر کے طور پر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

مقروض

[illegible] بن کعب بن مالک رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت حبیب بن ثعلبہ) سے اور وہ ہرماس [illegible] (حضرت ثعلبہ تمیمی عنبری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا۔ میں اپنے ایک مقروض کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"(یہ جہاں جائے) اس کے ساتھ رہو۔" [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت میرے پاس سے گزرے تو فرمایا "اے بنی تمیم کے بھائی! تمہارے قیدی کا کیا بنا؟"

حضرت کعب [illegible] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے [illegible] انہوں [illegible] حضرت عبداللہ بن ابو حدرد رضی اللہ عنہ سے ان کے ذمے اپنے قرض کی [illegible] ان کی آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی [illegible] سن لیں۔

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر ان کے پاس [illegible] لائے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ انہوں نے کہا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اپنے قرض میں سے اتنا معاف کر دو۔" اور ہاتھ سے نصف کا اشارہ کیا (آدھا قرض چھوڑ دو)

انہوں نے کہا "میں نے معاف کیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن ابو حدرد رضی اللہ عنہ سے) فرمایا۔ "اٹھو اس کا قرض ادا کرو۔"

فوائد و مسائل : قرض خواہ مقروض سے قرض کی واپسی کا تقاضا کر سکتا ہے۔

دو آدمیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو صلح کرا دینی چاہیے۔ خاص طور پر وہ شخص جس کو جھگڑنے والوں پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہو۔ اس کی بات مانی جاتی ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرائے۔

صلح کے لیے صاحب حق اپنا کچھ حق چھوڑ دے تو بہت ثواب کی بات ہے۔

قرض دینا

حضرت قیس بن رومی رحمتہ اللہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا۔ حضرت سلیمان بن اذنان رحمتہ اللہ نے حضرت علقمہ رحمتہ اللہ کو ان کا وظیفہ (تنخواہ) ملنے تک کی مدت کے لیے ایک ہزار درہم قرض دیا۔ جب انہیں وظیفہ ملا تو انہوں (سلیمان) نے ان سے سختی سے (قرض کی واپسی کا) تقاضا کیا۔

علقمہ رحمتہ اللہ نے ادائیگی کر دی لیکن انہیں ناراضی محسوس ہوئی (کہ اتنی سختی سے تقاضا کیا ہے) چند ماہ ٹھہر کر وہ (پھر) ان کے پاس آئے اور کہا۔

"مجھے تنخواہ ملنے تک ایک ہزار درہم قرض دے دیں۔" انہوں نے کہا۔

"ہاں (میں بڑی خوشی سے آپ کا) احترام کرتے ہوئے (آپ کو قرض دیتا ہوں' پھر اپنی بیوی سے کہا) اے ام عتبہ! تمہارے پاس جو مہر بند تھیلی ہے' وہ لے آؤ۔ وہ لے آئیں تو (علقمہ سے) کہا۔ قسم ہے اللہ کی! یہ آپ کے وہی درہم ہیں جو آپ نے مجھے ادا کیے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک درہم بھی ادھر ادھر نہیں کیا۔"

علقمہ رحمتہ اللہ نے کہا "کیا خوب! آپ نے مجھ سے جو سلوک کیا اس کی کیا وجہ؟"

انہوں نے کہا۔ (اس کی وجہ حدیث تھی) جو میں نے آپ سے سنی۔ انہوں نے کہا۔ آپ نے مجھ سے کون سی حدیث سنی؟ سلیمان نے کہا۔ میں نے آپ (علقمہ) کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو مسلمان دوسرے مسلمان کو دوبارہ قرض دیتا ہے' وہ ایک بار اتنا صدقہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔"

علقمہ رحمتہ اللہ نے فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (واقعی) اسی طرح حدیث

سنائی تھی۔

قرض کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"معراج کی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا۔ صدقے کا ثواب دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔ میں نے کہا۔

"اے جبریل! کیا وجہ ہے کہ قرض صدقے سے بھی زیادہ فضیلت کا حامل ہے؟" انھوں نے کہا اس لیے کہ سائل (بعض اوقات) سوال کرتا ہے' حالانکہ اس کے پاس (اس کی ضرورت کا مال) موجود ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا ضرورت (اور مجبوری) کی حالت ہی میں قرض لیتا ہے (کیونکہ قرض کی واپسی تو ضروری ہے اس لیے مجبوری کے وقت ہی لیا جاتا ہے")

حضرت یحییٰ بن ابو اسحٰق ہنائی رحمتہ اللہ سے روایت ہے' انھوں نے فرمایا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

ایک آدمی اپنے بھائی کو مال بطور قرض دیتا ہے' پھر وہ (مقروض) اسے کچھ تحفہ دے دیتا ہے (کیا یہ مناسب ہے؟)

انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی شخص جب (کسی کو) قرض دے' پھر (مقروض) اسے تحفہ دے یا سواری کے لیے جانور پیش کرے تو (قرض خواہ کو چاہیے کہ) وہ اس پر سواری نہ کرے اور نہ وہ (تحفہ) قبول کرے' سوائے اس کے کہ ان دونوں میں پہلے سے (تحفے تحائف کا) یہ سلسلہ جاری ہو۔"

فوت شدہ کی طرف سے قرض کی ادائیگی

حضرت سعد بن اطول جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا بھائی فوت ہو گیا اس نے تین سو درہم (ترکہ) چھوڑا اور بال بچے بھی چھوڑے۔ میں نے چاہا کہ یہ مال اس کے بیوی بچوں پر خرچ کروں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے قید ہے' اس لیے اس کا قرض ادا کرو۔"

تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اے اللہ کے رسول! میں نے اس کا (سارا) قرض ادا کر دیا ہے' سوائے دو دینار کے۔ ایک عورت ان کا دعوا کرتی ہے لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت (گواہی وغیرہ) نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے دے دو وہ سچی ہے۔"

فوائد و مسائل : بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال ان کے حوالے کر دیا جائے' یا اس سے ان کی ضروریات پوری کی جائیں کیونکہ مرنے والے کے ترکے میں سے بیوی کا حصہ مقرر ہے' جو باقی بچے وہ بچوں کا ہے۔

وراثت میں بعض افراد کا حصہ مقرر ہے۔ انھیں حصہ دینے کے بعد باقی مال قریبی رشتے داروں کو ملتا ہے۔ انھیں "عصبہ" کہتے ہیں۔ عصبہ افراد میں بیٹا' بھائی پر مقدم ہے۔

ترکے کی تقسیم قرض کی ادائیگی کے بعد ہوتی ہے۔ عورت کا یہ دعوا تھا کہ مرنے والے کے ذمے اس کے دو دینار تھے۔ حضرت سعد بن اطول رضی اللہ عنہ اپنے اطمینان کے لیے گواہی طلب کرتے تھے۔ عورت کے پاس گواہی نہ تھی۔ اس [illegible] کے لیے [illegible] کیا ہے کہ قرض [illegible] لانا چاہیے اور گواہ بھی [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے معلوم ہو [illegible] دعوا درست ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو دینار دلوا دیے۔

قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں فوت ہونے والے کو اللہ کے ہاں قید کیا جاتا ہے لیکن یہ قید صرف جنت میں داخلے سے رکاوٹ ہے' اس کی وجہ سے وہ کسی [illegible] کا مستحق نہیں بن جاتا۔ واللہ اعلم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد (حضرت عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ) فوت ہوئے تو ان کے ذمے ایک یہودی کا تیس وسق غلہ قرض تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت مانگی تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یہودی سے ان کی سفارش کر دیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لے جا کر یہودی سے بات چیت کی (اور یہ پیش کش کی) کہ ان پر جو قرض ہے اس کے بدلے وہ ان کی کھجوروں کا سارا پھل لے لے تو اس (یہودی) نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مہلت دینے کو کہا تو اس نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے اور درختوں کے درمیان چلے' پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"پھل اتارو اور اس کا حق پورا ادا کر دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد انھوں نے پھل اتار کر تیس وسق کھجوریں اس (یہودی) کو دے دیں اور بارہ وسق کھجوریں بچ گئیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی خبر دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو جابر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر اطلاع دی کہ انھوں نے اس (یہودی) کو پوری ادائیگی کر دی ہے اور جو مقدار بچ گئی تھی وہ بھی بتائی' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عمر بن خطاب کو بھی یہ بات بتاؤ۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انھیں یہ بات بتائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس (باغ) میں چل رہے تھے تو مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پھل میں ضرور برکت عطا فرمائے گا۔"

فوائد و مسائل : حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد پر اور بھی بہت سے لوگوں کا قرض تھا۔ ان کے بارے میں دوسری احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ یہودی ان قرض خواہوں میں سے ایک تھا۔

اس یہودی کے سوا دوسرے قرض خواہوں کو ادائیگی کرتے وقت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ کر ہر ایک کو اس کا قرض ادا کیا تھا۔

کھانے پینے کی چیزوں میں یہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے' جو متعدد مواقع پر ظاہر ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان اتنا زیادہ تھا کہ انھیں معجزہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ یوں پیش آئے گا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت اور شان کا اظہار ہوتا ہے۔ "وسق" ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے' جس کی کل مقدار ہمارے یہاں کے اعتبار سے تقریباً چار من بنتی ہے۔

نالے کو رسا باندھنے والے

انشاجی

بے شک ہم نے پچھلے دنوں اخبار میں پڑھا تھا کہ وزیر خزانہ عقیلی صاحب نے عظیم تر کراچی کو پانی کی بہم رسانی کے منصوبے کے لیے ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ اس منصوبے پر اتنی جلدی عمل ہوگا اور ہماری انقرہ سے واپسی کا انتظار بھی نہ کیا جائے گا۔ عقیلی صاحب کا بیان پڑھنے کے بعد ہم کئی دن کپڑے اتارے ٹونٹی کھولے نل کے نیچے بیٹھے رہے۔ آخر مایوس ہو کر چل دیے کہ اچھا بھیجو روم میں نہالیں گے۔ آبنائے باسفورس میں ڈبکی لگا لیں گے۔ ہمارے جانے کی دیر تھی کہ پانی کھل گیا اور ایسا آسمان کا چھپر پھاڑ کر کھلا کہ لوگوں کے گھروں میں ایک غسل خانے تو ضرور سوکھے رہے۔ باقی ہر جگہ جل تھل ہو گیا۔ ہم یہ خبر پاتے ہی بھاگے بھاگے کراچی واپس آئے اور جلدی سے نل کھول بالٹی آگے کی۔ اس میں سے ایک سرد آہ نکلی اور ایک مصرع ٹپکا۔

جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں

☆ ☆ ☆

اصل میں قصور ہمارا ہے۔ ہم پانی کے لیے کالم پر کالم تو لکھتے رہے لیکن یہ وضاحت کرنا بھول گئے کہ ہم پانی نلکوں کے راستے چاہتے ہیں۔ براہ راست نہیں کیونکہ ہم کوئی گوالے تھوڑا ہی ہیں۔ نہ پانی کے جانور ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ کے ڈی اے والوں نے عظیم تر کراچی کے لیے پانی کی بہم رسانی کا منصوبہ عقیلی صاحب کو پیش کرتے ہوئے یہ بات صاف کر دی ہوگی کیونکہ عقیلی صاحب کراچی میں نہیں رہتے وہ ان رموز کو کیا جانیں کہ ہمیں پانی کی کتنی ضرورت ہے اور کس طور ضرورت ہے۔ خیر بندہ بشر ہے غلطی بھی ہو ہی جاتی ہے۔ بہرحال آئندہ کے لیے یہ ملحوظ رکھا جائے کہ ہمیں پانی فقط اتنا چاہیے کہ خود پی سکیں۔ اتنا نہیں کہ ہمیں پی جائے۔

☆ ☆ ☆

ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ غلط فہمی خود ہمیں ہوئی ہے۔ پانی کی ایسی ریل پیل سے جو ہمارے بعد کراچی میں ہوئی۔ عقیلی صاحب کا کچھ تعلق نہیں۔ عظیم تر کراچی کے لیے پانی کا عظیم تر منصوبہ تو ابھی تک ان کی تزرے میں سوکھا پڑا ہے۔ یہ کارگزاری کہیے یا کارستانی کارکنان قضا و قدر کی ہے۔ ان بزرگوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے محکمہ موسمیات پر بات ڈالی کہ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں ان کی پیش گوئی سن کر کرتے ہیں۔ اس سے سر مو انحراف کی ہمیں مجال نہیں۔ کے ڈی اے والے اپنا قصور صرف اس حد تک مانتے [illegible] نے ابر کرم کا ریٹال فقط ابن انشا کے [illegible] استدعا کی تھی [illegible] یہی [illegible] محرم کے دنوں میں بھی پانی [illegible] تھا [illegible] تعلق [illegible] رہنے کی وجہ سے ہماری [illegible] کیا انجام ہوتا ہے۔ [illegible] نے اقرار کیا کہ بے شک ہم [illegible] پوری ہونے کی کوئی سبیل [illegible] منشا ہماری بھی نہ تھی کہ اس سبیل کی [illegible] کھول کر اس زمانے کا تریڑا دیا جائے۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ ہماری دعا کا پتا غلط ہو گیا اور یہ عالم بالا پر اس شاعر کو موصول ہو گئی جس نے لکھا تھا۔

روتے پہ باندھ لے جو مری چشم تر کمر
کیسی زمین فلک پہ ہو پانی کمر کمر

☆ ☆ ☆



چند ماہ ادھر کی بات ہے کہ لاہور میں مینہ برسا اور چھاجوں برسا۔ لوگوں کے سوکھے دھانوں پر پانی پڑا تو ہر کسی نے یہ جتانے کی کوشش کی کہ یہ تو من آنم کہ من دانم۔ لیکن یہ بارش بندے نے برسائی ہے اسی گنہگار نے اللہ میاں کو اشارہ کیا تھا۔ کہاں اسے اجازت ہے۔ ہمارے دوست میاں انتظار حسین نے طبعی انکسار کی بنا پر اپنا نام [illegible] اور ہمارے دوست ناصر کاظمی کی جھولی میں ڈال دی کہ انہوں نے ایک غزل [illegible] ٹیلی وژن پر ان سے گوائی [illegible] بادلوں کو امڈ گھمنڈ کر آتے ہی بنی۔ اسی [illegible] ہم نے بخاری صاحب سے [illegible] "کراچی میں ٹیلی وژن کے خداوند آپ ہیں [illegible] ان سینوں اور بھیجوں کی [illegible] کسی کو پکڑیے۔ ٹیلی وژن کا اسٹوڈیو تو ابھی نہیں بنا۔ لیکن [illegible] ٹوٹ گئے ہیں۔ ایک بھجے پر اسے بٹھا کر حکم دیجیے کہ ملہار گا۔ تجھے معقول پیسے دیں گے۔ لیکن پہلے چھتری تان لے ورنہ بھیگ جائے گا۔

کیا عجب بخاری صاحب نے ہماری یہ فرمائش ریڈیو کے فرمائشی پروگرام کو بھیج دی ہو۔ جواب تک ان کی بات مانتے ہیں کیونکہ انقرہ میں جمعرات 27 جولائی کو ہم نے بارش کی تباہی کا سن کر فکر مندی سے ریڈیو کھولا تو سال گیارہ بجے دن کی خبریں ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا قیامت برپا ہے۔ جوں ہی خبریں ختم ہوئیں۔ پہلا ریکارڈ یہی سنائی دیا۔

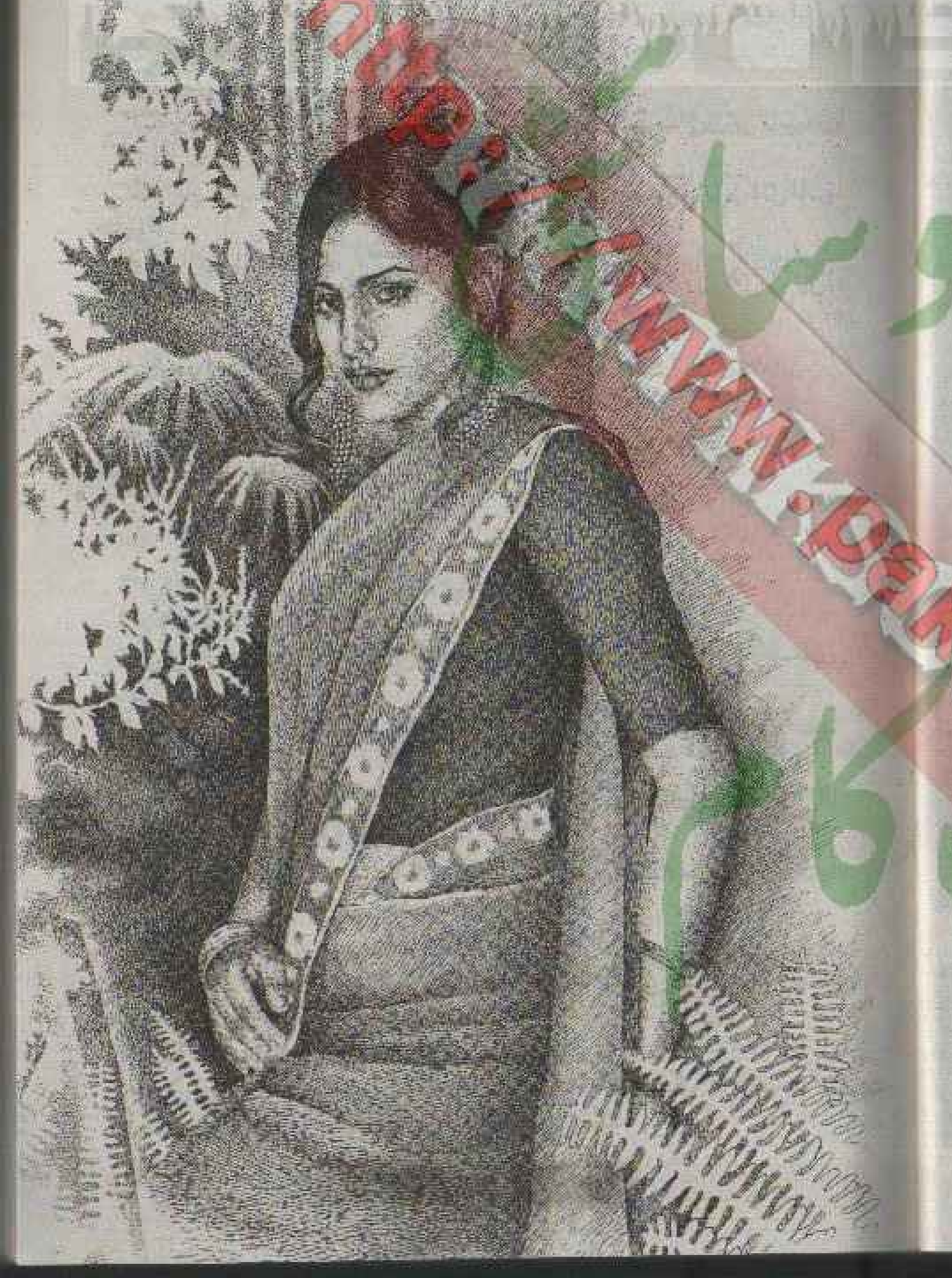
جھوم جھوم کر برسو بادل جھوم جھوم کر برسو۔

☆ ☆ ☆

خیر ہمیں شاعری اور نغمے کی تاثیر سے انکار نہیں اور یہ بھی تسلیم کہ ہمارے ہاں ایسے باکمال شاعر اور نغمہ سرا گزرے ہیں کہ گلیوں کوچوں میں صدا لگاتے پھرتے ہیں۔ بارش برسوا لو بارش۔ آپ کو اپنے لان میں پانی دینا ہے" تو آواز دی کہ "میاں ذرا آدھ انچ بارش چاہیے۔ کتنے پیسے لوگے؟ معاملہ پٹا تو اس نے فوراً "برسائی اودھ کلن" پر ہاتھ رکھ کر ایک تان لگائی۔ آدھ انچ بارش برس چکی تو خود بخود دھوپ نکل آئی۔

پرانے زمانے میں ایک بات یہ اچھی تھی کہ بارش زیادہ ہو جائے جیسی کراچی میں ہونے لگی ہے تو نالے کو رسا باندھنے والے بھی مل جاتے تھے۔ اب کسی ناصر کاظمی یا بڑے بارش علی خاں سے کہتے تو کہہ میاں ذرا اور نئی نالے کو رسا باندھو اور روک۔ جھونپڑیاں بھی جا رہی ہیں۔ آج کل یہ فن شریف ناپید ہو گیا ہے۔ جس طرح آتش بازی پر پابندی لگنے کے بعد سے دیپک راگ گانے والے ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔

☆



نگہت عبداللہ

میرے خواب لوٹا دو

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں' سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی' خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ یاسمین اس پر اپنے جیٹھ جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے' جب کہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد' اجلال رازی سے ہو چکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گیا ہوا ہے۔ یاسمین اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلا تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہو گئی اور اس نے اجلال سے منگنی توڑ دی۔ اجلال تعلیم مکمل کرکے واپس آیا تو اسے منگنی ٹوٹنے کا پتا چلا۔ وہ اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

۲
دوسری قسط



"بھائی کو تو آنے دو یا اگر تمہیں اور بلال کو بھوک لگی ہے تو تم دونوں کھا لو۔" ساجدہ بیگم نے اس انداز سے کہا جیسے انہیں ابھی بھوک نہیں ہے۔

"اوہو امی! میں اور بلال بھوک برداشت کر سکتے ہیں۔ میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی ہوں' رازی بھائی کے انتظار میں مت بیٹھا کریں۔" ثنا نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"کیا کروں اس کے بغیر نہیں کھایا جاتا۔"

"اتنے برسوں سے ان کے بغیر ہی کھا رہے تھے ناں ہم لوگ۔ چند دنوں میں آپ نے اپنی روٹین خراب کر لی۔" ثنا ناراضی سے بولی تھی۔

"ثناء!" ساجدہ بیگم نے تنبیہی انداز میں اسے گھورا تو وہ منہ پھلا کر جانے لگی۔ تب ہی رازی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔

"لو آگیا رازی۔ جاؤ لگاؤ کھانا۔ بلال کو بھی بلاؤ۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ بلال کو پکارتی ہوئی چلی گئی۔ چند لمحوں بعد رازی اندر آگیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بہت دیر کر دیتے ہو۔ جاؤ اب جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ۔ ثنا کھانا لگا رہی ہے۔" ساجدہ بیگم کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی آپ چلیں' میں آرہا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ساجدہ بیگم ڈائننگ روم میں آگئیں۔ بلال سالن کی ڈش میں چمچ گھما کر ثناء سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا بنایا ہے؟"

"مغز۔" ثنا جانے کیوں تپی ہوئی تھی۔

"کس کا؟" بلال نے اس کا تپنا محسوس کر کے مزید چھیڑنے کی غرض سے پوچھا تھا۔

"اپنا۔" چٹاخ سے جواب آیا تھا۔

"میں بھی یہی سمجھ رہا تھا' بس تم سے تصدیق کروانا چاہ رہا تھا۔" بلال نے انتہائی معصوم شکل بنا کر کہا۔ ساجدہ بیگم قصداً خاموش رہیں۔

"دیکھ رہی ہیں امی آپ اسے؟" ثناء نے شکایتاً کہا۔ جواب میں بلال کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رازی کے آنے پر شرارت سے مسکرا کر رہ گیا تھا۔

"لو بیٹا!" ساجدہ بیگم نے سالن کی ڈش اٹھا کر رازی کے آگے رکھ دی تو اس نے پہلے ساجدہ بیگم کی پلیٹ میں سالن نکالا پھر اپنی پلیٹ میں نکال کر ڈش ثنا کی طرف بڑھا دی۔

"بھائی! سارے خاندان والے آپ سے ناراض بیٹھے ہیں۔" ثناء نے ... کہا تو رازی حیران ہوا۔

"مجھ سے کیوں؟"

"ظاہر ہے سب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کی باقاعدہ دعوت کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہیں کہ آتے ہی مصروف ہو گئے۔ پرسوں ممانی جان شکایت کر رہی تھیں' ہیں ناں امی؟"

ثناء نے آخر میں ساجدہ بیگم کی طرف دیکھا' انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔

"کام زیادہ ضروری ہے۔ دعوتوں میں وقت ضائع کروں گا۔ باقی ملنا ملانا تو چلتا ہی رہے گا۔" وہ سہولت سے کہہ کر کھانے میں مصروف ہو گیا پھر اچانک جیسے کچھ خیال آیا ثناء کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم کالج جا رہی ہو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ انتظامیہ نے تو التوا ڈال رکھی تھی' اس لیے ہوں کی آواز نکالی۔"

"سمارہ سے ملاقات ہوتی ہے؟" رازی کا اگلا سوال تھا۔ ساجدہ بیگم چونک گئیں۔

"جی۔ لیکن اب وہ پہلے کی طرح نہیں ملتی۔ بہت روڈ ہو گئی ہے۔ صاف لگتا ہے جیسے بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔"

ثناء کچھ زیادہ بولنے لگی تھی کہ ساجدہ بیگم نے کہنی مار کر اسے خاموش کرا دیا پھر کن انکھیوں سے رازی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ثنا ساجدہ بیگم کی بیٹی تھی لیکن ان کی کوئی ایک خوبی اس میں نہیں آئی تھی۔ ساجدہ بیگم جتنی منکسرالمزاج' متحمل اور بردبار تھیں ثنا اسی قدر بے صبری' تنگ مزاج اور اس کے اندر جلن کا مادہ بھی تھا۔ یہ تو ساجدہ بیگم کا رعب تھا جو اسے ادب و لحاظ کے دائرے میں رکھے ہوئے تھا ورنہ اس کے اندر بڑی بغاوت تھی۔ بہرحال جب سے اریبہ کی منگنی کی انگوٹھی واپس کی گئی تب سے وہ صرف اس سے ہی نہیں اس کے پورے گھر سے خار کھانے لگی تھی اور اس نے چاہا تو یہ تھا کہ اس بات کو باقاعدہ سارے میں نشر کر دیا جائے۔ لیکن یہاں ساجدہ بیگم نے بہت سختی برتی تھی اور یہ کہا تھا کہ رازی کے آنے کے بعد حالات دیکھتے ہوئے کوئی فیصلہ ہو گا۔ یعنی اگر رازی نے بھی اس رشتے سے انکار کر دیا تب کوئی مسئلہ نہیں ہو گا اور اب تو مسئلہ ہی مسئلہ تھا۔

رازی اریبہ کی اس حرکت سے ناراض ضرور تھا لیکن اس سے ناتا توڑ لینے کے حق میں نہیں تھا۔ اس لیے اس نے ساجدہ بیگم کو توصیف احمد سے بات کرنے سے روک دیا تھا۔ پھر جس طرح وہ بزنس میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس سے ثنا مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ وہ یہ سوچتی کہ اریبہ کی وجہ سے بھائی اس سے بلکہ پورے خاندان سے دور ہو گیا ہے۔ گو کہ یہ سوچنے میں وہ کسی حد تک حق بجانب بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خود غرض بھی ہو گئی تھی۔ یعنی اسے یہ احساس نہیں تھا کہ رازی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ بس یہ چاہتی تھی کہ رازی فوراً اریبہ کی محبت دل سے نکال پھینکے۔

"اریبہ کوئی ایسی حور پری نہیں ہے جس کے لیے جوگ لیا جائے۔ میں رازی بھائی کے لیے اس سے اچھی لڑکی لاؤں گی۔" اس وقت وہ اپنی ماموں زاد سنبل کے سامنے اچانک پھٹ پڑی تھی۔

"ارے کیا تمہاری لڑائی ہو گئی ہے اریبہ سے؟" سنبل اس کے مزاج سے واقف تھی جب ہی یہی سمجھی۔

"جی نہیں۔ میں کیوں لڑوں گی اس سے۔ ایسے لوگوں کو تو میں منہ ہی نہیں لگاتی۔"

"بری بات۔ وہ تمہاری بھابھی بننے والی ہے اور وہ بھی بڑی۔" سنبل نے ٹوک کر کہا تو اب وہ کچھ رازداری سے بولی تھی۔

"نہیں سنبل آپی! وہ بات ختم ہو گئی۔ میرا مطلب ہے منگنی ٹوٹ گئی۔"

"کیا! کب؟" سنبل شاکڈ نہیں ہوئی تھی بلکہ شاید اس کی دلی مراد بر آئی تھی۔ البتہ حیران ضرور ہوئی۔

"بہت دن ہو گئے۔" ثنا لاپروائی سے بولی۔ "اچھا ہوا سنبل آپی! مجھے اریبہ شروع ہی سے پسند نہیں تھی۔"

"لیکن وہ دونوں تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔" سنبل کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"کرتے تھے' اب تو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ خیر چھوڑیں' یہ بتائیں آپ ہمارے گھر کب آرہی ہیں؟" ثنا نے سر جھٹک کر سنبل کا ہاتھ تھام لیا اور لگاوٹ کا مظاہرہ کرنے لگی۔

"تم کہہ رہی ہو منگنی ٹوٹے بہت دن ہو گئے لیکن میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی۔" سنبل کا ذہن اسی بات میں الجھا تھا۔

"کیسے سنتیں۔ امی نے کسی کو بتایا ہی نہیں اور ہمیں بھی بتانے سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ توصیف چچا کو بھی پتا نہیں ہے۔" ثنا سوچے سمجھے بغیر معلومات فراہم کر رہی تھی۔

"مجھے تمہاری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آ رہیں ثنا یعنی اتنی بڑی بات ہو گئی اور کسی کو پتا ہی نہیں۔ توصیف انکل بھی بے خبر ہیں اور خالہ آنٹی؟" سنبل نے الجھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"خالہ آنٹی کو آپ بتا دیں ناں تاکہ توصیف چچا تک بات پہنچ جائے۔ امی پتا نہیں کیوں چھپائے بیٹھی ہیں۔ آپ بتائیں چھپانے کا کوئی فائدہ ہے کیا۔ کم از کم توصیف چچا کو تو ضرور خبر ہونی چاہیے۔ آخر وہ اریبہ کے باپ ہیں۔" ثنا نے بڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"ہوں۔" سنبل نے یونہی سر ہلا دیا تھا۔

"پتا ہے سنبل آپی! میں تو آپ کو اپنی بھابھی بنانا چاہتی ہوں۔" ثنا اپنے مطلب پر آ گئی۔ سنبل چونک کر اسے دیکھنے لگی تو جلدی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے امی بھی یہی چاہتی ہیں۔ بس انتظار کر رہی ہیں کہ رازی بھائی سیٹ ہو جائیں اور جو اپنی اجڑی محبت کا ماتم کر رہے ہیں۔ اس سے بھی نکل آئیں پھر وہ آپ کے لیے بات کریں گی۔"

سنبل کا دل گویا ہلکورے لینے لگا تھا۔ لیکن بظاہر سنجیدگی سے ثنا کو دیکھنے لگی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں سنبل آپی! میں امی کا ارادہ بھانپ کر ہی آپ کے پاس آئی ہوں اور ساری بات آپ کو بتا دی ہے۔ صرف اس لیے کہ آپ رازی بھائی کو سنبھال سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب...؟" سنبل چونکی تھی۔

"میرا مطلب ہے وہ بے چارے بہت ڈسٹرب ہیں۔ منگنی ٹوٹنے سے ان کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اگر آپ ٹوٹے دل کو جوڑ سکیں تو یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہو گا۔ میں رازی بھائی کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز سنبل آپی!" ثنا آزردہ لہجے میں بولتے ہوئے روہانسی بھی ہو گئی تھی۔

"اوہو... رو تو مت۔" سنبل اسے پچکار کر بولی۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"سچ سچ سنبل آپی!" ثنا خوش ہو گئی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سنبل اپنے کسی خیال پر مسکرا [illegible]۔

☸ ☸ ☸

صبح کی تازہ ہوا میں خوشگوار سی ٹھنڈک تھی۔ جب ہی وہ اٹھنا نہیں چاہتا تھا [illegible] کی چنگھاڑتی ہوئی آواز کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی۔ اس نے بہت جتن کیے۔ کبھی کانوں میں انگلیاں ٹھونسیں۔ کبھی تکیہ سر پہ رکھا لیکن بے سود۔ آخر جھنجھلا کر آنکھیں کھولیں تو دور تک [illegible] آسمان کو دیکھتے ہی اس کی طبیعت خوش ہو گئی۔ بڑے دنوں بلکہ مہینوں بعد وہ آسمان کو اس کے اصل رنگ میں دیکھ رہا تھا ورنہ شہر میں تو باقی ہر شے کی طرح آسمان بھی اپنا اصل رنگ کھو چکا تھا۔ اس کی نظریں [illegible] ایک جگہ ٹھہری نہیں رہی تھیں۔ حالانکہ دور تک کہیں کسی دوسرے رنگ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے اندر کیسی سرشاری تھی کہ نظر ٹھہر رہی تھی نہ دل۔ گوکہ اس کے لیے یہ سادہ مگر دل فریب منظر [illegible] نہیں تھا۔ وہ یہیں پیدا ہوا، یہیں پلا بڑھا تھا۔ زندگی کے ابتدائی پندرہ سال اس نے اسی گاؤں میں [illegible] اس کے بعد بھی اس کا آنا جانا تو رہتا ہی تھا۔ چھٹیوں میں،

امتحانوں کے بعد لیکن تب شاید اسے اتنا شعور نہیں تھا یا شاید حالات کو اپنے تابع کرنے کی جستجو اور انتھک محنت نے اسے زندگی کی بہت سی رنگینیوں سے دور کر دیا تھا جو تاباں [illegible] ابھی بھی وہ ابا کی آواز پہ چونکا تھا۔

"ابا! اتنا دن چڑھ آیا۔ اب اٹھ بھی جا۔" تاباں اپنے ابا کے [illegible] وہ سمجھ گیا در حقیقت اسے مخاطب کر رہی ہے۔ اس کا سارا دھیان دیوار کے اس طرف [illegible]

"پراٹھا بنا دیا ہے ابا! اور تو کھیر شوق سے کھاتا ہے ناں [illegible] کھیر بھی بنا دی ہے۔"

"کملی! کھیر۔ کتنی بار کہا ہے سوجی کا حلوہ بنا۔" تاباں کا ابا کھیر کا سن کر بدمزہ ہوا تھا جبکہ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تو اب میں کھیر کا کیا کروں۔ چل پڑوس [illegible] آؤں گی اور ہاں ابا جلدی آیا کر ناں۔ اتنی دیر کر دیتا ہے میری آنکھیں تھک جاتی ہیں تیری راہ تکتے تکتے۔"

وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"اچھا [illegible] اگر اتنی دیر کی تو [illegible] ناراض ہو جاؤں گی۔ تجھے پتا ہے ناں میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

تاباں کا ابا [illegible] جب ہی وہ ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ اس کا دل چاہا دیوار سے جھانک کر دیکھے [illegible] لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں اس کا ابا نہ دیکھ لے وہ تکیہ اٹھا کر سیڑھیاں اتر آیا۔ اس کے [illegible] صحن میں بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔

"السلام علیکم ابا...!" وہ ان کے سامنے بچھی چارپائی پہ تکیہ پھینک کر پھر وہیں لیٹ گیا۔

"جیوندا رہ... رات ٹھیک سویا؟" ابا نے دعا کے ساتھ پوچھا۔

"جی ابا! مزے کی نیند آئی اور یہ آپ کیا خالی پیٹ حقہ گڑگڑانے بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے کچھ کھا پی لیا کریں۔" اس نے جواب کے ساتھ ٹوک بھی دیا لیکن ابا پہ کچھ اثر نہیں ہوا۔ اپنا شغل جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"اس بار تو پورے چار مہینے بعد آیا ہے اور چار دن میں آنا بھی جائے گا۔ کیوں تیرا دل نہیں لگتا یہاں؟"

"نہیں...!" وہ بے ساختہ کہہ کر پھر فوراً وضاحت کرنے لگا تھا۔ "یہاں میرے لیے کچھ نہیں ہے ابا! میں جو پڑھ رہا ہوں اس کے بعد یہاں آپ کے ساتھ کھیتی باڑی تو نہیں کر سکتا۔"

"کیوں کھیتی باڑی کرنے سے تیری شان گھٹ جائے گی۔" ابا نے برا مان کر ٹوکا تو وہ محض تکرار سے بچنے کی خاطر بہن کو پکارنے لگا۔

"تاجور... تاجور!"

"جی بھائی۔" تاجور بھاگی آئی تھی۔

"چائے..." وہ چائے کہتے کہتے رہ گیا اور بے اختیار تاجور کی کلائی پکڑ کر پوچھنے لگا۔

"تم اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہو۔ کھاتی پیتی نہیں ہو کیا؟"

"کھاتی ہوں۔" تاجور کی آواز دھیمی تھی۔

"کیا کھاتی ہو...؟"

"وہی جو تو وہاں سے بھیجتا ہے۔" ابا پہلے بول پڑے۔ "گھی شکر، دودھ ملائیاں، وہ سارا یہی تو کھاتی ہے۔"

"ابا! کیا ہو گیا ہے؟" وہ بری طرح جھنجھلایا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ چار دن کے لیے آتا ہے دماغ خراب کر جاتا ہے اس کا۔ میری ایک صرف یہ اولاد نہیں ہے۔ اور بھی ہیں۔ میں جتنا کر سکتا ہوں کر رہا ہوں۔" ابا کو غصہ جانے کس بات کا تھا جو منہ میں آیا بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اس نے سر جھٹک کر تاجور کو دیکھا۔ وہ نو عمر معصوم لڑکی خائف کھڑی تھی۔ تب وہ زبردستی مسکرایا اور تاجور

کو پاس بٹھا کر پوچھنے لگا۔

"تم اچھی تو ہو ناں۔۔۔؟" تاجور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"خالہ ڈانٹتی مارتی تو نہیں ہے۔" وہ اور تاجور بھی سوتیلی ماں کو خالہ کہتی تھی۔

"نہیں۔" تاجور کا ایک "نہیں" بے انتہا مجبوری لیے ہوئے تھا۔ وہ خاموش ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ کتنی رنگت سنولا گئی تھی۔ آنکھوں میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ تب ہی بیرونی دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور تاباں وہیں سے پکارتی ہوئی چلی آئی۔

"چچا جی۔۔۔ چاچی!" اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ ہاتھوں میں غالباً" کھیر کا پیالہ لیے ہوئی تھی۔ یکدم انجان بن گئی۔

"بیں ابو کب آیا؟"

"ابھی۔۔۔!" اس نے بے نیازی سے جھوٹ بولا تو تاباں اچھل پڑی۔

"جھوٹا کہیں کا رات میں نے خود تجھے تانگے سے اترتے دیکھا تھا۔"

"اچھا!" وہ قصداً" ہنسا تو تاباں نے سٹپٹا کر کھیر کا پیالہ آگے بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھیر' ابا کے لیے بنائی تھی پر اس نے کھائی نہیں۔ سوچا تو کھائے گا اس لیے لے آئی۔" تاباں نے جلدی جلدی بتاتے ہوئے پیالہ اسے تھمانا چاہا لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"بڑی مہربانی۔ میں بھی کھیر نہیں کھاتا۔"

"توبہ توبہ۔ شہر میں رہ کر تو پکا جھوٹا ہو گیا ہے۔ کھیر نہیں کھاتا۔ پچھلی بار جب آیا تھا تو فرمائشیں کر کر کے پکوائی تھی۔۔۔ لے تاج! تو رکھ لے اور خبردار جو اسے ذرا سی بھی چکھائی تو۔" تاباں نے پیالہ تاجور کے ہاتھوں میں تھمایا اور جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے واپس پلٹی تھی۔

"ارے سنو تو۔" وہ اس کی ناراضی سوچ کر ہی پریشان ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اریبہ اپنا جیولری بکس کھولے بیٹھی تھی۔ جس میں ایک لاکٹ' ٹاپس' دو تین انگوٹھیاں اور دو جوڑی [illegible] تھیں اور وہ ان کی مالیت کا اندازہ کر رہی تھی۔ سارہ بار بار کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس سے [illegible] نہیں گیا تو پوچھ لیا۔

"کسی شادی میں جا رہی ہو کیا؟"

"نہیں۔" اریبہ نے اپنے حساب کتاب کے درمیان جواب دیا تھا۔

"پھر یہ جیولری۔۔۔؟" سارہ اب براہ راست اسے دیکھنے لگی تھی۔

"دیکھ رہی ہوں' کتنے میں بکے گی۔" وہ لاکٹ ہتھیلی پر اچھالتے ہوئے بولی۔

"کیا۔۔۔!" سارہ اچھلی تھی۔ "یہ نوبت آ گئی ہے کیا؟ میرا مطلب ہے ایسے تو حالات نہیں۔ کیوں بیچنا چاہتی ہو؟"

"مجھے بائیک خریدنی ہے۔" وہ اطمینان سے بولی تھی۔ سارہ بری طرح سلگ گئی۔

"بائیک' بائیک تم کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہو جو ایسی ضد کر رہی ہو۔"

"یہی تو میں بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں بچی [illegible] ہوں۔" وہ ہنوز اطمینان سے تھی۔

"تو اس کا ثبوت تم بائیک چلا کر دینا چاہتی ہو۔ کیا بات ہے تمہاری۔ اس کا مطلب ہے مجھے بھی خود کو بڑا ثابت کرنے کے لیے وہ کچھ کرنا پڑے گا۔" سارہ مذاق اڑانے لگی۔ اس نے [illegible] نہیں لیا۔ ٹشو پیپر کھینچ کر جیولری اس میں رکھنے لگی۔

"کیا واقعی تم۔۔۔؟" سارہ پریشان ہو گئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی پھر [illegible] کہنے لگی۔

"سارہ بی بی! دل باغی ہو جائے ناں پھر کسی کی نہیں سنتا۔ [illegible] کرتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ تم خواہ مخواہ اپنا دل مت جلایا کرو۔" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی۔

اپنے اس اقدام پر وہ مطمئن تھی۔ ایک پل کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ نہ توصیف احمد کی ناراضی کو سوچا جبکہ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ [illegible] اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اور وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ توصیف احمد دوسری شادی کر کے [illegible] چکے ہیں۔ اب وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے اور اسی آزادی کے نشے میں سرشار وہ گاڑی بھگا رہی تھی کہ اچانک سگنل آف ہونے پر اس نے بڑی عجلت میں بریک پر پاؤں رکھا تھا۔ اسی پل اس کے قریب [illegible] گاڑی کے ٹائر چرچرائے تو اس نے بلا ارادہ گردن موڑی اور رازی کو دیکھ کر بیشہ کی طرح چڑنے کے بجائے اس کا دل [illegible] سے دھڑکا تھا۔ گویا یہ بے اختیاری کا پل تھا۔ لیکن اگلا پل اس کا اپنا تھا۔ فوراً گردن سیدھی کر کے [illegible] جیسے دیکھا ہی نہیں۔ پھر سگنل کھلنے پر اسی اسپیڈ سے گاڑی بھگا دی اور جب مطلوبہ جگہ پر [illegible] گاڑی لاک کر کے شاپنگ مال کی طرف بڑھ رہی تھی تب رازی ایک دم سامنے آ گیا۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟"

"وہیں جہاں بھی جاؤں' تمہیں کیا؟ تم پوچھنے والے کون ہو۔۔۔؟" وہ غرائی تھی۔ ایک پل کو رازی کی پیشانی شکن آلود ہوئی [illegible] سے بولا تھا۔

"[illegible] تم مانو گی نہیں لیکن بچا زاد ہونے کو جھٹلا نہیں سکتیں۔"

"بچا زاد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرا پیچھا کرو۔ میری انکوائری کرو کہ میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔" اس نے مزید غصہ ظاہر کیا۔ رازی نے ایک نظر اطراف کا جائزہ لیا پھر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر خفگی سے بولی۔

"میں تو ہٹ جاؤں لیکن کیا تم پھر ان راستوں پر چل سکو گی۔" رازی کا لہجہ مغلوب کر دینے والا تھا۔ وہ فوراً سنبھل نہیں سکی تو اس کی سائیڈ سے نکل کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ رازی کے ہاتھ میں اس کی ڈور آ گئی تھی جسے مضبوطی سے تھام کر اس کے پیچھے جیولری کی دکان تک آ گیا تھا۔

اریبہ ٹشو پیپر میں رکھی جیولری شوکیس پر رکھ کر دکان دار سے بات کرنے لگی۔ وہ جیولری بیچنے کی بات کر رہی تھی۔ رازی کو حیرت ہوئی لیکن بولا کچھ نہیں۔ تمام کارروائی خاموشی سے دیکھتا رہا اور جب وہ اچھی خاصی رقم لے کر دکان سے نکل گئی تب اس نے جلدی جلدی دکان دار سے کچھ کہا پھر تیزی سے نکل کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا۔ آئی مین کوئی ضرورت تھی تو توصیف چچا سے کہتیں۔ کیا وہ منع کر دیتے؟"

"وہ منع کر چکے ہیں۔" وہ سلگتے لہجے میں کہہ کر تقریباً بھاگنے لگی تھی۔

"جانتا ہوں کہ اس وقت تمہارے پاس موٹی رقم ہے لیکن میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں پھر کیوں بھاگ رہی ہو۔ میں تمہیں غنڈوں سے بچا سکتا ہوں۔" رازی نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا اور اس کی توقع کے عین مطابق جواب آیا۔

"مجھے غنڈوں سے نہیں تم سے بھاگ رہی ہوں۔"

"یہ فضول کوشش کیوں کر رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ نہ میں تم سے بھاگ سکتا ہوں اور نہ تم مجھ سے۔" وہ مسلسل مصالحانہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔

"ہونہہ! جانے کیسی کیسی خوش فہمیاں پال لیتے ہیں لوگ۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر اپنے آپ بولتی ہوئی گاڑی کا لاک کھول کر بیٹھ گئی اور فوراً دروازہ بند کر لیا تھا۔

"او کے۔ سی یو۔" زاوی نے انگلی سے شیشہ بجا کر کہا اور مسکرایا بھی تھا۔

✿ ✿ ✿

وہ بہت تپی ہوئی گھر میں آئی تھی۔ سیدھے اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی لیکن لاؤنج میں سارہ اور یاسمین کو بیٹھے دیکھ کر رک گئی۔ ٹیبل پر چائے کی ٹرے کے ساتھ دوسرے لوازمات بھی رکھے تھے۔ جو کسی مہمان کی آمد ظاہر کر رہے تھے۔ اسے اچنبھا ہوا کیونکہ جب سے یاسمین نے ساجدہ بیگم اور امینہ پھوپھو سے بگاڑ پیدا کی تھی تب سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔

"کون آیا تھا مما؟" وہ وہیں آکر بیٹھ گئی۔

"اخلاق چچا اور ان کی بیگم آئی تھیں۔" سارہ نے فوراً بتایا۔

"خیریت! کیوں آئے تھے؟" اس نے نمکو کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ان کی بیٹی عفت کی شادی ہے۔ یہ شادی کارڈ دینے آئے تھے۔" یاسمین نے کارڈ ہاتھ میں لے کر اسے دکھایا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ آرام سے نمکو کھانے لگی۔

"مما! چلیں گے ناں؟" سارہ نے شوق سے یاسمین سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! ضرور چلیں گے۔" یاسمین کے جواب پر وہ اچھل پڑی۔

"کیا کہہ رہی ہیں مما! اخلاق چچا کوئی ہمارے سگے چچا تھوڑی ہیں۔ ڈیڈی کے تایا زاد بھائی۔ دور کی رشتہ داریاں دور ہی رکھیں۔"

"دور کی رشتہ داریاں ہی تو اچھی ہوتی ہیں۔ دشمنی تو قریب والے کرتے ہیں جانے کن جنموں کا بدلہ لیتے ہیں۔" یاسمین کی اپنی منطق تھی۔

توصیف احمد کے چچیرے، ممیرے، بہن بھائیوں سے وہ ابھی بھی بہت اچھے طریقے سے ملتی [illegible] تھی کیونکہ اسے یہ سننا بہت اچھا لگتا تھا کہ کیا ہو گیا تھا توصیف کو۔ آپ جیسی خوب صورت [illegible] بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لی۔ ان لوگوں کے سامنے وہ مظلوم بن جاتی اور سب کی ہمدردیاں [illegible] خاص طور سے شادی بیاہ کی تقریبات میں تو ضرور جاتی۔ جہاں وہ سب کی توجہ کا مرکز بنتی اور اسے [illegible] توصیف احمد کو زچ ہوتے دیکھ کر اسے عجیب خوشی ملتی تھی۔

"بہرحال میں تو نہیں جاؤں گی۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں [illegible] کھڑی ہوئی تو سارہ یکدم خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"ہاں اریبہ! کیا ہوا۔ وہ تمہاری جیولری۔۔۔؟"

"بک گئی۔ اب تم پوچھو گی کتنے پیسے ملے [illegible] اور وہ بھی ہزاروں میں، سونا مہنگا ہو گیا ہے ناں اور بائیک سستی۔" وہ سارہ کو چڑانے والے انداز میں بولے جا رہی تھی۔ یاسمین اس کی طرف متوجہ تو ہو گئی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں پائی تو پوچھنے لگی۔

"کیسا سونا۔۔۔ کیسی بائیک؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"مما! اس نے بائیک خریدنے کے لیے اپنی جیولری بیچ دی۔" سارہ کو یقین تھا یاسمین ضرور ناراض ہو گی۔ لیکن ناراض تو کیا حیران بھی نہیں ہوئی اور جل کر بولی تھی۔

"ظاہر ہے جب باپ خیال نہیں کرے گا تو یہی کرے گی۔"

"ڈیڈی خیال کیوں نہیں کرتے۔ ہر بات کا خیال کرتے ہیں۔ ہر ضرورت پوری کرتے ہیں ہماری۔ اب اگر میں کہوں کہ مجھے جہاز دلا دیں تو یہ تو نہیں کر سکتے ناں ڈیڈی۔" سارہ کو [illegible] کی بے تکی ضد پر افسوس ہوا تھا۔

"میں نے جہاز نہیں بائیک مانگی تھی جو لاکھوں میں نہیں ہزاروں میں آجاتی ہے۔"

"بات لاکھوں ہزاروں کی نہیں ہے اریبہ! تمہاری بائیک کی ضد غلط ہے۔ مما! آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔" سارہ نے زچ ہو کر یاسمین کو دیکھا۔

"بیٹا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" یاسمین نے سمجھانے کے بجائے سارہ کو سپورٹ کرنے کے اسے وہاں سے اٹھا دیا پھر اریبہ سے کہنے لگی۔

"اس کے سامنے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ ابھی بچی ہے۔"

"بچی نہیں وہ ڈیڈی کی بیٹی ہے۔ ہر وقت مجھے سمجھانے کی بات کرتی ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتی۔" وہ غصے سے بولی تھی۔ پھر ایک دم جھٹک کر یاسمین کے پاس آبیٹھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لجاجت سے پوچھنے لگی۔

"مما! میں بائیک لے لوں ناں۔"

"بیٹا! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ ظاہر ہے تمہاری ضرورت ہے۔ لیکن تمہارے ڈیڈی۔" یاسمین نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ڈیڈی کی باتیں آپ سن لیجیے گا ناں۔"

"ہمیشہ سے سنتی آرہی ہوں۔" یاسمین فوراً مظلوم بن گئی۔ لمبی آہ کھینچی پھر اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ "میں نے تم لوگوں کی خاطر سب برداشت کیا اور تمہارے لیے تو میں توصیف سے لڑ بھی سکتی ہوں۔ کیونکہ ایک تم ہی میری ڈھال ہو۔ اگر تم میرا دفاع نہ کرو تو توصیف احمد کبھی مجھے یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ نکال باہر کریں گے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا مما۔" وہ تڑپ کر یاسمین کے گلے لگ گئی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے یاسمین کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔ پھر اسے خود سے الگ کر کے پوچھنے لگی۔

"کب لے رہی ہو بائیک۔۔۔؟"

"بس ایک دو دن میں۔ پھر تو میرے امتحان شروع ہو جائیں گے۔ دعا کریں مما! یہ وقت جلدی گزر جائے۔ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی تو پھر ہمیں اپنی ضرورتوں کے لیے ڈیڈی کے پاس نہیں بھاگنا پڑے گا۔" وہ مکمل طور پر یاسمین کے زیر اثر تھی۔

"ہاں بیٹا! میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔" یاسمین کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

"چلیں اب آپ آرام کریں۔ میں ذرا سارہ کی خبر لے لوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بیٹا! اسے کچھ مت کہو۔ ابھی نا سمجھ ہے۔" یاسمین نے چونک کر اسے ٹوکا تو وہ ہنس پڑی۔

"مجھے پتا ہے مما اور میں تو یونہی اسے چھیڑتی ہوں۔ ورنہ سچ بتاؤں میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں۔ روٹھ جاتی ہے تو مجھے نیند نہیں آتی۔ لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرتی۔"

"اچھا جاؤ دیکھو وہ کیا کر رہی ہے۔" یاسمین کو اس کی باتوں سے الجھن ہونے لگی تھی شاید اس کے اندر محبت

کا خوف تھا، یہ جاتے جاتے پھر رک گئی۔

"ہاں مما! آپ کو پیسے چاہئیں۔"

"نہیں بیٹے تم اپنی ضرورت پوری کرو۔" یاسمین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلیں جو باقی بچیں گے وہ آپ کو دے دوں گی۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ سارہ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس نے فوراً "اسے" نہیں چھیڑا۔ پہلے اپنا پرس الماری میں رکھا پھر بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل اتارتے ہوئے کہنے لگی۔

"پتا ہے کیا ہوا سارہ! جب میں جیولر کی دکان پر گئی تو وہاں رازی بھی آ گیا۔"

"پھر؟" رازی کا سن کر سارہ فوراً اس کی طرف گھومی تھی۔

"پھر کیا بس وہ آ گیا۔" اسے جیسے بس یہی اطلاع دینی تھی۔ سینڈل بیڈ کے نیچے دھکیل کر آرام سے لیٹ گئی۔ جبکہ سارہ کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔

"تو تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی ان سے؟"

"مجھے تو خیر اس سے کوئی بات کرنی ہی نہیں تھی البتہ وہ زبردستی مسلط ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے لفٹ ہی نہیں دی۔ اپنا کام کیا اور چلی آئی۔" وہ خود کو حد درجہ بے نیاز ثابت کر رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم نے رازی بھائی کے سامنے جیولری۔" سارہ صدمے میں گھر گئی تھی۔

"کیوں رازی کے سامنے جیولری بیچنا منع ہے کیا۔ جب خریدی جا سکتی ہے تو بیچی کیوں نہیں جا سکتی۔" وہ سارہ کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی اور اندر ہی اندر محظوظ ہو رہی تھی۔

"لیکن ارے۔ اوہ کیا سوچیں گے۔ تمہیں اگر ان کی پروا نہیں ہے تو کم از کم اپنی عزت کا خیال تو کرو۔" سارہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اوہو! اس میں عزت، غیرت کہاں سے آ گئی۔ تمہیں تو کچھ بتانا ہی فضول ہے۔ پتا نہیں کیا کیا سوچ لیتی ہو۔" وہ واقعی جھنجلا گئی تھی۔

"اور تم کچھ نہیں سوچتیں۔" سارہ کہہ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس نے گہری سانس [illegible] اس پر تاسف کا اظہار کیا پھر موبائل اٹھا کر ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

آج شمشیر علی کی واپسی تھی۔ اس کے بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے تاجور کا دل [illegible] وہ کمال ضبط سے آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی رہی تھی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی [illegible] اس کا بھائی پریشان یہاں سے جائے اور وہاں بھی پریشان رہے۔ مزید خالہ کا خوف بھی [illegible] رکھ کر شمشیر علی کا بیگ تیار کر رہی تھی۔

"تاج! میرے موزے اور رومال رکھ دیے ہیں؟" شمشیر علی [illegible] پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بیگ کی زپ بند کرنے لگی۔

"لگتا ہے میری بہن اداس ہو رہی ہے۔" شمشیر اس کے پاس آ کھڑا ہوا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "کیا کروں مجبوری ہے ورنہ میرا دل تمہیں چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہتا۔ دعا کرو اللہ کوئی ایسا انتظام کر دے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکوں۔"

"آپ کے ساتھ۔" تاجور حیران [illegible] ہو گئی۔

"ہاں۔ ابھی بھی میں کوشش کر رہا ہوں۔ رہائش کا کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن تمہیں وہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں صبح آفس جاتا ہوں۔ وہاں سے یونیورسٹی پھر گھر آتے رات گیارہ بج جاتے ہیں۔ میں پڑھائی سے فارغ ہو جاؤں پھر ان شاء اللہ کسی عورت کا انتظام کر کے تمہیں لے جاؤں گا۔" وہ [illegible] بول رہا تھا۔ آخر میں اسے دیکھا وہ اب بھی خائف کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے پریشان کیوں ہو جاتی ہو؟" وہ نرمی سے ٹوک کر [illegible] "میں جانتا ہوں خالہ کا سلوک تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے اور میں ان کو کیا کہوں۔ جب ابا ہی ہمارے [illegible] سب کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے لیکن وہ کچھ نہیں بولتے۔ خیر تم فکر مت کرو۔ اب بس تھوڑا وقت رہ گیا ہے گزر جائے گا۔"

"آپ پھر کب آؤ گے؟" اس کی باتوں سے [illegible] بندھی تھی۔

"جلدی آؤں گا۔ کوشش کروں گا کہ [illegible] لگا لیا کروں۔" اس نے مزید حوصلہ دیا پھر جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس کی مٹھی میں دبا کر کہنے لگا۔ "یہ [illegible] خرچے کے لیے ہیں۔ کچھ پھل فروٹ منگوا کر کھا لیا کرو۔ بہت کمزور ہو گئی ہو۔"

تاجور نے سر جھکا لیا تب [illegible] آواز میں بولی تھیں۔

"شمشیر کو تانگا لے [illegible]"

"اچھا۔ میں [illegible]" اس نے تاجور کا سر اپنے سینے سے لگا کر بوسہ دیا پھر بیگ اٹھا کر خالہ کو تاجور کا خیال رکھنے کا [illegible] نکل گیا۔

کچھ دیر [illegible] خاموشی چھا گئی۔ تاجور یہی سمجھی کہ خالہ بھی کمرے سے نکل گئی ہیں لیکن وہ انتظار میں کھڑی [illegible] یقین ہو گیا کہ شمشیر کا تانگا گلی کے نکڑ سے مڑ گیا ہو گا تب تیر کی سی تیزی سے وہ تاجور پر جھپٹی تھیں۔

"[illegible] کیا کیا لگاتی ہے بھائی کو میرے خلاف۔ بڑے ظلم توڑتی ہوں میں تجھ پر۔ یہی کہا ہے ناں۔"

"نہیں خالہ!" تاجور کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"خالہ کی بچی! میں کیا تجھے جانتی نہیں ہوں۔ میسنی گھنی۔" خالہ نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ "چار دن کے لیے بھائی آتا ہے تو اس کے سامنے نواب زادی بن جاتی ہے۔ میں کیا تیرے باپ کی نوکر ہوں جو تجھے پکا پکا کر کھلاؤں گی۔ چل اپنی اوقات پہ۔"

"میرے بال!" تکلیف کی شدت سے اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے، لیکن خالہ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ گھسیٹتے ہوئے اسے کچن میں لا پٹخا اور دو چار لاتیں بھی رسید کر دیں۔

"اماں!" وہ درد سے کراہی تھی۔

"مر گئی تیری اماں۔ تو بھی اس کے ساتھ مر جاتی بے غیرت اور یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟" خالہ کو اچانک اس کی مٹھی میں لال لال نوٹوں کی جھلک نظر آئی تھی۔

"نامراد اب چوری بھی کرنے لگی۔ میں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ میرے پیسے کہاں گئے۔ کوئی ضرورت تھی تو مانگ لیتی چوری۔"

"چوری نہیں کی خالہ! مجھے بھائی نے دیے ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

"تیرے بھائی کے پاس کہاں سے آئے وہ تو خود بھیک منگا ہے۔ یہاں آتا کس لیے ہے؟ باپ کے پاس جو کچھ ہو، بٹور کے لے جاتا ہے۔" نوٹ گننے کے ساتھ خالہ کی زبان بھی چل رہی تھی پھر جاتے جاتے اسے لات مارنا نہیں بھولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اجلال رازی کا آج آفس کے کسی کام میں دل ہی نہیں لگا۔ سارا وقت ذہن پر ایک ہی سوچ سوار رہی تھی۔ اس کا رویہ تو تھا ہی تکلیف دہ مزید کل اس کے جیولری بیچنے سے وہ الجھ گیا تھا کہ ایسی کون سی ضرورت ہے اس کی جو توصیف احمد پوری کرنے سے قاصر ہیں' کتنی بار اس نے سوچا کہ وہ فون کر کے سارہ سے معلوم کرے۔ لیکن پھر شاکی بات یاد آجاتی جو اس نے کہا تھا کہ سارہ بہت روڈ ہو گئی ہے۔ اگر ایسا تھا تو پھر ظاہر ہے وہ اس سے بھی کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا اسی الجھن میں وقت سے پہلے ہی وہ آفس سے نکل آیا پھر راستے میں اچانک کچھ سوچ کر اس نے گاڑی موڑی اور توصیف احمد کے بنگلے پر آگیا اس وقت سہ پہر کے چار بجے تھے۔ وہ جانتا تھا توصیف احمد ابھی آفس سے نہیں آئے ہوں گے اور اگر خالدہ سے صرف چچی والا رشتہ ہوتا تو شاید وہ اس وقت آنے سے کتراتا لیکن خالدہ اس کی خالہ بھی تھیں اس لیے وہ آرام سے آگیا تھا۔ خالدہ نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا پھر شکوہ بھی کرنے لگیں۔

"کتنا انتظار تھا تمہارا اور تم آتے ہی آفس کے جھمیلوں میں الجھ گئے گویا تمہارے نزدیک عزیز رشتہ داروں کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے خالدہ آنٹی! بس میں نے سوچا' آپ سب سے ملنا ملانا تو رہے گا ہی۔ ساتھ ساتھ کام بھی شروع ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے اب دیکھیے میں آگیا ہوں نا آپ کے پاس۔" اس نے اپنائیت سے خالدہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لگایا پھر پوچھنے لگا۔

"ہما اور فہد کہاں ہیں؟"

"وہ سنبل آئی ہوئی ہے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ تم بیٹھو میں بلاتی ہوں انہیں۔ اور ہاں کیا پیو گے؟" خالدہ نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"چائے اور ساتھ کچھ ہلکا پھلکا کھانے کو بھی مل جائے تو۔" وہ بلا تکلف بولا۔

"ہلکا پھلکا کیوں بھوک لگی ہے تو میں کھانا گرم کر دیتی ہوں۔"

"نہیں خالدہ آنٹی! زیادہ بھوک نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی نہ کریں۔ میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے خالدہ کی محبت کا جواب محبت سے دیا تھا۔

"اچھا۔ میں سنبل سے کہتی ہوں وہ چائے بنا دے گی۔" خالدہ کہہ کر چلی گئیں اور کچھ دیر بعد واپس آئیں تو ہما اور فہد بھی ان کے ساتھ تھے۔

"بیٹا! یہ تمہارے رازی بھائی ہیں' سلام کرو۔" دونوں بچوں سے کہتے ہوئے خالدہ کو ایک [illegible] کی بات یاد آئی تو انہیں ہنسی بھی آگئی۔

"السلام علیکم رازی بھائی!" ہما اور فہد نے ایک ساتھ اسے سلام کیا لیکن اس کا دھیان خالدہ کے ہنسنے پر تھا۔ چونک کر سلام کا جواب دیا پھر پوچھنے لگا۔

"خالدہ آنٹی آپ ہنسیں کیوں؟"

"ایک بات یاد آگئی تھی۔" خالدہ کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔

"بتانے والی ہو تو بتائیے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ مسکرا سکوں۔"

"وہ ایک دن اریبہ آئی تھی۔ ہما اور فہد سے کہہ رہی تھی کہ تمہیں کسی نے سلام کرنا نہیں سکھایا کیا' درحقیقت مجھے سنا رہی تھی۔" خالدہ نے [illegible] بتایا تھا اور اسے موقع مل گیا فوراً پوچھنے لگا۔

"اریبہ آئی ہے؟"

"ہاں کبھی آجاتی ہے پریشان کرنے' میرا مطلب ہے جب بھی آتی ہے کوئی ایسی بات کر جاتی ہے جس سے

توصیف پریشان ہو جاتے ہیں' تم برا مت ماننا میں اس کی برائیاں نہیں کر رہی' بس اس کی حرکتیں کچھ عجیب سی ہوتی ہیں۔" خالدہ نے بات کرتے ہوئے احتیاط کا دامن تھاما یہ ان کی مجبوری تھی۔

"نہیں خالدہ آنٹی! میں برا نہیں مانوں گا' آپ بتائیے کیا کہتی ہے وہ۔" وہ اندر ہی اندر [illegible] ضرور ہوا تھا لیکن خالدہ پر اعتماد ظاہر کیا۔

"مجھ سے تو کچھ نہیں کہتی۔ توصیف کو تنگ کرتی ہے۔ ایک دن [illegible] ہوئی آگئی تھی اور اب ضد کر رہی ہے کہ اسے بائیک دلائی جائے۔" خالدہ نے بتایا تو وہ کتنی دیر تک [illegible] رہ گیا۔ پتا نہیں حیران تھا یا پریشان۔ وہ اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"تم اسے سمجھاؤ نا' شاید تمہاری بات مان لے۔" خالدہ شاید اب اس سے اگلوانا چاہتی تھیں۔ صبح سے سنبل ان کے پاس آئی ہوئی تھی اور اس نے [illegible] کا بتا دیا تھا یہی بات وہ رازی کے منہ سے سننا چاہ رہی تھیں۔

"تو یہ ضرورت ہے اس کی۔" رازی اپنی سوچ میں تھا۔ خالدہ کی بات سنی ہی نہیں تو جواب کیا دیتا' جبکہ خالدہ کھوجتی نظروں سے اس [illegible] تب ہی سنبل چائے لے کر آگئی۔

"السلام علیکم!" [illegible] سلام کیا تب رازی نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بلا ارادہ پوچھ لیا۔

"تم کب [illegible]"

"آج [illegible] اور ابھی چلی جاؤں گی۔" سنبل نے چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے بتایا۔

"ماموں جان اور ممانی جان ٹھیک ہیں؟" وہ اب سنبھل کر بیٹھ گیا تھا' اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کوئی بے تکی بات [illegible]

"[illegible] تو آتے ہی نہیں۔" سنبل نے شکوہ کر ڈالا۔

"آؤں گا۔ دیکھو آج خالدہ آنٹی کے پاس آیا ہوں تو کسی دن تمہاری طرف بھی آجاؤں گا۔" وہ کہہ کر چائے پینے لگا۔

"یہ کباب لیجیے۔" سنبل نے خالدہ کے اشارے پر کباب کی پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کر دی۔

"تھینک یو۔" اس نے ایک کباب اٹھا لیا۔ پھر سامنے والے کلاک پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا "توصیف چچا کب آتے ہیں؟"

"آتے ہی ہوں گے' تم آرام سے بیٹھو ان سے مل کر جانا' بلکہ رات کا کھانا کھا کر' بتاؤ کیا کھاؤ گے میں وہی بنا دیتی ہوں۔" خالدہ کی محبت گو کہ فطری تھی لیکن اس وقت شاید اسے گھیرنا چاہتی تھیں۔

"ارے نہیں خالدہ آنٹی! ابھی تو میں بہت جلدی میں ہوں۔ پھر کسی دن فرصت سے آؤں گا۔" وہ دو گھونٹ میں چائے ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ چلو کھانے تک مت رکو لیکن اپنے چچا جان سے تو مل لو وہ بس آنے والے ہیں۔" خالدہ نے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہا گو کہ بات معقول تھی لیکن پھر توصیف احمد کے ساتھ اسے کچھ دیر تو بیٹھنا ہی پڑتا اس لیے معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"سوری آنٹی! اصل میں مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ویسے چچا جان سے میری تقریباً روز ہی فون پر بات ہوتی ہے۔" اس نے حد درجہ عجلت ظاہر کر کے خالدہ کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور پھر جلدی آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

خالدہ سنبل کو دیکھنے لگیں جس کی نظریں گلاس وال سے رازی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ جب وہ گیٹ سے باہر



نکل گیا تب کہنے لگی۔

"میں نے سوچا تھا، رازی کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ مجھے گھر ڈراپ کر دیتے۔ لیکن وہ تو اتنی جلدی میں چلے گئے۔"

"ہاں اس کا یوں آنا اور چلے جانا میری سمجھ میں نہیں آیا، خاص طور سے مجھ سے ملنے تو آیا نہیں ہوگا۔" خالدہ سوچتے ہوئے بولی تھیں۔

"میرا خیال ہے خالدہ آنٹی وہ یہ دیکھنے بلکہ جاننے آئے ہوں گے کہ منگنی ٹوٹنے کی خبر کہاں کہاں پہنچی۔ آپ نے کچھ ظاہر تو نہیں کیا؟" سنبل نے رازداری کا انداز اختیار کیا۔ خالدہ نے نفی میں سر ہلا کر پھر اس کی تائید کی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، وہ اسی مقصد سے آیا ہوگا۔"

☆ ☆ ☆

جس روز سے اریبہ نے سمیر کو ٹوکا تھا، اس دن کے بعد سے وہ ادھر آیا ہی نہیں تھا۔ سارہ جانتی تھی کہ وہ غصے میں اور ناراض ہو کر گیا تھا۔ کوئی اور بات ہوتی تو وہ فوراً اسے فون کرتی یا اس کے گھر پہنچ جاتی۔ لیکن اریبہ نے بات ہی ایسی کی تھی جسے سوچ کر وہ خود شرم سے زمین میں گڑنے لگتی۔ جب ہی اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی سمیر کو فون کرنے کی۔ جبکہ اس کی ناراضی سے وہ پریشان بھی بہت تھی کیونکہ ایک وہی تو تھا جس سے باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ سرک جاتا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ اسی انتظار میں تھی کہ کسی دن وہ خود ہی آ جائے گا اور ہمیشہ کی طرح کہے گا کہ میں کسی بات کا برا نہیں مانتا "لیکن اب یقیناً" وہ برا مان گیا تھا جب ہی اتنے دنوں سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ آخر اس کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے خود ہی اسے فون کر ڈالا۔

"ہیلو۔" سمیر کا انداز ظاہر کر رہا تھا جیسے اس نے جاتے جاتے پلٹ کر فون اٹھایا تھا۔

"ناراض ہو۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

"کون سارہ، کیسی ہو۔" سمیر کے لہجے میں ہمیشہ والی شگفتگی سمٹ آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو۔ آئے کیوں نہیں اتنے دنوں سے؟" اس نے چور سے انداز میں شکوہ کیا تھا۔

"نا بابا! میں اب تمہارے ہاں نہیں آؤں گا۔ تمہاری بہن کی سوچ بہت گھٹیا ہو گئی ہے اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن گھٹیا الزام برداشت نہیں کر سکتا۔" سمیر نے بغیر گھمائے پھرائے واضح طور پر نہ آنے کی وجہ بھی بتا دی تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔

"ہیلو!" قدرے رک کر وہ پوچھنے لگا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں چپ کیوں ہو گئیں؟"

"تو اور کیا کروں۔" اس کا لہجہ روٹھا ہوا تھا۔

"کچھ بولو۔"

"نہیں بول سکتی۔" اس کا دل بھر آ رہا تھا۔

"کیوں؟"

"مجھے رونا آ رہا ہے اور میں رو رہی ہوں۔" وہ واقعی رونے لگی تھی۔

"ارے رے پاگل ہو گئی ہو کیا؟ رونا ہے تو کمرے میں بند ہو کر رو، مجھے کیوں پریشان کر رہی ہو۔ چلو فون بند کرو۔ میں کہہ رہا ہوں فون بند کرو۔" وہ اس کے رونے سے پریشان ہو گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو ڈانٹنے لگا، وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"جتنا مرضی روؤ، میں چپ کرانے نہیں آؤں گا۔" سمیر نے فون پٹخ دیا تھا اس کے بعد وہ ریسیور تھامے کھڑی

رہی۔ آنسو ایک تواتر سے بہتے چلے آ رہے تھے۔ اسی پل اجلال رازی آ گیا اور اسے یوں روتے دیکھا وہ بھی فون پر تو ایک دم پریشان ہو گیا۔ فوراً "بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی پھر اس سے پوچھنے لگا۔

"کس کا فون تھا؟"

وہ نفی میں سر ہلا کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

"پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" رازی کی تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔

"بس دل چاہ رہا تھا اور آپ۔ آپ کیوں آ گئے؟ جان تو گئے ہیں اریبہ کتنی بدلحاظ ہو گئی ہے پھر کچھ الٹا سیدھا بول دے گی۔" وہ بولے چلی گئی۔ "آپ پلیز جائیں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ وہ خواہ مخواہ چیختا چلانا شروع کر دیتی ہے۔"

"میں اس سے زیادہ اونچی آواز میں چلا سکتا ہوں 'ہے کہاں؟" رازی نے پوچھا۔ پھر خود ہی ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

"گھر پہ نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے۔ بس آپ جائیں۔" اس نے پھر جانے پر زور دیا۔ رازی کو غصہ آ گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ گھر آئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ چلو منہ دھو کر آؤ میں بات کرتا ہوں اور خبردار اب روتے ہوئے مت آنا۔" رازی نے باقاعدہ اسے ڈانٹ دیا تو وہ خائف سی ہو کر بھاگ گئی۔ کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو وہ رازی سے چائے وغیرہ کا پوچھ رہی تھیں۔

"بس بوا! صرف چائے۔" وہ بوا سے کہہ کر اسے دیکھنے لگا۔ رونے کے باعث اس کی آنکھیں اور ناک بھی سرخ ہو رہی تھی۔ رازی کو افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ اسے ڈانٹ دیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرسی پر بٹھا کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ کیا بات ہے کیوں رو رہی تھیں؟"

"بس یونہی۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اس کا مطلب ہے بتانا نہیں چاہتیں۔ لیکن پلیز یہ تو بتا دو اریبہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی کسی دوست کے ہاں گئی ہے۔ اصل میں اس کے امتحان ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی دوست کے ساتھ مل کر تیاری کرتی ہے۔" وہ رک رک کر بولی تھی۔

"ہوں!" رازی نے چند لمحے توقف کیا پھر پوچھنے لگا۔ "اور یہ بائیک کا کیا معاملہ ہے؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟" وہ خائف ہو کر پوچھنے لگی۔

"کسی نے بھی بتایا ہو اریبہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ اس سے کہنا اگر میں نے [illegible] بائیک پہ چلاتے ہوئے دیکھ لیا تو وہیں شوٹ کر دوں گا اسے۔" رازی کا فرسٹریشن یکدم ظاہر ہو گیا تھا۔

"یہ بات آپ خود اس سے کہہ دیجیے گا۔" وہ منمنائی تھی۔

"اسی سے کہنے آیا تھا کب تک آ جائے گی وہ؟"

"پتا نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں چائے لاتی ہوں۔"

"رہنے دو۔ میں جا رہا ہوں اریبہ کے امتحان ہو جائیں میں پھر آؤں گا۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا پھر جانے کیا خیال آیا تھا جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

"سنو تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں؟" وہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"وہ جو اریبہ میرے اور اپنے [illegible] ختم کرنے پر بضد ہے تو تمہارا کیا خیال ہے واقعی ختم ہو جانا

چاہیے۔" رازی نے وضاحت کی تو وہ فوراً بولی تھی۔

"نہیں رازی بھائی! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں بھی ایسا نہیں چاہتا بلکہ ایسا ہونے بھی نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں دل سے چاہتا ہوں اسے۔ اگر میں خاموش ہوں تو صرف اس لیے کہ وہ اپنا میڈیکل کمپلیٹ کرے۔ اس کے بعد میں ایک دن نہیں رکوں گا 'یہ بات تم اسے اچھی طرح سمجھا دینا او کے۔"

رازی مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا پھر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

سارہ کو ایک بڑی ٹینشن سے نجات مل گئی تھی۔ یوں لگا جیسے طوفان آتے آتے تھم گیا ہو۔ وہ اپنا رونا بھول گئی۔ اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

سمیر نے سارہ کو ڈانٹ تو دیا تھا مگر اس کے بعد وہ خود بھی چین سے نہیں تھا' رات کتنی دیر تک وہ خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ اسے سارہ سے صرف ہمدردی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن دل یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا' جہاں وہ [illegible] کر رہا ہے تو روئے مجھے کیا وہیں دل احتجاج کرنے لگتا' آخر وہ ہار گیا تھا' جب ہی اگلے روز کالج ٹائم پر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سارہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"کیا [illegible] ہو؟"

"[illegible] بجے یہاں کھڑے ہو کر نہیں کر سکتا' میرے ساتھ چلو۔" اس کا انداز ہمیشہ سے مختلف تھا۔ سارہ نے [illegible] کی طرف اشارہ کیا۔

"[illegible] وین سے جاتی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے اور میں نے وین والے سے کہہ دیا ہے کہ میں تمہیں لینے آیا ہوں' چلو۔" وہ کہہ کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا' سارہ اس خیال سے کہ کہیں سب لڑکیاں متوجہ نہ ہو جائیں فوراً اس کے پیچھے چلی آئی اور جیسے ہی بائیک پر بیٹھی اس کی نظر ثنا پر پڑی تھی۔ وہ بہت مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ سارہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ سمیر کے کندھے میں ناخن چبھو کر بولی۔

"ثنا دیکھ رہی ہے؟"

"تو پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا ہم دونوں کو۔" سمیر پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ الٹا مذاق اڑا کر بائیک بھگا دی۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ مضبوطی سے اس کا کندھا تھام کر پوچھنے لگی۔

"تمہارا مقصد کیا ہے اور یہ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں تمہیں اغوا کر کے ایسی جگہ لے جا رہا ہوں' جہاں تم تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔" سمیر نے ترنگ میں اس کی دونوں باتوں کا جواب دیا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"تم بھی فضول سوال مت کرو۔" وہ سکون سے بولا تھا۔ سارہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ جان گئی تھی کہ اس کے رحم و کرم پر ہے اور وہ اس کی ایک نہیں سنے گا۔ جانے کن کن راستوں پہ بائیک بھگاتا ہوا ایک جگہ وہ رکا تو وہ فوراً "چھلانگ مار کر اتر گئی اور پھر غصے سے اسے دیکھنے لگی۔

"بیکار ہے' میں تمہارے گھورنے سے مرعوب ہونے والا نہیں ہوں۔" وہ جانے کیوں ہنس رہا تھا۔ بائیک بند کر کے اسے لیے ہوئے پیزا ہٹ کی سیڑھیاں چڑھ آیا اور اسے سامنے بٹھا کر بغیر کسی تمہید کے شروع ہو گیا۔

"میں اب تک یہ سمجھتا رہا ہوں کہ تم میری کزن اور بس دوست ہو۔ تھوڑی ڈرپوک اور بہت زیادہ حساس۔ ذرا ذرا سی بات کو محسوس کر کے رنجیدہ ہو جاتی ہو اور تمہیں تسلی دے کر میں سمجھتا تھا کہ میں نے اپنا کام کر لیا۔ یعنی دوستی کا حق ادا کر دیا۔ کل فون پر جب تم رو رہی تھیں تو میں اس وقت تسلی دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے تمہیں ڈانٹ دیا۔ اور یہ بہت اچھا ہوا کیونکہ اس کے بعد مجھے احساس ہوا بلکہ مجھ پر ادراک ہوا کہ تم سے میرا تعلق صرف تسلی دینے والا نہیں ہے اس سے کچھ زیادہ، کچھ نہیں بہت زیادہ، سمجھ رہی ہو نا۔"

وہ بہت خاموشی سے سن رہی تھی، ہونٹ ذرا سے نیم وا تھے۔

"دیکھو۔ مجھے گھما پھرا کر بات کرنا نہیں آتی۔ اس لیے صاف لفظوں میں کہہ رہا ہوں کہ تم میرے دل میں سما گئی ہو۔ اچھی تو خیر تم مجھے شروع سے لگتی تھیں لیکن یہ مجھے کل رات پتا چلا کہ میں تمہیں رونے کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر کبھی انجانے میں بھی ایسا ہوا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔ تم میری اولین محبت ہو اب تو سمجھ گئی ہو نا۔" سمیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ وہ چونکی، گھبرائی، پھر ایکدم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا، اب تم کچھ کہو۔" وہ خاصا مشتاق ہو گیا تھا۔ جیسے اس کی طرح وہ بھی اتنے آرام سے حال دل بیان کرے گی۔

"میں کیا کہوں؟" سارہ نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا۔

"جو تمہارے دل میں ہے۔ یعنی میرے بارے میں تمہارے احساسات کیا ہیں۔ مجھے کس انداز سے سوچتی ہو۔" سمیر کا انداز اکسانے والا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"میں تمہیں بتا سکتی، میرا مطلب ہے، مجھے نہیں پتا۔"

"اس کا مطلب ہے ابھی تم پر ادراک نہیں ہوا۔ خیر کوئی مسئلہ نہیں۔ کسی دن اچانک ہی تمہیں خود پتا چل جائے گا۔ لیکن دیکھو پھر مجھ سے چھپانا مت، فوراً بتا دینا۔" وہ بہت اطمینان سے اور بہت پر یقین تھا۔ سارہ کو حیرت ہوئی، سمجھ کر بھی پوچھنے لگی۔

"کیا۔۔۔ کیا فوراً بتا دوں؟"

"یہی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے، جو کہ یقیناً ہے کیونکہ جب میں ناراض ہوتا ہوں تو تم رونے لگتی ہو، میں نہیں آتا تو پریشان ہو جاتی ہو اور ہاں جب میں تمہارے پاس آتا ہوں تو تم خوش ہو جاتی ہو۔" وہ محبت کی علامات بتا رہا تھا۔ سارہ نے بمشکل ہنسی روکی پھر بظاہر سادگی سے کہنے لگی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ سب تو اوروں کے لیے بھی ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھلا تھا۔

"میرا مطلب ہے اریبہ، حماد، ڈیڈی اور رازی بھائی بھی اگر ناراض ہوں تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔" وہ بہت کوشش سے معصوم بن رہی تھی ورنہ ہنسی پھوٹ پڑنے کو بے تاب تھی۔

"چلو۔۔۔ چلو اٹھو۔" وہ یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"اور وہ پزا۔" وہ حیران ہوئی۔

"پیک کروا دوں گا، گھر جا کر کھا لینا۔" وہ غصے سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ سارہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ روم میں آئی تو سرسری طور پر اس نے دھیان نہیں دیا کہ سارہ موجود نہیں۔ خاصی عجلت میں چیئر کھینچ کر بیٹھی تو عادت کے مطابق پہلے یاسمین کی پلیٹ میں سالن نکالا پھر حماد کو اس کے بعد سارہ کی پلیٹ میں ڈالنے لگی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ فوراً یاسمین سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگی۔

"سارہ کیا اتنی دیر سے آتی ہے؟"

"نہیں۔ روزانہ تو اتنی دیر نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار وین خراب ہو جاتی ہے تو۔" یاسمین نے ہاٹ پاٹ میں سے روٹی نکالتے ہوئے سرسری انداز میں جواب دیا تھا۔

"اپنا سیل تو گھر چھوڑ جاتی ہے۔ عجیب پاگل لڑکی ہے۔ اب کیسے معلوم کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔" وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ کہا ناں وین خراب ہو جاتی ہے۔ تم کھانا کھاؤ۔" یاسمین کے نزدیک شاید کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ وہ ماں کو ٹینشن سے بچانا چاہتی ہے اس لیے اس کے سامنے پریشانی کا اظہار نہیں کرتی۔

"آپی! آپ کے امتحان شروع ہو گئے؟" حماد نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی کچھ دن باقی ہیں۔ کیوں پوچھ رہے ہو۔" وہ نوالہ منہ میں ڈال کر سوالیہ نظروں سے حماد کو دیکھنے لگی۔

"اس نے پوچھ لیا تو کیا ہو گیا۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔" یاسمین نے درمیان سے اسے ٹوکا۔

"امی آپ کو نہیں پتا یہ کوئی بات یوں ہی نہیں کرتا۔" وہ یاسمین کے ٹوکنے سے جھلا گئی پھر حماد سے کہنے لگی۔

"تم بہت سمجھتے ہو کہ میں امتحانوں کی وجہ سے تم سے غافل ہو جاؤں گی۔ تمہاری ساری سرگرمیوں کی خبر رکھتی ہوں۔ اگر کسی دن میں نے تمہیں غلط قسم کے لڑکوں کے ساتھ دیکھ لیا تو تم سوچ نہیں سکتے میں تمہارا کیا حشر کروں گی۔"

"مجھے پتا ہے۔" حماد منہ بچکا کر بولا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر جلدی جلدی کھانا ختم کیا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس وقت وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی سکون سے سونا چاہتی تھی۔ اس لیے دبیز پردے گرا کر اس نے کمرے میں مکمل اندھیرا کر دیا اور جیسے ہی آ کر لیٹی، اسی وقت سارہ آ گئی۔ باہر سے آ رہی تھی اور ایسے میں یوں بھی صاف نظر نہیں آتا۔ یہاں تو مکمل اندھیرا تھا۔

"یا اللہ! یہ دن میں رات کا سماں۔" سارہ نے کہتے ہوئے لائٹ آن کی تو اریبہ کی پیشانی سکڑ گئی اور کہنا چاہتی تھی کہ فوراً "لائٹ آف کرو" لیکن اس کے ہاتھوں میں بوذاہٹ کا شاپر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"یہ تم کالج کے بہانے کہاں کہاں جاتی ہو؟"

"میں نے تو کبھی تم سے نہیں پوچھا۔" سارہ اس کی بات پر سلگ کر بولی۔

"دیکھو سارہ! اس طرح بات مت کرو، میں تم سے بڑی ہوں اور پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور تنبیہی لہجے میں ٹوک کر کہا۔

"میں مانتی ہوں، لیکن اگر تم ٹیڑھے طریقے سے پوچھو گی تو میں کبھی سیدھا جواب نہیں دوں گی۔" سارہ خفگی سے کہتے ہوئے الماری کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

"چلو تو سیدھے طریقے سے پوچھ لیتی ہوں، کہاں گئی تھیں؟" اس نے سارہ کی بات تسلیم کر لی، پھر بھی انداز نہیں بدلا تھا۔

"کالج۔ پھر واپسی میں سمیر مل گیا تو اس کے ساتھ بوذاہٹ چلی گئی تھی۔" سارہ نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر جواب دیا تھا۔

"کیوں۔ میرا مطلب ہے یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ اب پلیز یہ مت کہہ دینا کہ تم بھی تو جانے کیا کچھ کرتی پھرتی ہو۔" اسے فوراً ہی معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے دوستانہ انداز میں بولی تھی۔ سارہ نے الماری بند کی پھر اس کی طرف پلٹ کر کہنے لگی۔

"یہ واقعی اچھی بات نہیں ہے۔ پھر بتاؤ میں کیا کروں، سمیر کو یہاں آنے سے بھی تو تم نے روکا ہے۔"

"میں نے۔ میں نے کب روکا ہے۔" اسے پتا نہیں اپنی بات یاد نہیں تھی یا اس کے نزدیک اس بات کی اہمیت نہیں تھی۔

"کیوں۔ اس روز تم نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں اور وہ کیوں بیٹھ گیا ہے۔" سارہ نے جتا کر یاد دلایا تھا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں نے اسے آنے سے ہی منع کر دیا۔ بس ایسے ہی وقت بے وقت آنے کا اور باہر ملنے کا مطلب جانتی ہو۔" وہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"جانتی ہوں، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سارہ الجھ گئی تھی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ نہیں ہیں، سب آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی یہاں آتا ہے تو صرف یہ جاننے کی غرض سے کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ میں کیا کر رہی ہوں۔ تم کیا کر رہی ہو اور ماما ابھی تک سوکن کا ماتم کر رہی ہیں یا انہوں نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ یہ سب لوگ صرف تماشا دیکھنا چاہتے ہیں۔" وہ بالکل اسی طرح سارہ کو بدظن کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس طرح یاسمین نے اسے کیا تھا۔ سارہ مصلحتاً خاموش رہی، پھر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی اور وہ جو سکون سے سونا چاہتی تھی، اس کی نیند تو اڑی ہی ساتھ فکرمند بھی ہو گئی تھی کیونکہ سارہ ابھی نا سمجھ تھی اور وہ اسے نرمی سے ہی ہینڈل کرنے

کا سوچنے لگی تھی۔
"پیزا کھاؤ گی؟" سارہ نے واش روم سے نکلتے ہی اس سے پوچھا۔ وہ بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔
"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" سارہ پیزا کا شاپر اٹھا کر اس کے پاس آبیٹھی اور پیک کھولتے ہی خوش ہو گئی۔ "واؤ زبردست۔ لو کھاؤ۔"
"میں نے ابھی کھانا کھایا ہے اور یہ تم یہاں کہاں بیٹھ گئی۔ اپنے بیڈ پر جاؤ میں لیٹوں گی۔" وہ کہہ کر لیٹ بھی گئی۔ سارہ اٹھ کر اپنے بیڈ پر جا بیٹھی اور شوق سے پیزا کھانے میں لگ گئی پھر اچانک یاد آنے پر اسے مخاطب کر کے بولی تھی۔
"ہاں اریبہ! کل رازی بھائی آئے تھے۔"
"پھر۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"نہیں کس نے بتایا کہ تم بائیک لینا چاہتی ہو؟" سارہ نے قصداً اپنی توجہ کھانے پر مرکوز رکھ کر پوچھا تھا۔
"کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے کسی خیال سے پوچھا تھا۔
"ناراض ہو رہے تھے۔" سارہ نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ ترخ کر بولی تھی۔
"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ہی تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا۔ گویا اب کوئی بات نہیں کرے گی۔

☼ ☼ ☼

جس دن سے سنبل خالدہ کو اریبہ کی منگنی ٹوٹنے کا بتا کر گئی تھی ان کے اندر کھد بد مچی ہوئی تھی، لیکن وہ خاصی سمجھ دار خاتون تھیں۔ فوراً توصیف احمد تک اس بات کو نہیں پہنچایا تھا کہ کہیں ان کے میکے والوں پر بات نہ آجائے کہ انہوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہو گا۔ اس لیے کافی دن صبر سے رہیں اور یہ انتظار بھی کیا کہ شاید کہیں اور سے بات نکل کر توصیف احمد تک پہنچ جائے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تب انہوں نے خود ہی سوچ کر طریقے سے بات شروع کی تھی۔
"آپ کو پتا ہے توصیف! اریبہ اپنی منگنی ختم کرنا چاہ رہی ہے۔"
"یہ تم سے کس نے کہا؟" توصیف احمد یک دم ٹینشن میں آگئے تھے۔ خالدہ کو اسی سوال کی توقع تھی بمشکل سنبھل کر بولیں۔
"وہ اس دن اریبہ ہی ایسی کوئی بات کر رہی تھی۔"
"یوں ہی کہہ گئی ہو گی۔ اصل میں اسے بائیک نہ دلانے کا غصہ ہے۔" توصیف احمد کے لہجے کی مایوسی اریبہ کے لیے تھی، پھر خالدہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔
"کیا کہہ رہی تھی؟"
"پتا نہیں۔ میرا مطلب ہے آپ وہیں سے معلوم کرلیں۔ میں بچ کہہ کر بری نہیں بننا چاہتی۔" خالدہ نے اپنی پوزیشن جتائی تھی۔
"برا بننے کا کیا سوال، خیر ٹھیک ہے میں وہیں سے معلوم کرتا ہوں۔" توصیف احمد اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالدہ نے قصداً حیرت کا اظہار کیا۔
"آپ ابھی جا رہے ہیں کیا؟"

"ہاں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اریبہ کو سمجھانا پڑے گا۔ ورنہ اگر ابھی بیگم تک بات پہنچ گئی تو۔" وہ اب عجلت میں باہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خالدہ کہنا چاہتی تھیں کہ ان کی بات نہیں آنا چاہیے، لیکن اس کے لیے انہیں توصیف احمد کے پیچھے لپکنا پڑتا اور یہ بات انہیں پسند نہیں تھی کہ جب وہ باہر جا رہے ہوں تو پیچھے سے انہیں پکارا جائے یا روکا جائے جب ہی وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئیں۔
توصیف احمد بالکل انجان تھے، اس لیے انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ کہیں بات ساجدہ بیگم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ ساجدہ بیگم کا ماں کی طرح احترام کرتے تھے اور کبھی ان کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ اس لیے فوراً اریبہ کو سمجھانے آگئے تھے کہ کہیں انہیں ساجدہ بیگم کے سامنے جواب دہ نہ ہونا پڑے۔ ہمیشہ کی طرح سارہ انہیں دیکھ کر بھاگی آئی تھی۔
"السلام علیکم ڈیڈی!"
"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟" انہوں نے سارہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔
"میں ٹھیک ہوں اور ابھی میں آپ کو یاد کر رہی تھی بلکہ فون بھی کرنے والی تھی۔"
"اچھا۔ باقی سب کہاں ہیں؟" وہ لاؤنج میں آکر رک گئے تھے۔
"مما اپنے کمرے میں ہیں اور اریبہ حماد کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے۔ وہ حماد کا رزلٹ آگیا ہے ناں ڈیڈی! اس نے میٹرک کر لیا۔ اسی خوشی میں اریبہ اسے شاپنگ کرانے لے گئی ہے۔" سارہ نے خوشی سے بتایا۔
"اچھا کب آیا اس کا رزلٹ؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"پرسوں ہی۔ میں یہی بتانے کے لیے آپ کو فون کرنے والی تھی۔ مما کو بلاؤں۔" سارہ نے بیٹھتے بیٹھتے رک کر پوچھا اور وہ "ہاں" کہتے کہتے رہ گئے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے۔
"آپ بیٹھو بیٹا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"
"جی ڈیڈی!" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"دیکھو بیٹا! جو میں پوچھوں سچ سچ بتانا۔ کیا اریبہ نے ایسی کوئی بات کی ہے کہ وہ رازی سے شادی نہیں کرے گی؟" توصیف احمد نے بہت نرمی سے پوچھا، جبکہ نظریں اس کے چہرے پر جمی رہنے دیں، جب ہی اس کی پریشانی چھپی نہیں رہ سکی۔ وہ واقعی گھبرا گئی تھی۔
"ڈیڈی وہ۔" فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔
"بیٹا! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھے بتاؤ، جب تک میرے علم میں بات نہیں ہو گی میں کیسے اس معاملے کو ہینڈل کر سکوں گا۔" توصیف احمد نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔
"میں کیا بتاؤں ڈیڈی! بس اریبہ نے اپنے آپ ہی۔" سارہ خود کو بہت مشکل میں محسوس کر رہی تھی۔
"کیا اپنے آپ۔" توصیف احمد کو الجھن ہونے لگی، لیکن وہ ٹھٹکے بھی تھے۔
"میرا مطلب ہے اس نے خود ہی جا کر نانی امی کو انگوٹھی واپس کر دی۔" سارہ نے اٹکتے ہوئے بتایا تھا۔
توصیف احمد یک دم سناٹے میں آگئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ام ثمامہ

ساس، آس اور خراش

"اف خدایا کس قدر گرمی ہے۔ اللہ جانے لوگ اتنی گرمی میں شادیاں رکھ کر رشتے داروں سے کس بات کا بدلہ لیتے ہیں۔" مدیحہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پنکھے کا بٹن دبایا مگر جناب ان تلوں میں تیل کہاں۔ واپڈا کی بے وفائی کے سبب وہ بیچارا چلنے سے قاصر تھا۔ اماں نے دستی پنکھا ہاتھ میں لیا اور زور زور سے جھلنے لگیں۔ صبا بھی کپڑے بدلنے دوسرے کمرے میں چل دی اور رئیس میاں بیچارے بے دم سے ہو کر قالین پر ہی لیٹ گئے۔

"اللہ جانے لوگ کارڈ پر شادی کا ٹائم دن کا کیوں لکھواتے ہیں جب ہمیشہ شام ہو جاتی ہوتی ہے تو کارڈ پر بھی شام کا وقت لکھ دیا کریں تاکہ لوگ چھ چھ گھنٹے پہلے تیار ہو کر روغنی نانوں کی طرح سوکھتے نہ رہیں۔"

صبا جب چائے لے کر واپس آئی تو اماں ہمیشہ کی طرح شادی خانہ آبادی پر سیر حاصل تبصرہ کر رہی تھیں اور ابا ہمیشہ کی طرح سر تسلیم خم کر کے سن رہے تھے۔

"ہائے صبا! تم نے دیکھا لڑکیوں نے کس طرح کا فیشن کر رکھا تھا۔ لے مُوا وہ بوتل سا پاجامہ اور دس دس گز کی فراکیں۔"

"اماں! اسے چوڑی دار کہتے ہیں۔" صبا نے تصحیح کی۔

"اے چوڑی دار ہو کہ ناچوڑی دار میری بلا سے۔ مگر مُکھو تو پچیس کلو سے لے کر اسی کلو تک کی ساری لڑکیاں اور عورتیں خود کو "مس فراک" سمجھ کر کس قدر خوش تھیں۔"

"ویسے فیشن اچھا ہے کم از کم سب کچھ ڈھک تو گیا اماں!" صبا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"صبا کے ابا سو گئے کیا؟" بیچارے ابا میاں ابھی ٹھیک طرح سے پلک بھی نہ جھپک پائے تھے کہ ایک دم بیدار ہو گئے۔

"نہیں بیگم ابھی تو فیشن پر آپ کا جامع تبصرہ سن رہا تھا۔ شادی میں دیکھا تھا۔ دلہن کی تو ساس ہی نہیں تھی یعنی کہ جان ہی چھوٹی۔ بس اب اپنی صبا کے لیے بھی کوئی اچھا سا رشتہ مل جائے تو ہم اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" ابا نے چائے کا خالی کپ صبا کو تھماتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"صبا کے ابا! میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں اپنی صبا کی شادی اس گھر میں کروں گی جہاں صرف ایک ہی ساس ہو گی۔" مدیحہ بیگم نے شادی کے [illegible] رئیس صاحب کو اپنا فیصلہ سنایا۔

"ارے مدیحہ بیگم! تمہارا تو پارا آسمان [illegible] بھی تم نے خوب کہی ہر شریف [illegible] ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔" ابا [illegible] تھی۔

"تمہارے ابا [illegible] عجیب کرے، نہایت شریف [illegible] درجن بھر ساسیں تھیں۔ [illegible] وہ دن جب مجھے ساس فوبیا ہو گیا [illegible] کو ساس ساس چلا کر اٹھ جایا کرتی [illegible]

[illegible] جب ہمارے دادا مرحوم کی ایک ہی بیوی [illegible] تو پھر آپ کی درجن بھر ساسیں کیسے تھیں؟"

صبا نے حیران ہو کر اماں سے پوچھا جواب اپنے پرس سے کارمینا کی گولیاں نکال کر کھا رہی تھیں۔

شادیوں سے اگر اکثر انھیں بد ہضمی ہو جاتی تھی۔

"مت پوچھو بچی! بڑی دردناک کہانی ہے لیکن تمہیں ضرور سناؤں گی تاکہ تمہیں پتا چلے کہ میری شریا اتنی بے جا اور انوکھی نہیں ہے۔"

ابا موقع غنیمت جان کر قالین پر ہی سو گئے اور مدیحہ بیگم نے ماضی کی حسین اور سنگین یادوں کا پٹارا کھول لیا۔

"ہمارے لیے جب تمہارے ابا کا رشتہ آیا تو ہر طرح سے چھان پھٹک کی گئی۔ یوں تو رشتہ ہر لحاظ سے ٹھیک ٹھاک تھا [illegible] اور بھیا نے تشویش کی صورت [illegible] تک بجا بھی لیا تھا۔ دس پڑھے لکھے [illegible] ہوئے انسان تھے اور اپنے ابا کے ساتھ کپڑے کی دکان چلاتے تھے۔ ایک بڑی بہن تھی جو بیاہ کر کینیڈا جا بسی تھی سو نند کے جھگڑوں کا بھی دور دور تک امکان نہیں تھا۔ اماں ابا حیات تھے۔ یوں تو سب ٹھیک ٹھاک تھا مگر مجھ کو دو باتوں پر سخت اعتراض تھا کہ



تمہارے ابا کی دادی اور نانی دونوں ہی حیات تھیں یعنی کہ ایک اپنی ساس پھر ساس کی ساس اور پھر سسر کی ساس بھی یعنی یک نہ شد تین تین شد......

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اماں مرحومہ کو انہوں نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ بیٹی رئیس میاں کی اماں تمہاری ساس تو ہے ہی اور دادی ساس کا یہ فائدہ ہو گا کہ تمہاری ساس پر بھی ایک ساس ہو گی اور تمہیں کا ہے لگا ہے یہ احساس سکون دیتا رہے گا کہ ساس صاحبہ بھی کسی سے ڈرتی ہیں' دبتی ہیں۔ تمہاری ساس ان کی بہو ہے سو ان کی ساری طرف داری تمہاری طرف ہو گی کیونکہ سورج تو مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے مگر ایک ساس کی ہمدردی اپنی بہو کی طرف نہیں ہو سکتی اور رہی نانی ساس ایک تو وہ تمہارے گھر نہیں رہتیں دوسرا تمہارے سسر اپنی بیگم کے ڈر سے ان کی جتنی خدمت اور خاطر کریں گے تمہارے لیے بھی رستہ کھلا رہے گا تم سینہ تان کر رئیس میاں سے کہہ سکو گی کہ جتنی تمہارے ابا اپنی ساس کی عزت اور خدمت کرتے ہیں اتنا ہی تم بھی میری ماں کی کرو۔

اماں کی بات دماغ میں اتری تو بمشکل دل کو تمہارے ابا کے لیے رضامند کیا۔

بارات کافی لمبی چوڑی تھی۔ عورتوں کا اک ہجوم تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کس کا کیا ہے بس نوراں کشتی کا منتظر تھا۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ سسر صاحب وقت کے بے حد پابند تھے' سو دوپہر دو بجے ہی رخصتی عمل میں آ گئی۔ پہلے وقتوں میں رات کی شادیوں کا رواج کہاں تھا۔ آج کل تو دلہنیں ٹھنڈے ٹھنڈے سسرال پہنچ جاتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو پہلے دن ہی دوپہر کی چلچلاتی دھوپ بتا دیتی تھی کہ اماں باوا کے گھر کی ٹھنڈی چھاؤں اب خواب و خیال ہوئی۔

ہمارے گھر سے سسرال کی مسافت ایک گھنٹے کی تھی۔ ٹھیک تین بجے ہم نے پیا کے دیس میں [illegible] رکھا۔ ساس صاحبہ نے تیل چوکھٹ [illegible] ساتھ ساتھ تھوڑا سا پانچ میں بھی [illegible] ہی قدم رکھا' ہماری ہیل والی سرخ اور سنہری جوتی نے ساس صاحبہ کی سازش کا ساتھ دیتے ہوئے ہمیں گرانے کی کوشش کی مگر تمہارے ابا نے ہمیں تھام لیا اور اللہ بھلا کرے آج تک تھامے ہوئے ہیں۔"

تب ہی پڑوسن خالہ کی آمد سے یہ قصہ ادھورا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"مدیحہ بیگم! ایک گلاس ٹھنڈی ٹھار لسی تو پلاؤ۔" ابا ابھی ابھی دوکان سے واپس آئے تھے اور اماں ماہانہ سودے کی صفائی اور چنوائی کروا رہی تھیں۔

"صبا کے ابا! تمہیں کتنی دفعہ کہا کہ مونگ کی دال چھوٹے دانوں والی لایا کرو جلدی گلتی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور برتن دھونے کے لیے تم پھر صابن اٹھا لائے؟ اب کے بار لیکوئیڈ لانا وہ کم گھلتا ہے اور زیادہ چلتا ہے۔" مدیحہ بیگم نان اسٹاپ شروع ہو گئیں۔

"ارے بیگم! لسی پلانے کو کہا تھا لسی بنانے کو نہیں۔ صبا بیٹا! ایک گلاس سادہ پانی ہی پلا دو۔"

صبا فریج کی طرف جانے لگی تو اماں نے آواز دی۔

"رک جاؤ تم سرسوں کے سارے تیل میں [illegible] ایک جھاڑ ڈال کر پکا کر رکھ لو خراب بھی نہیں ہو گا اور وقت ضرورت تم [illegible] کی بچت بھی ہو گی اور [illegible] کیری کا شربت [illegible] کر رکھا ہے [illegible] ہوں گرمیوں میں تو [illegible] اس سے [illegible] کوئی اور [illegible]

دستر کا کھانا [illegible] ابا کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے [illegible] صبا بھی سودے کی چنوائی اور صفائی [illegible] چکی تھی۔ اماں صبا کے جہیز میں رکھنے [illegible] بنائی ہوئی بیڈ شیٹ کے چاروں طرف کروشیہ کرنے لگیں۔ انہوں نے صبا کے چودہ کے سن [illegible] سے ہی چھوٹی بڑی چیز اور سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا اور اب جب وہ بی اے کے آخری سال میں تھی تو تقریباً تمام سامان اکٹھا تھا۔

"اماں! آپ اس دن اپنی شادی اور ساس والا جو قصہ سنا رہی تھیں وہ پڑوسن خالہ کی آمد کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا۔ آگے بتائیے ناں کیا ہوا؟ آپ کا سسرال میں کیسا استقبال ہوا؟" صبا نے تخت پر بیٹھی کروشیا بنتی اماں کو یاد دلایا۔

"میں صدقے جاؤں میری بچی کو کتنا میرا خیال ہے۔ جب اماں مرحومہ زندہ تھیں تو اپنے دکھڑے انہیں سنایا کرتی تھی۔ ان کے مرنے کے بعد تو بس چپ کی چادر اوڑھ لی۔"

اماں بیتے وقتوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہو [illegible] اب کہاں کی چادر اور کہاں [illegible]

"گرمی' رش [illegible] اور بچوں کا شور' بھاری کپڑے اور زیور [illegible] نے مل کر ہماری مت مار رکھی تھی [illegible] تمہارے ابا کے ساتھ تخت پر [illegible] رسموں کی ادائیگی ہو گی۔

"[illegible] تھوڑا قریب ہو کر بیٹھ بھابھی [illegible] جانے کس کم بخت مارے نے مشورہ دیا تھا [illegible] گرمی میں تمہارے ابا نے جو سانس لینے جتنا فاصلہ چھوڑا تھا' وہ بھی ختم کر ڈالا۔

کھیر کھلائی کی رسم کا شور مچا تو دل کو تھوڑی خوشی ہوئی۔ ایک تو مجھے کھیر پسند بہت تھی اور دوسرا رخصتی کے ساتھ جڑے دکھ اور وسوسوں کی وجہ سے کچھ کھایا نہیں تھا سو اب بھوک بھی لگی تھی۔

تمہارے ابا کے ہاتھوں محبت سے کھلائے جانے والے پہلے کھیر کے چمچے کے بارے میں ابھی خیالوں میں کھونے بھی نہیں پائی تھی کہ منہ میں برائے نام دودھ' چاول اور چینی کی لئی سی ڈال دی گئی۔ عام حالات ہوتے تو میں فوراً "لئی" جسے ہمارے سسرالی بڑے شوق سے کھیر کہہ رہے تھے' اگل دیتی مگر مجبوری کی مجبوری تھی۔ دلہناپے کا روپ' سسرال کا پہلا دن اور میاں جی کے ہاتھ کا کھلایا ہوا پہلا نوالہ..... دوسرے چمچے پر منہ نے کھلنے سے انکار کر دیا۔

ہجوم میں سے آواز آئی۔ "دلہن کھیر سات بار کھلانی ہے' شگن ہوتا ہے۔" دل ہی دل میں رسم کو سات کے بندھن سے مشروط کرنے والے کو گالیوں سے نوازا اور ساری کی ساری کھیر اپنے اندر اتار لی۔

[illegible] رسم کے مطابق پہلے دن بھابھی کی گود میں [illegible] چند لمحوں کے لیے بیٹھتا ہے اور نیگ وصول کرتا ہے۔ ہمارا اپنا تو کوئی دیور تھا نہیں سو خاندان بھر کی ماؤں میں جنگ چھڑ گئی بڑی مشکل سے قرعہ فال پھپھو کے بیٹے کے نام نکلا۔

"مدیحہ دلہن! میرا احسن رئیس میاں سے پورے پانچ سال سات مہینے پندرہ دن چھوٹا ہے اور عمر کے اس حساب سے میرا بیٹا ہی اس رسم کے لیے موزوں ترین ہے۔"

ایک نسوانی آواز کانوں سے ٹکرائی تو گھونگھٹ کی آڑ سے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے پنجابی فلموں کے ہیرو جیسا چھ فٹ کا لمبا چوڑا دیور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سو تو خدا کا شکر ہوا کہ دیور جی خود ہی شرمیلی طبیعت کے نکلے ورنہ ہماری گود بھرائی کی جگہ گود تڑوائی ہو جاتی۔

اللہ اللہ کر کے رسمیں ختم ہوئیں اور ہمیں ہمارے کمرے میں لا کر بٹھا دیا گیا۔ کمرے میں پہنچ کر ابھی کمر سیدھی بھی نہ کر پائے تھے کہ نند صاحبہ تشریف لے آئیں۔ "بھابھی! ذرا صحیح ہو کر بیٹھ جائیں سب سلامی دینے کے لیے آ رہے ہیں۔" اس رسم کے ذکر سے گرمی میں تھوڑی ٹھنڈک کا احساس ہوا کہ چلو سسرال والوں سے کچھ تو وصول ہو گا۔

اماں سے سنا تھا کہ بھرا پرا خاندان ہے اس لیے پرس کا منہ پورے کا پورا کھول کر چوکس ہو کر بیٹھ گئی۔

سب سے پہلے دادی ساس آئیں۔ ادب سے سلام کیا' آخر کو ساس کی ساس تھیں' سلامی کے طور پر اپنے پوپلے منہ سے جس میں سے پان کے چھینٹے ہمارے حسین چہرے پر نقش و نگار بنا رہے تھے' دعائیں دے کر چلتی بنیں۔

پھر نانی ساس کی باری آئی' وہ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ حسن سلوک سے نصیحت ہاتھ میں تھمائیں اور جاتے

چاہتے تمہارے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار ہوا ابھی خراب کر گئیں پھر آنے والا نمبر ہماری ساس صاحبہ کا تھا اب تو قوی امید تھی کہ تگڑی سلامی ہاتھ لگے گی" آخر کو ان کی اکلوتی بہو تھی۔

"میں نے تو اپنا بیٹا اور پورا گھر تمہیں سونپ دیا اب چیزوں اور پیسوں کی کیا حیثیت ہے۔ سدا سہاگن رہو۔"

ساس صاحبہ کی رنجیدہ سی آواز کانوں میں پڑی۔ پہلی ہی بار میں ساس صاحبہ کی چالاکی کا اندازہ ہو گیا صرف بیٹے کو لمبی عمر کی دعا دے کر چلتی بنیں۔ دعا میں سے بھی بہو کا حصہ گول کر گئیں۔

ہم نے دل میں شکر ادا کیا کہ اب ساسوں کا سلسلہ ختم ہو گیا...

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا

اور پھر نند صاحبہ فوراً" تعارف کروانے لگیں اور ہم لو اور ہائی ہوتے بلڈ پریشر کے ساتھ سنتے رہے۔

سب سے پہلے پھوپھو ساس آئیں۔

"بہو! ہمارا رتبہ تمہاری ساس کے بعد سب سے بڑا ہے۔ آخر کو تمہارے شوہر کے باپ کی بڑی بہن ہیں۔" سلامی میں اپنی اہمیت جتا دی بس۔

پھر تائی ساس کی باری آئی۔

"بہو بیگم! ہم اس خاندان کی سب سے سلیقہ مند اور سینئر بہو ہیں ہمارے نقش قدم پر چلو گی تو کامیاب رہو گی۔"

سلامی کے نام پر ایک گُر تھما دیا گیا۔

پھر چاچی ساس تشریف لائیں۔

"ماشاء اللہ دلہن تو بہت پیاری ہے۔" تعریف کی سلامی پر ابھی خوش بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آگے فرمایا گیا "بھائی صاحب کی پسند ہو گی ورنہ میں کہوں بھابھی بیگم تو کبھی اچھی چیز کو پہچان ہی نہیں پاتیں۔"

بہو کی تعریف اور جٹھانی کی برائی ایک تیر میں دو شکار والی سلامی پرس کے کھلے منہ نے خالی [illegible] بھری سلامیوں سے انکار کر میری طرف [illegible] دیکھا۔

"بھابھی! یہ آپ کی خالہ ساس ہیں۔" کسی نے تعارف کروایا اور ہم چونکتے ہوئے کیونکہ سن رکھا تھا کہ رئیس کی خالہ دبئی سے آئی ہیں۔ ہمیں اپنا خالی پرس درہموں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔

"دلہن تو پیاری ہے مگر میری ناز جیسی حسین اور سلیقہ شعار نہیں لگتی۔ خیر جو نصیب" خالہ شاید اپنی کسی بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتی تھیں مگر بات نہیں بنی، سو وہ اپنا جلاپا اور حسرت سلامی میں پیش کر گئیں۔

"مدیحہ! ہم رئیس کے اکلوتے ماموں کی اکلوتی بیگم ہیں۔ آپا ہمارا بے حد خیال رکھتی ہیں اور تم سے بھی ہم اسی رویے کی امید رکھتے ہیں۔ عمر میں ہم تم سے بس چند سال ہی بڑے ہوں گے اس لیے ممانی کی جگہ آپا ہی کہہ لینا تو بہتر ہو گا۔"

یہ تھیں آخری ساس یعنی کم عمر اور نازک اندام لاڈلی ممانی ساس۔

خدا خدا کر کے سلامی کی رسم اختتام کو پہنچی۔

اماں نے اپنے قصہ کا اختتام کرتے ہوئے کہا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

✿ ✿ ✿

"مدیحہ بیگم! آپ خوا مخواہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہیں پانچوں انگلیاں ایک برابر نہیں ہوتیں۔ جاذب میاں بہت اچھے انسان ہیں اور پھر سب سے [illegible] اتنے عرصے بعد خود اتنی چاہ سے [illegible] ہیں۔ میں تو یہ وعدہ بھول [illegible] میاں جڑ رہے ہو گے [illegible] کو [illegible] کر رہے تھے۔"

"ارے [illegible] سال تو مٹی کی بھی بری ہوتی ہے [illegible] میں اپنی پھول سی بچی کو [illegible] میں نے کہہ دیا بس! آپ انہیں [illegible] طرف سے انکار کر دو۔" مدیحہ بیگم نے حتمی انداز میں [illegible] سنا کر بات ختم کر دی۔

✿ ✿ ✿

آج کل گھر میں اماں ابا کے بیچ سرد جنگ چل رہی

تھی اور صبا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ جنگ کب ختم ہو گی اور فتح کس کی ہو گی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس کے لیے ابا کے ایک دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا اس کے بچپن میں۔ ابا کے وہ دوست ابا کے پڑوسی بھی تھے۔ بڑی گہری دوستی تھی پھر وہ لوگ پنجاب شفٹ ہو گئے اور وقت کی گرد میں دوستیاں بس دلوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئیں۔ بچپن میں ابا اور [illegible] انکل نے وعدہ کیا تھا کہ جب ان کے بچے بڑے ہو جائیں گے تو وہ اس دوستی کو رشتے داری میں بدل [illegible] اب اتنے سالوں بعد جب ان کا بیٹا [illegible] کیا تھا اور آج کل [illegible] ابا کو ان کا وعدہ یاد دلانے آ گئے [illegible] اچھا تھا مگر مسئلہ وہی تھا کہ جاذب کا [illegible] اور [illegible] کافی بڑا تھا اور خود اس کی [illegible] اور دو بڑے بھائی بھی تھے سو اماں کسی [illegible] نہیں ہو رہی تھیں۔

"[illegible] بیگم! ہماری عزت کا سوال ہے۔ خدا را مان [illegible] اور پھر صبا کو بھری پری سسرال میں نہیں رہنا پڑے گا۔ جاذب شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اسے جدہ لے جائے گا اور پھر ہماری صبا اتنی اچھی ہے کہ سب کا دل موہ لے گی۔ وقت کے ساتھ سوچیں بدل گئی ہیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ بیگ اپنی زبان کے پاس کے اتنے عرصے بعد اتنی دور سے آیا ہے تو کیا میں اسے خالی ہاتھ لوٹا دوں؟" ابا آج میں کافی پریشان تھے۔

"اچھا! بات اگر تمہاری عزت کی ہے تو ٹھیک ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔ میں صبا کو اپنے اوپر سسرال میں بیتی ساری کہانی سناؤں گی کہ بھری پری سسرال اور اتنی ساری ساسوں، نندوں، دیوروں کے کیا نقصانات ہوتے ہیں پھر فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہو گا اور پھر آپ کو بھی اس کا فیصلہ منظور کرنا پڑے گا۔" مدیحہ بیگم نے جوش و خروش سے اپنا فیصلہ سنایا۔

✿ ✿ ✿

"ساس صاحبہ نے چوتھی والے دن ہی ہمارا ہاتھ کھیر میں ڈلوا دیا تاکہ ایک کھیر میں سب کا حصہ ثبت ہو جائے اور بہو جو کل سے کام پر بھی لگ جائیں۔ چوتھی کی رسم میں [illegible] ساسوں کا مینا بازار لگا ہوا تھا۔ ہر رشتے میں [illegible] کی ساس موجود تھی اور اتنی ساری ساسوں کی ڈھیر اولاد۔ اللہ جانے اس وقت [illegible] کا محکمہ قائم ہوا تھا کہ نہیں۔ بے شمار پانچ [illegible] سال تک کے جیٹھ، دیور اور نندیں جب [illegible] تو مجھے لگتا میں پوری قوم کی بھابی ہوں۔ کھیر کی دیگ میں ہاتھ چلاتے چلاتے ہاتھ ٹوٹنے لگا۔

چوتھی کی رسم میں اماں نے تھوک کے حساب سے ساسوں کو دیکھ کر دل پکڑ لیا اور بعد میں یہی دکھ کولیسٹرول کی صورت ان کی شریانوں میں جم کر دس سال بعد ہارٹ اٹیک کا سبب بنا۔ سب رسموں سے فارغ ہو کر گھر کی بھاگ دوڑ سنبھالی۔ چند دن گزرنے کے بعد ہی ہمیں بخوبی علم ہو گیا کہ دادی ساس اور نانی ساس والا اماں کا بتایا ہوا فارمولا بری طرح فلاپ ہو گیا ہے۔ دادی ساس اور میری ساس آپس میں لڑ لڑ کر اس قدر بور ہو چکی تھیں کہ دونوں نے مل کر نئی بہو کے خلاف محاذ کھول لیا اور رہی نانی ساس تو ان کا نخرہ اتنا تھا کہ وہ داماد سے عزت کرواتا تو دور ان کے گھر آنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔

تمام عمر دادی، نانی، تائی، چاچی، خالہ، ممانی اور اپنی ساس کی ہدایتیں سنتے، خدمتیں کرتے گزار دی مگر کچھ حاصل وصول نہ ہوا اور پھر جس دن تم پیدا ہوئیں میں نے سوچ لیا تھا کہ تمہارا رشتہ ایسے گھر میں کروں گی جہاں ساس نہ ہو اور اگر ہو بھی تو ایک اکلوتی کیونکہ ایک ساس بھی سو پہ بھاری ہوتی ہے۔"

پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر گیا تھا اب تو اماں کی ساری ساسیں مرحومین کا درجہ پا چکی تھیں اماں بھی اب ان کی مغفرت کی دعا کرتی تھیں مگر ان کے رویے ان کی طرف سے ملے ہوئے دکھ یاد کر کے اب بھی آبدیدہ ہو جاتی تھیں۔

اماں نے اپنے پلو سے آنسو پونچھے اور اب دونوں کی نظریں صبا کی طرف تھیں۔

✿ ✿ ✿

"اب بیٹا تم جاذب کے ساتھ جا کر اپنے کمرے میں ریسٹ کرو۔ ذرا فریش ہو جاؤ تو میں جاذب کو بھیجتی ہوں۔ رسمیں کل کریں گے اس لیے میں نے ولیمہ میں گیپ بھی رکھوایا ہے۔ آج تو سارا دن گزر گیا ہے اور پھر سب سے زیادہ ٹینشن اور الجھن دلہن کو ہی ہوتی ہے۔ اتنے بھاری کپڑے، زیور، فوٹو شوٹ، ماں باپ سے بچھڑنے کا دکھ اور پھر آدھی آدھی رات تک بچی کو جگا کر رسموں کی ادائیگی کرتے رہو۔ کہاں کا انصاف ہے یہ خالہ!"

صبا نے اپنے کمرے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ذرا سا نظر اٹھا کر ایک شفیق اور پیاری سی عورت کو دیکھا جو اپنی خالہ سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ اس کی ساس تھیں یعنی جاذب کی امی۔

"آؤ آؤ بیٹی! صبح بخیر! اپنے گھر کا پہلا دن کیسا گزرا؟" اس کی ساس نے اس کے لاؤنج میں آتے ہی نظر اتاری۔ دونوں نندیں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ دونوں جٹھانیاں بھی بہت خلوص اور محبت سے پیش آ رہی تھیں۔

اماں کی بتائی ہوئی باتوں کے زیر اثر وہ اب بھی سہمی سہمی سی تھی حالانکہ یہاں کچھ بھی سسرال اور سسرالیوں والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

سب رسمیں ہوئیں رات کو ولیمہ کی تقریب تھی سو وہ شام کو تیار ہونے پارلر چلی گئی۔ جانے سے پہلے اس کی ساس نے اس کا صدقہ دیا۔ بقول ان کے تین دن سے ہماری بیٹی اتنی پیاری لگ رہی ہے کہ نظر ہی نہ لگ جائے۔

صبا جاذب کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ دونوں کی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ اماں کو آتے دیکھ جاذب نے ادب سے کھڑے ہو کر اماں کو سلام کیا اور خود اسٹیج سے نیچے اتر گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹی سے اکیلے میں اس کی خوشیوں اور نئے گھر کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہوں گی۔

جاذب کے ہٹتے ہی اماں صبا کے ساتھ [illegible] ابا بھی سب سے مل رہے تھے۔

"دیکھا اب پتا چلا بھرے پرے سسرال میں رہنا کتنا مشکل ہے۔ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ زمانہ چاہے کوئی بھی ہو اور پھر تمہاری ساس بلکہ ساری ساسیں مجھے تو میٹھی چھریاں لگ رہی ہیں۔" اماں نے دھیرے دھیرے بولتے ہوئے اس کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

صبا نے مسکراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔ باپ کی عزت کی خاطر اس نے جو اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ وہ اس میں سرخرو ہوئی تھی۔ اسے دو دن کے اندر اس گھر میں اتنی عزت اور پیار ملا تھا کہ وہ نہال ہو گئی تھی اور اب وہ جاذب سے کہنے والی تھی کہ وہ اپنی جاب کا کنٹریکٹ ختم کر کے ہمیشہ کے لیے پاکستان آ جائے کیونکہ اتنا اپنا پن اور اتنا پیار چھوڑ کر وہ پردیس جانے والی نہ تھی۔

وہ مسکرا مسکرا کر اماں کو دو دن کی روداد سنا رہی تھی اور کانوں، ہاتھوں، گلے اور انگلیوں میں پڑنے سونے کے وہ زیور بھی دکھا رہی تھی جو اس کی ساس، تائی، پھوپھی، چاچی، خالہ ساس اور نندوں نے اسے منہ دکھائی میں تحفت کیے تھے۔

"ارے بہن! آج کیا بیٹی کو دیکھ کر اور اس سے باتیں کر کے ہی پیٹ بھر لیں گی۔ یہ لیں میں آپ کے لیے اور صبا بیٹی کے لیے کھانا لائی ہوں۔ آپ آرام سے کھائیے دو دن سے ٹھیک سے [illegible] رہی۔" جاذب کی امی کھانے کی [illegible] بھری ٹرے لے کر اسٹیج پر [illegible]

"ارے [illegible] جاذب بیٹے کو اوپر بھیجیے وہ [illegible] کھانا کھائے۔ میں اس کے ابا اور [illegible] لوگوں کو ساتھ کھانا کھاؤں گی۔"

[illegible] کرتے ہوئے مدیحہ بیگم کی رائے بدل چکی [illegible] وہ جان گئی تھیں کہ رشتے برے نہیں ہوتے، ان کو برتنے والے انسانوں کا اپنا کردار اور عمل برا ہوتا ہے ورنہ ہر دور میں صبا کی ساس جیسی ساسیں بھی ہوتی ہیں جو بہوؤں کو بیٹیاں کہتی ہی نہیں مانتی بھی ہیں۔

☆

رفیق فاطمہ



ثمرا کو لگا یہ اس کی نظر کا دھوکا ہے [illegible] پھولوں میں سجا ہوا تازہ گلاب [illegible] کہاں سے آیا؟ کون لایا؟ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے بھیگا ہوا چھوٹا اور [illegible] آنکھوں میں بے شمار [illegible] اس نے دیوار پر لگی پلاسٹک کی ٹوکری [illegible] پلاسٹک کے مصنوعی پھولوں پر دھول [illegible] رنگ اڑ چکا تھا اور ان کے درمیان [illegible] اور وہ سرسبز پتوں سمیت بالکل [illegible] گلاب موجود تھا۔ اسے صبح سویرے [illegible] عادت تھی۔ منہ اندھیرے فلیٹ سے اتر کر [illegible] گرین بیلٹ میں نرم گھاس پر ننگے پاؤں چلتی تو

ٹھنڈک اور تازگی اس کے پیروں کے تلووں سے دل و دماغ تک پہنچتی۔ یہ اس کا بہت پرانا معمول تھا۔ سیر کے بعد وہ سیدھی ٹیرس پر آتی اور واش بیسن پر جھک کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے چہرہ بھگو لیتی۔ واش بیسن سے ذرا پرے دیوار پر پلاسٹک کی وہ سجاوٹی ٹوکری تھی۔ ٹوکری میں پلاسٹک کے مصنوعی پھول کبھی خوش رنگ تھے اب ان کی دلکشی ماند پڑ چکی تھی۔ اسی ماند پڑی رنگت والے پھولوں کی ٹوکری میں موجود سرخ گلاب نے اسے چونکا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زما کا فلیٹ چوتھی منزل پر تھا۔ ایک قطار میں تیرہ فلیٹ تھے جن کی دیواریں مشترک تھیں۔ یہ الگ بات کہ ان کے مکینوں کے دکھ سکھ جدا تھے۔ آئے دن کرائے کے ان مکانوں کے مکین بدلتے رہتے۔ کوئی چہرہ زیادہ دن نظر نہیں آتا تھا۔ سو کسی سے شناسائی ہو نہیں پائی تھی۔ زندگی اپنے اپنے در و دیوار میں قید تھی۔ ایک مشترکہ چھوٹی سی راہداری تھی جس میں یہاں آنے جانے والوں کے قدموں کی چاپ ابھرتی رہتی اور زندگی کی روانی کا احساس دلاتی رہتی۔ اسی راہداری کو وہ سب اپنے ٹیرس کے طور پر استعمال کرتے۔ ٹیرس میں کھڑے ہو کر تیزی سے بھاگتی کاروں اور عجلت میں دھکم پیل کرتے لوگوں کو وہ کبھی کبھار دیکھتی۔ اسی ٹیرس میں سر اٹھا کر نصف شب کے وقت کبھی کبھی اس کے دل میں نیلے آسمان کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھتی جس پر سنا ہے کبھی روشن ستارے چمکا کرتے تھے۔ اب تو سب خواب و خیال ہو چکا تھا۔

زما نے وہ پھول ارما کے بالوں میں سجا دیا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ گھاس پر ننگے پاؤں چل کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے ٹیرس کی طرف آ رہی تھی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پلاسٹک کی [illegible] آج وہ تازہ گلاب اس کے منتظر ہوں [illegible]

سیڑھیاں چڑھنے اور اترنے میں مزہ آتا تھا۔ لفٹ میں اس کا دم گھٹنے لگتا۔ زما کو یوں لگتا جیسے وہ موت کی قیدی کی طرح کوٹھری میں بند کر دی گئی ہے۔ جس کی جان تختہ دار پر کھنچنے سے پہلے ہی نکل جائے گی۔ ٹیرس پر بچھی کرسی خالی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ ارما اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔ زما لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی واش بیسن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے پہلے اس نے آئینے میں دیکھا۔ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ چہرے کی جھریاں بہت نمایاں اور بالوں سے جھانکتے چاندی کے کچھ تار دکھائی دے رہے تھے۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ کوئی انوکھی بات نہیں جو اسے چونکا دیتی۔ پلاسٹک کی ٹوکری میں موجود دو تازہ پھولوں نے البتہ اسے چونکا کر رکھ دیا۔

یہ پھول کون رکھ گیا؟ راہداری میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اپنے علاوہ کسی ٹیرس پر اسے کوئی دوسرا شخص دکھائی نہیں دیا۔ یہ محض اتفاق نہیں تھا۔ پھول رکھنے والا جانتا تھا کہ وہ اس وقت سیر سے لوٹتی ہے اور ٹیرس میں واش بیسن پر منہ دھو کر فلیٹ میں جاتی ہے؟ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے زما کو الجھا دیا تھا۔

"تمہارے لیے گرین بیلٹ سے توڑ کر [illegible] ہوں۔" وہ پھول اس نے ارما کے سرہانے [illegible] کہا۔ وہ ذرا سا چونکی مگر خاموش [illegible] اس نے سوچا ہو گا پھولوں کو [illegible] سخت ناپسند کرنے والی [illegible] ہے۔

☼ ☼ ☼

[illegible] ننگے پاؤں چلتے ہوئے نجانے کیوں [illegible] ٹیرس کی دیوار پر ٹنگی ٹوکری کی طرف [illegible] معمول سے پہلے سیر ختم کر کے سیڑھیاں [illegible] تو زندگی میں پہلی بار جی چاہا کہ لفٹ میں [illegible] ہو کر چوتھی منزل کا بٹن دبا دے اور پلک جھپکنے میں ٹیرس پر پہنچ جائے۔ عجلت میں سیڑھیاں چڑھ کر وہ ٹیرس پر پہنچی تو اس کی نظروں نے وہیں سے تین شوخ

گلابوں کو دیکھ لیا۔ اس کا دل عجیب طرح سے دھڑکا۔ یوں شاید کبھی نہیں دھڑکا تھا۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھی اور دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پھولوں کو ٹوکری سے نکال لیا۔ شکر ہے اس وقت ارما ٹیرس پر موجود نہیں تھی۔ اس نے دور تک نظر دوڑائی۔ سب دروازے بند تھے۔ چالیس نمبر فلیٹ والی غصیلی عورت راہداری میں گیلا تولیہ نچوڑ رہی تھی۔ بیالیس نمبر فلیٹ کی کھڑکی سے جھانکتا ہوا ایک [illegible] نے دیکھا۔ اسے نہیں معلوم وہ زما کو ہی دیکھ رہا تھا یا غیر ارادی طور پر دونوں کی نظریں ملی [illegible] چوری چھپے پھول رکھ جانے والا [illegible] تھا؟

زما نے نظریں [illegible] دوبارہ دھوپ [illegible] میں ڈوب گیا۔ وہ ایک [illegible] آفس میں مردوں کے ساتھ [illegible] کرنے والی تھی مگر کبھی اسے ایسی گھبراہٹ [illegible] نہیں جیسی اس وقت ہوئی۔ ڈھلتی عمر اور چاندی [illegible] جھلملاتے تاروں کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ زما نے اس سے آنکھیں چرا لی ہیں۔ وہ [illegible] کی نظروں کو اپنے چہرے کا طواف کرتے [illegible]۔ ان نظروں میں چھپا ہوا پسندیدگی کا پیغام بھی اس تک پہنچ جاتا مگر اس بات کا یہ جواز بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ راہ چلتے ہر کسی سے پھول پکڑ لے۔ ہر کسی سے مراد ہر اجنبی شخص زیادہ تھا جسے وہ جانتی تک نہیں۔ اگر وہ جانتی بھی ہو تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے یوں آتے جاتے بے شمار لوگوں کے سامنے یا ان سے چھپا کے گلاب کا ایک پھول اس کی مٹھی میں پکڑا دیا جائے۔ وہ کیوں پکڑے گی؟ پھول ٹوکری میں ملے تھے مگر اسے یوں ہی محسوس ہو رہا تھا کسی نے بے شمار لوگوں کے سامنے اس کی مٹھی میں پکڑا دیے ہیں۔

تین گلابوں کی خوشبو نے ارما کے سانسوں کو معطر کر دیا۔ زما نے اسے سچ نہیں بتایا کہ یہ پھول کہاں سے آئے۔ ارما یہی سمجھی کہ اس نے اپنی برسوں پرانی عادت بدل ڈالی ہے اور پھولوں کو شاخوں سے جدا کرنے والوں میں شامل ہو گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

چوتھی صبح۔ چار گلاب زما کے منتظر تھے۔

پھول ٹوکری سے نکالتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے [illegible] نمبر فلیٹ والوں کی بچی بلی کے پیچھے راہداری میں بھاگ رہی تھی۔ بیالیس نمبر فلیٹ [illegible] دروازے کے سامنے ٹیرس میں سیدھا [illegible] بازو پھیلائے ایکسرسائز میں مصروف تھا۔ اس کے بال گھنگریالے اور رنگت صاف تھی۔ اس کی عمر چالیس سال ہوگی مگر وہ اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے رنگ کر اچانک دیکھا۔ زما اس وقت اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں زما پر جم گئیں۔ شکر ہے اسی وقت لفٹ کے دروازے سے نکل کر آنے والا عرفان کھنکار کر گھنگریالے بالوں والے سے مخاطب ہوا۔ وہ دونوں بجلی کے میٹر کی غلط ریڈنگ کے بارے میں بات کرنے لگے۔ زما اسی اثنا میں پھول لیے اپنے فلیٹ میں آ گئی۔

ارما اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ شاور لے رہی تھی۔ زما نے پھول اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے اور باتھ روم کے دروازے پر انگلی سے دستک دیتے ہوئے اونچی آواز میں کہا "تمہارے لیے پھول لائی ہوں۔" "کسے؟" نہیں معلوم ارما نے اس کی آواز سنی یا نہیں مگر اسے یقین تھا اس کی آواز میں آج ایسی چمک برسوں بعد اسے سنائی دی تھی جو اس کی ماں کو نہال کر دیتی تھی۔ ماں کے ساتھ ہی زما کی زندگی کی رونق اور آواز کی کھنک منوں مٹی میں دفن ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

پانچویں صبح۔

معمول سے بہت پہلے وہ جاگ گئی۔ ارما سو رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں نکلی۔ نجانے کیوں وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارما جاگے اور ٹیرس پر بچھی کرسی پر بیٹھ جائے۔ سیڑھیاں اترنے کے بجائے اس نے واش بیسن کے پاس دیوار پر ٹنگی ٹوکری کو دیکھا۔ مصنوعی پھول ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔

"میری عدم موجودگی میں وہ پھول رکھ دے گا۔"
اس نے سوچا اور سیڑھیاں اتر گئی۔

گرین بیلٹ میں دو لڑکیاں بنچ پر بیٹھی تھیں۔ چند بچے ایکسرسائز کر رہے تھے۔ بوڑھا مالی ہاتھ میں قینچی پکڑے عرفان کے پاس کھڑا تھا۔ عرفان اسے پودوں کی فالتو شاخوں کو کاٹنے کی بابت سمجھا رہا تھا۔ معصوم صورت بھرے ہوئے بدن والے عرفان نے اسے دیکھ کر سر کے اشارے سے سلام کیا۔ نرما نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا۔ چار بوڑھوں کی خوش گپیاں کرتی ٹولی آگے آگے چل رہی تھی۔ انہیں وہ روزانہ یہاں دیکھتی تھی۔ اور گلاب کے پودوں کے پاس کھڑا۔ گھنگریالے بالوں والا گلاب توڑ رہا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ نجانے کیوں اسے یوں لگا کہ پھول دینے والا دیر سے منتظر ہے۔ وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔

اسے لگا آج وہ اس کے پاس آکر سب کے سامنے پھول پکڑا دے گا۔ نرما نے یوں کبھی سوچا نہیں تھا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ نروس ہو گئی تھی۔ یہ انتہائی فضول حرکت ہوتی۔

سیر کے لیے آئے ہوئے لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے مگر یوں صبح سویرے وہ کسی تھیٹر یا رومانوی فلم کے کسی منظر کا کردار نبھانے کی خواہش بھی نہیں رکھتی تھی۔

نرما اسے متوجہ کیے بغیر اس کے پاس سے گزری اور گرین بیلٹ کے آخری پلاٹ میں نرم نرم گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ ایک انجانے خوف نے اسے دیر تک واپس جانے نہیں دیا۔ وہ اس وقت تک گھاس پر ننگے پاؤں چلتی رہی جب تک بوڑھوں کی ٹولی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ بنچ پر بیٹھی لڑکیاں اپنے گھروں کو واپس نہیں چلی گئیں۔ ایکسرسائز کرتے بچے تھک کر ڈولتے قدموں سے لوٹ نہیں گئے۔ عرفان بلڈنگ آفس میں نہیں گیا اور گھنگریالے بالوں والا پلاسٹک کی ٹوکری میں پانچ گلاب رکھ کر [illegible] میں گم نہیں ہو گیا۔

پانچ پھولوں کا گجرا بنا کر اس نے ارما کی کلائی میں پہنا دیا۔ ارما کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ پھول کہاں سے آئے ہیں۔

☼ ☼ ☼

چھٹی صبح۔ چھ گلاب ٹوکری میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔

نجانے کس خیال نے اس روز نرما کو مدت بعد گلابی سوٹ پہننے پر مجبور کر دیا۔ وہ تو کپڑوں کے رنگ اور ڈیزائن بھی بھول چکی تھی۔ کبھی بننے سنورنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ برسوں بعد اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ بالوں کو سلیقے سے سنوارا، گلابی لپ اسٹک سے ہونٹوں کو سجایا۔ سیڑھیاں اترنے کے بجائے وہ پہلی بار لفٹ میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے یکدم عجلت میں گھنگریالے بالوں والا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ نرما دھک سے رہ گئی۔ روزانہ اسے پھولوں کا تحفہ دینے اور اس کے من میں خوشبو جگانے والا آج اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اتنا پاس کہ وہ اس کے گلابی آنچل کو اپنی انگلیوں میں لپیٹ لیتا۔ یہ عجیب قربت تھی جس نے نرما کے بدن پر کپکپی طاری کر دی۔ وہ بے حد نروس تھی۔

چند پل کا یہ ساتھ، اسے لگا وہ صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ گھنگریالے بالوں والے نے اسے مخاطب کرنے کی [illegible] اس کے گلابی سراپے سے نظریں [illegible] اس کی یہ ادا اچھی لگی۔

☼ ☼ ☼

ساتویں صبح۔ سات گلاب نرما کی ساری تھکن سمیٹنے کے لیے بیتاب تھے۔

نرما نے [illegible] بعد فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھی تو ٹیرس میں کرسی پر بیٹھی ارما کو دیکھ کر ایک بار اس کا دل زور سے دھڑکا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ارما وہاں روزانہ بیٹھی تھی مگر نرما کے لوٹنے سے پہلے وہ اپنے کمرے میں جا چکی ہوتی۔ نرما دبے پاؤں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے پاس سے گزری۔ ارما آنکھیں موندے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ ٹوکری سے سات گلاب نکال کر نرما نے گود میں رکھ دیے۔

"ایک خوش شکل لڑکا ہے، جو روزانہ مجھے سیر کے دوران ملتا ہے اور پھول پکڑا دیتا ہے۔" شوخی بھرے لہجے میں اس نے ارما سے کہا۔

"سچ؟" ارما کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

"بالکل سچ!" اس نے پورے [illegible] جھوٹ بولا۔ یہ شوخی نجانے کہاں سے اس کے [illegible] آ گئی تھی۔ وہ تو مدت سے زبان پر [illegible] لگا کر سو رہی تھی۔

وقت نے اسے [illegible] بوڑھا کر دیا تھا۔ ذمہ داریوں نے اسے کبھی اپنے بارے میں سوچنے کی فرصت [illegible] تھی۔ اس نے ارما کو والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی مگر اس مشقت میں وہ [illegible] کہ اس کی اپنی بھی کوئی زندگی ہے اپنے [illegible] ہیں۔ وہ روزی کمانے کے چکر میں سب [illegible] بھلا بیٹھی تھی۔ ایک اجنبی شخص جسے وہ جانتی نہیں تھی اس کی زندگی میں آ گیا تھا اور نرما کو یوں لگا تھا اس کے ارد گرد بے شمار گلاب اگ آئے ہیں اور ان گلابوں کی خوشبوؤں کے حصار میں اس کا وجود مہک رہا ہے۔ اس اجنبی سے نرما کی کبھی بات نہیں ہوئی تھی مگر ایک کردار اس نے خود سے تراش لیا تھا۔

نجانے یہ جھوٹ اس نے کیسے تراش لیا اور اتنے اعتماد سے کیسے بول دیا؟ پھول بھیجنے والا چالیس سال سے کم نہیں تھا۔ نرما سے تین چار سال بڑا۔

☼ ☼ ☼

آٹھویں صبح۔ آٹھ گلاب نرما کی مٹھی میں گلدستہ بن گئے۔

"جاب کرتا ہے، ماں باپ نہیں ہیں۔ کم تنخواہ میں اچھے دن گزار رہا ہے۔" اس نے ارما کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"آپی! انہیں پسند ہے؟" وہ نرما سے لپٹ گئی۔

"ہاں! بہت پسند۔" نرما نے ارما کی پیشانی چومتے ہوئے یوں کہا جیسے پھولوں کا تحفہ دینے والا شہزادہ ابھی [illegible] اس کے دروازے پر آ گیا ہو اور وہ [illegible] کر اس کے ساتھ بگھی میں سوار ہونے [illegible]۔

گھنگریالے بالوں والے کو اس روز نرما نے ملٹی نیشنل کمپنی کی اسٹاف وین میں جاتے دیکھا تھا۔ کالے سوٹ میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے بھی نرما کو بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی تھی اور نرما کے لبوں پر بھی مسکان آ گئی تھی۔ شکر ہے نرما کے لبوں کی مسکان کو عرفان نے نہیں دیکھ لیا جو ذرا پرے کھڑا ٹیلی فون کے کھمبے پر چڑھے ہوئے لائن مین کو خراب تار کے بارے میں بتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نویں صبح۔ نو گلاب نرما کی روح تک سرشار کر گئے۔

نرما نے ارما کے کمرے کو گلاب کی خوشبو سے مہکا دیا تھا۔

"مظفر نام ہے اس کا۔" نرما نے ارما کی کھلی ہتھیلی پر اپنی انگلی سے مظفر لکھ دیا تھا۔

"مظفر۔ نام تو بہت پیارا ہے۔" ارما نے نام دہرایا تھا۔

نرما نے ایک اور جھوٹ گھڑ لیا تھا۔ اس نے شرجیل کے بجائے مظفر کا نام لیا تھا۔

گزشتہ شام اچانک ہی نرما کا سامنا گھنگریالے بالوں والے سے ہو گیا تھا۔ دونوں راہداری میں سامنے آ گئے تھے۔ نرما نے اس کے سینے پر موجود نیم ٹیگ پر شرجیل مظفر نام کے ہجے پڑھ لیے تھے۔ وہ تنگ راہداری میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ نرما کو لگا بوکھلاہٹ میں وہ شرجیل کے کندھے سے ٹکرا جائے گی اور یہ منظر کسی اور آنکھ کے لیے شاید خوشگوار نہیں ہو گا۔ وہ دیوار کے ساتھ سانس روک کے کھڑی ہو گئی۔

شرجیل اس کے پاس سے گزرا۔ خوشبو کا ایک جھونکا بھی اس کے ساتھ چلا۔ شرجیل نے رک کر پیچھے دیوار سے لگی نرما کو دیکھا اور کچھ کہنے کے لیے اس کے لب حرکت میں آنے سے پہلے ساکت ہو گئے۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔ نرما کا سانس رک رک چلا۔ دل میں اس خواہش کے باوجود کہ وہ لب کوئی من کو چھو جانے والی بات کہہ دیں۔ نرما کی پیشانی پسینے میں تر ہو گئی۔ شرجیل بھی دل کی بات ہونٹوں میں دبا کر چپ چاپ مڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

دسویں صبح۔ دس گلاب۔ نرما گلابی نیند سو رہی تھی۔

نرما کی اس صبح آنکھ نہیں کھلی۔ وہ جاگی تو کھڑکی سے سورج کی کرنیں اس کے کمرے میں ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں۔ وہ ننگے پاؤں ننگے سر دروازے سے نکل کر ٹیرس میں آئی تو سامنے کرسی پر ارما بیٹھی تھی اس کی پشت واش بیسن کی طرف تھی اور وہ پلاسٹک کی ٹوکری میں موجود دس گلابوں سے بے خبر تھی۔ نرما نے سامنے راہداری میں اپنے ٹیرس پر شرجیل کو بے مقصد چہل قدمی کرتے دیکھا۔ شاید وہ نرما کو دیکھنے کے بہانے دیر سے ٹہل رہا تھا۔ نرما تب سوئی پڑی تھی اور ٹیرس پر ارما کو دیکھ کر یقیناً" شرجیل کو مایوسی ہوئی ہوگی۔ نرما کو دیکھ کر اس طرف اٹھی ہوئی شرجیل کی نظریں جھک گئیں۔ شاید وہ نرما کو بغیر دوپٹے کے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"آج میں اس کے ساتھ کافی پینے جاؤں؟" نرما نے دس گلاب اپنی دونوں ہتھیلیوں کے کٹورے میں رکھ کر ارما سے پوچھا۔

"کافی پینے؟" ارما چونکی۔

"ہاں۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔" نرما نے اپنی بنی ہوئی کہانی کے ایک کردار کو اپنی زبان دے دی۔

"میں بتاؤں وہ کیا کہے گا؟" ارما مدت بعد [illegible] ہوئی تھی۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔" نرما نے اس کے گال پر چٹکی لی۔

اس شام واقعی گرین بیلٹ میں شرجیل نے نرما کا رستہ روک لیا۔ وہ معمول سے ہٹ کر آج شام کے وقت سیر کرنے نکلی تھی اسے خبر نہیں تھی کہ شرجیل بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ کئی بے مقصد چکر کاٹنے کے بعد یکدم اس نے نرما کو مخاطب کرلیا۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" وہ کنفیوژ سا تھا۔

نرما کو اس لمحے کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اس کے قدم رک گئے اور دل عجیب طرح سے دھڑکنے لگا۔

"جی۔" بمشکل اس نے کہا۔

"میں..." پیشانی مسلتے ہوئے وہ پھر چپ رہ گیا۔ وہ کمسن بچہ یا کالج کا لڑکا نہیں تھا۔ چالیس سالہ مرد تھا جس نے زمانے کی اونچ نیچ دیکھ رکھی تھی مگر نجانے کیوں وہ اپنی بات کہہ نہیں پا رہا تھا۔ دیر تک وہ چپ کھڑا رہا۔

"میں جاؤں؟" نرما نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھی اس کی قربت میں پگھلتی جا رہی تھی۔

شرجیل نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ نرما نے جواب لینا ضروری بھی نہیں سمجھا۔ دونوں [illegible] اپنے قدموں اپنے اپنے رستے پر چلنے لگے۔

☼ ☼ ☼

گیارہویں صبح۔ گیارہ گلاب۔ [illegible]

گیارہ گلابوں کے ساتھ [illegible] ایک کتاب بھی پلاسٹک کی ٹوکری میں [illegible]۔ شرجیل کی بھیجی ہوئی شاعری کی [illegible] کتاب نرما نے ارما کو بتائے بغیر اپنی [illegible] الماری میں رکھ دی۔ اسے کسی زمانے میں [illegible] پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ شاعری سے شغف تھا۔ اچھے اچھے اشعار پڑھنا اور انہیں اپنی ڈائری میں محفوظ کرلینے کا جنون تھا مگر کئی برس ہوئے اس کا کتاب سے رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ مطالعہ کا وقت نہیں ملتا تھا۔ مل بھی جاتا تو دن بھر کی دفتری تھکاوٹ اس بات کی اجازت نہ دیتی کہ وہ کتاب کے اوراق پر لکھے حروف سے آشنائی کرتی۔ گیارہ پھولوں کے ساتھ سنہری کاغذ میں لپٹی ہوئی کتاب نے نرما کو مسرور کردیا۔ شب کے دوسرے پہر اس نے سنہری کاغذ میں لپٹی کتاب کو الماری سے نکالا۔ اس کا خیال تھا پہلے صفحے پر اس کے لیے کوئی خوبصورت جملہ ہو گا یا کتاب کے درمیانی صفحوں میں تتلی کے پر ملیں گے یا پھول کی پتیاں۔ کتاب بھیجنے والے نے بڑی محبت سے چھپا کر بھیجی ہوں گی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔ رات کے آخری [illegible] اس کتاب کی ورق گردانی میں مشغول رہی۔ اس کی آنکھ کب لگی اور ادھ کھلے صفحوں والی وہ کتاب اس کے سینے پر سو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بارہویں صبح۔ بارہ گلاب۔ [illegible] محبت کے پیامبر نرما نے [illegible] ارما کی گود میں رکھ دیے۔ نرما کی طرح اسے ان پھولوں کا انتظار نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی اس کی باتوں میں پھولوں کی آمد پر انتہا خوشی کا احساس ہوتا۔ اسے تو اس بات کی خوشی تھی کہ اس کی آپی کی زندگی میں کوئی ایسا آگیا ہے جس نے اسے پھولوں اور خوشبو سے دوبارہ روشناس کرا دیا ہے۔ نرما نے بھی اسے اصل بات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ وہ کسی روز یکدم اسے شرجیل کے بارے میں بتا کر شاد کر دینا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا جلد ہی شرجیل کسی روز زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ لیے اس کے دروازے پر کھڑا ہو گا۔

نرما کا یہ خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔ اسی شام سفید سوٹ میں ملبوس شرجیل رنگ برنگے پھول لیے اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔

"میں نے گنے نہیں گلدستے میں آج کتنے پھول ہیں، میرا خیال ہے تیرہ ہوں گے۔" نرما نے ارما کے ہاتھوں میں گلدستہ پکڑاتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

"آپی! آج وہ جو کہے مان لینا۔" ارما نے اتنی دھیمی آواز میں کہا جسے نرما نے بھی بمشکل سنا۔

نرما ارما کی بات کو پلو سے باندھ کر ڈرائنگ روم میں شرجیل کے سامنے بیٹھ گئی۔

"مجھے پہلی نظر میں وہ پسند آگئی تھی۔" شرجیل نے بہت دیر چپ رہنے کے بعد سناٹے کا سینہ چیرا۔ نرما اس [illegible] گئی۔

"[illegible] مجھے احساس ہے مگر میں اسے خوش رکھوں گا۔" شرجیل نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"کسے؟" نرما کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بند کرلیا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے ٹیرس میں بیٹھنے والی لڑکی کا نام بھی معلوم نہیں۔" شرجیل نے اعتراف کیا۔

نرما کو لگا اس کی سماعت اسے دھوکا دے رہی ہے۔ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں مگر اسے وہ سب سننا تھا جو شرجیل آج بول رہا تھا۔ شرجیل نے دور سے ارما کو دیکھا تھا اور وہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ ارما کو پالینے کی خواہش کئی روز اپنے دل میں رکھنے کے بعد آج وہ اظہار کے لیے آگیا تھا۔

ڈوبتی نبض اور ڈولتے قدموں کے ساتھ جا کر نرما اپنے کپڑوں کی الماری میں رکھی ہوئی کتاب نکال لائی۔ گیارہ پھولوں کے ساتھ ملنے والی کتاب اس نے شرجیل کو تھما دی۔

"ارما کتابیں نہیں پڑھتی۔" نرما کے کھوکھلے لہجے، ٹوٹے لفظوں کو شرجیل نے حیرانی سے سنا۔

"یہ کتاب؟"

"میں نے کہا ناں اندھی لڑکی کتابیں نہیں پڑھتی۔" نرما نے روندھے ہوئے لہجے میں شرجیل کو بتایا۔ شرجیل بھی ایک پل کے لیے ساکت رہ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ روزانہ ٹیرس میں کرسی پر بیٹھنے والی لڑکی بینائی سے محروم ہے۔ اسی محرومی نے اسے دنیا کی نظروں میں بے وقعت کردیا ہے۔ وہ ہر وقت کھوئی کھوئی "انجانی انجانی" رہتی ہے۔ زندگی میں اس کے لیے کوئی رونق کوئی رنگ نہیں ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ تھامنے کو تیار نہیں۔

"ارما کو سرخ اور زرد رنگ کے پھولوں میں فرق

معلوم نہیں' اپنی کتاب واپس لے جائیں۔" بھیگی آنکھوں والی نے شرجیل کو بتایا۔

شرجیل رکا نہیں چلا گیا مگر جاتے جاتے نزا کو بھول بھلیوں میں چھوڑ گیا۔

"مجھے ہر صورت میں ارما پسند اور قبول ہے۔ ٹوکری میں پھول میں نے کبھی نہیں رکھے' نہ یہ کتاب میری ہے۔" اس نے جاتے ہوئے بڑے تحمل سے کہا تھا۔

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ نزا سے اٹھا نہیں گیا۔ وہ صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کی اپنی سنائی ہوئی کہانی ایک عجیب موڑ پر آگئی تھی۔ وہ ارما کو کیا بتاتی گئی؟ ٹوکری میں پھول رکھنے والا شرجیل نہیں تھا تو پھر کون ہے؟ کیا شرجیل اس سے جھوٹ بول رہا تھا؟ وہ ارما کے لیے پھول چھوڑ جاتا تھا؟ کسی سوال کا جواب نزا کے پاس نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

چودہویں صبح۔ چودہ گلاب۔ ٹوکری میں نہیں تھے۔ نزا اس دن دیر سے جاگی' وہ دیر کے لیے نہیں گئی۔ پلاسٹک کی ٹوکری میں پژمردہ مصنوعی پھولوں کو اس نے مردہ دلی سے دیکھا۔ شاید پھول بھی اس کی طرح افسردہ تھے۔

شرجیل کے کمرے کی کھڑکی بند تھی۔ وہ ٹیرس پر بھی دکھائی نہیں دیا۔ نزا تھکا ماندہ وجود لیے ٹیرس میں پڑی کرسی پر ڈھیر ہوگئی۔ بہت دیر بعد ارما کمرے سے نکل کر اس کے پاس آئی۔

"آج پھول نہیں آئے آپی؟" ارما کے لہجے میں ایسی آس تھی جس نے نزا کو کاٹ کے رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا ارما کو پھولوں اور پھول بھیجنے والے سے کوئی دلچسپی نہیں مگر اس کے لہجے کی آس۔

نزا کی چپ ہی ارما کے سوال کا جواب تھی۔ وہ بھی چپ ہوگئی۔ نزا کو لگا ارما کی پیشانی کے ساتھ نزا کی آنکھوں کا نور بھی ختم ہوگیا ہے۔

"آج وہ جو کہے مان لیتا آپی!" گزشتہ [illegible] نزا کے کانوں میں گونجی اور نزا جیسے طویل خواب سے جاگ اٹھی۔

"میں نے تو زندگی کے کچھ رنگ دیکھ لیے ہیں' ارما کو کس بات کی سزا دے رہی ہوں۔" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ ایک سوچ نے ایک پل میں اسے ایک بڑے فیصلے کا حوصلہ دے دیا۔ ارما کی زندگی میں بہار آنے والی تھی۔ اور وہ اس کا راستہ نہ روکنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ قطع نظر اس بات کے کہ شرجیل' ارما سے تقریباً "بیس سال بڑا تھا۔ وہ ارما سے محبت کرتا تھا اور یہ جواز کافی تھا۔ نزا نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ شرجیل کی خواہش رد نہیں کرے گی اور ارما کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے گی۔

"کاش تم دیکھ سکتی۔ اس کی آنکھوں میں تمہارا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔" نزا نے ارما کی پیشانی چومتے ہوئے محبت سے کہا۔ ارما کو حیران چھوڑ کر وہ مطمئن دل کے ساتھ آفس جانے کے لیے بس اسٹاپ پر آئی تو شرجیل بھی آفس وین کے انتظار میں وہاں کھڑا تھا۔ نزا کو ایک نظر دیکھ کر وہ کلائی پر موجود گھڑی کی سوئیاں دیکھنے لگا جیسے نزا کا سامنا کرنے سے گریزاں ہو۔ بااعتماد قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی نزا اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"میں ارما کو بتادوں کہ آج شام ہم اس کے ساتھ کھانا اکٹھے کھائیں گے؟" اس نے انتہائی [illegible] لہجے میں سرگوشی کی۔ شرجیل نے چونک کے [illegible] پھر اس کے چہرے پر خوشی کے [illegible] چلے گئے۔ [illegible] نزا ہی [illegible] کی خواہش مند تھی۔ شرجیل [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں [illegible] آفس وین کی طرف قدم بڑھا [illegible] عرفان کے سامنے آرکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"[illegible]۔" چند ہی لمحے بعد ایک بائیک نزا کے سامنے رکی۔ نزا نے حیرت سے عرفان کو دیکھا جو اسے بائیک پر بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔

"میں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی! آپ۔" عرفان نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں ایسا اعتماد تھا کہ نزا کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی اسے بائیک پر بیٹھنے پر مجبور کردیتا۔ نزا پچھلی سیٹ پر سمٹ کر بیٹھ گئی یہ سوچے بغیر کہ عرفان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں اور بس اسٹاپ پر موجود بہت سی نظریں انہیں معنی خیز انداز میں دیکھ رہی ہیں اور [illegible] میں پچیس سال کے اس لڑکے کے پیچھے بائیک پر بیٹھ جانے کا مطلب کیا ہے۔ جو محض اس سے کرایہ وصول کرنے ہر مہینے اس کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور جس کی ذمہ داری بلڈنگ کی دیکھ بھال اور مکینوں سے حساب کتاب کی [illegible] الجھا ہوا لڑکا تھا۔ کم گو۔

"میں یوں کبھی [illegible] کے ساتھ بائیک پر نہیں بیٹھی۔" [illegible] بائیک چلانے والے سے کہا۔

"میں نے بھی یوں کبھی کسی کو بائیک پر نہیں بٹھایا۔" بائیک چلانے والے نے اسی کے انداز میں جواب دیا اور سوال کرنے والی سے منزل کا پتہ [illegible] اپنی مرضی سے ایک راستہ منتخب کرلیا۔

"آج میں ایک کپ کافی آپ کے ساتھ پینا چاہتا ہوں۔" ریستوران کی پارکنگ میں بائیک روکتے ہوئے عرفان نے کہا۔ نزا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عمر میں اس سے کم از کم دس سال چھوٹا لڑکا اسے بائیک پر بٹھا کر ریستوران میں کافی پلانے لایا تھا۔

"وہ کیوں؟" اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ اس کے پیچھے آرہی ہے یا نہیں۔ بااعتماد مردوں کی طرح وہ سینہ تانے ریستوران کے دروازے سے داخل ہوگیا۔ الجھی کھڑی نزا وہیں سے اس کی پشت پر نظریں جمائیں رہی اور پھر نجانے کس جذبے نے اس کے قدموں کو روانی دے دی۔

"گلاب کے وہ پھول روزانہ میں رکھ جاتا ہوں۔" نزا کے سامنے بیٹھے کافی کے کپ پر انگلی پھیرتے ہوئے عرفان نے اعتراف کیا۔ ایسا اعتراف جس نے نزا کو نڈھال کیا یا نہال۔ وہ جان نہیں پائی۔

"تم؟" وہ ششدر تھی۔

"ہاں! [illegible] تھی۔" کم عمر لڑکا اسے حیران کیے جارہا تھا۔

"[illegible]" رکتے ہوئے لفظوں میں نزا نے [illegible] عرفان نے اسے بے حد الجھا دیا تھا۔ وہ ارما کا ہم عمر تھا اور نزا کو گمان گزرا وہ ارما کی محبت میں مبتلا تھا۔ یوں تھا تو یہ بہت بڑا شاک تھا۔ شرجیل بھی ارما کو پسند کرتا تھا اور عمر کے تفاوت کے باوجود نزا اسے ارما کے لیے قبول کرچکی تھی۔

"نہیں۔ نزا کے لیے!" عرفان نے پوری سچائی سے نزا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

کافی کا کپ نزا کے ہاتھوں میں لرزا اور اس کا اپنا سارا وجود بھی لرز گیا۔ کہانی کس موڑ پر آگئی تھی۔ اس نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ عرفان اس سے عمر میں کئی سال چھوٹا تھا۔ نزا نے کبھی اس نظر سے اسے دیکھا نہ اس کے بارے میں کبھی ایسا خیال اس کے دل کو چھو کر گزرا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے محبت اندھی ہوتی ہے' عمر کا فرق دیکھ نہیں سکتی۔" پچیس سالہ لڑکے نے چھتیس سالہ لڑکی کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا اور گجرے بیچنے والے کی شرارتی نظروں کی پروا کیے بغیر لڑکی کی دونوں کلائیوں میں گجرے پہنادیے۔ اسے مزید ایک لفظ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نزا کے دل نے گواہی دے دی تھی کہ وہ سچا ہے اور اس کی محبت میں وہ سچائی ہے جو لفظوں کی محتاج نہیں۔ اور عرفان کو بھی یہ علم نہ تھا کہ دونوں کلائیوں سے لپٹے ہوئے پھول پورے چودہ تھے۔



فرحت اشتیاق

جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو

وہاں اندھیرا بہت تھا۔ بہت ہیبت ناک سناٹا تھا۔ اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ وہ وہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہ بھاگنے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ ہاتھ پاؤں ہلا نہیں پا رہا تھا۔ وہ مدد کے لیے چلا رہا تھا۔ کوئی تو آ جائے اس کی مدد کے لیے۔ کوئی تو۔ کوئی تو آ کر اسے اس اندھیرے سے نکال دے۔ وہ رو پڑا۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ وہ چلا چلا کر رو رہا تھا مگر اس ہیبت ناک سناٹے میں اس کی آواز سننے والا کوئی بھی نہ تھا۔ اسے اندھیرے سے روشنی میں لے جانے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے رونے کی آواز میں کسی کے قہقہے کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

یہ کون تھا؟ کون اس کی بے بسی پر ہنس رہا تھا؟ بے چینی سے کروٹ بدلتے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اس کے پورے جسم پہ ایک لرزش سی طاری تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد چاروں طرف نگاہیں گھمائیں۔ اسے اندھیرا دکھائی دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ روشن کیا۔ لیمپ روشن کرتے ہوئے اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ لیمپ نے کمرے میں پھیلے اندھیرے کو کم کر دیا تھا مگر اسے یہ روشنی ناکافی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اس اندھیرے اس سناٹے اور اس خاموشی سے وحشت ہو رہی

مکمل ناول



تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھا۔ اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔ اس نے سوئچ بورڈ کے پاس آکر کمرے کی تمام لائٹس آن کردی تھیں۔ یہاں تک کہ چھت پر لٹکتا فانوس بھی۔ ایک پل میں کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔ روشنی ہوجانے کے بعد اس کی وحشت تو ختم ہوگئی تھی مگر گھٹن کا احساس ابھی بھی تھا۔ وہ کمرے کے دوسری طرف کھڑکیوں کے پاس آیا۔ اس نے ایک ایک کرکے کمرے کی تمام کھڑکیاں کھول دی تھیں۔ پھر وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اپنے روم کی بالکونی میں آگیا۔ وہ بہت گہری گہری سانسیں لے رہا تھا خود کو پرسکون اور نارمل کرنے کے لیے۔

اسے یاد آچکا تھا کہ وہ کسی اندھیری اور ہیبت ناک جگہ نہیں بلکہ یورپ کے ایک خوب صورت ملک میں ہے۔ وہ اٹلی میں ہے۔ وہ اس وقت روم کے ایک خوب صورت اور شان دار ہوٹل کے پرآسائش کمرے میں ہے۔ وہ ریلنگ پر بازو جما کر کھڑا ہوگیا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا' اس لیے سامنے نظر آتی سڑک پر اکا دکا گاڑیاں گزرتی نظر آرہی تھیں۔ اس کا دل ابھی تک گھبرا رہا تھا۔

آخر یہ خواب اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟

برس ہا برس ہوئے اس نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا تھا۔ اسے سونے سے خوف آیا کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا ادھر وہ سوئے گا' ادھر کچھ نہ کچھ برا ہو جائے گا۔ نیند سے فرار کی یہ کوششیں اتنی کامیاب ثابت ہوئی تھیں کہ اب جب وہ خود کو ایک مضبوط اور توانا مرد سمجھتا تھا' یہ سمجھتا تھا کہ اسے کسی بھی چیز سے ڈر نہیں لگتا' وہ رات کو پرسکون نیند سونا چاہتا تھا' تب اسے نیند لاکھ کوشش کرنے پر بھی نہیں آتی تھی۔ وہ insomnia (بے خوابی) کا مریض ہوگیا تھا۔ وہ پوری پوری رات نیند کے آجانے کی کوششیں کرتے گزار دیا کرتا تھا۔ جب اس کیفیت کو بہت راتیں گزر جاتیں، نیند نہ ہونے کی وجہ سے دن کے اوقات میں معمولات زندگی متاثر ہونے لگتے تو وہ ڈاکٹر [illegible] گولیاں لے لیا کرتا تھا۔ ان گولیوں کے ساتھ نیند آجاتی تھی۔ مگر یہ نیند اپنے ساتھ بہت سے ڈراؤنے خواب بھی لے کر آتی تھی۔ غلط سوچتا تھا وہ کہ وہ خوابوں سے نہیں ڈرتا۔ وہ تو ان خوابوں سے آج بھی اتنا ہی ڈرتا ہے جتنا بارہ سال پہلے ڈرتا تھا۔

چند منٹ گہری گہری سانسیں لینے کے بعد گھٹن کا احساس ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بدن کی لرزش بھی بتدریج کم ہوتی جارہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آگیا۔ اس نے کھڑکیاں اور بالکونی کا دروازہ اسی طرح کھلے رہنے دیے تھے۔ وہ ٹی وی آن کرکے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اسے اپنے گرد آوازیں چاہیے تھیں۔ وہ ایک کے بعد ایک چینل تبدیل کررہا تھا۔ اٹالین میں آتے یہ پروگرام اسے قطعاً سمجھ میں نہیں آرہے تھے مگر وہ پھر بھی انہیں سننا چاہتا تھا۔ اب اپنے اندر کی وحشت اور سناٹا مٹانے کو باقی رات اس نے یہی کام کرنا تھا۔ زندگی کی بے شمار راتوں کی طرح یہ رات بھی جاگ کر صبح کا انتظار کرتے ہوئے گزارنی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ ایک نارمل انسان کی طرح آفس روانگی کے لیے تیار تھا۔ یوں جیسے رات کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ [illegible] تراش خراش والے سوٹ میں ملبوس ہوئے [illegible] اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو ایک [illegible] اس کے لبوں پر آگئی۔ اس کی یہ تیاری [illegible] سکتا ہے کہ وہ [illegible] ہوئے اور سارے [illegible] میں مبتلا ایک انسان ہے۔ وہ [illegible] ہے۔ یہ سوٹ یہ ٹائی [illegible] یہ بال یہ ٹائی پن یہ کف لنکس اور [illegible] دیکھ کر کون سوچے گا کہ وہ [illegible] self destructive (خود [illegible]) suicidal temperament (خود [illegible]) رکھتا ہے۔ خود پر سے نفرت اور حقارت کی نگاہیں ہٹاتا وہ شیشے کے سامنے سے ہٹا۔ اس نے اپنا بلیک لیدر بریف کیس لیا۔ لیپ ٹاپ بیگ میں لیپ ٹاپ رکھا۔ وہ اپنے ہوٹل روم سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کا ہوٹل via vittorio veneto سے کچھ ہی فاصلے پر تھا جبکہ اس کا آفس via barberini پر تھا۔ گویا آفس اور اس کے ہوٹل کے بیچ میٹرو کے بس ایک ہی اسٹاپ کا فاصلہ تھا۔ مگر کل جب وہ ہوٹل سے آفس پہلے دن گیا اور آفس کی گاڑی نے اسے پک کیا تب محض ایک اسٹاپ کا یہ فاصلہ طے کرنے میں اسے سوا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ دنیا کے تمام بڑے شہروں کی طرح ٹریفک جام روم کا بھی مسئلہ تھا۔ تب کل ہی اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ آئندہ وہ میٹرو میں جایا آیا کرے گا۔ اس کے لیے [illegible] کا مسئلہ نہیں تھا۔ روم کا انڈر گراؤنڈ [illegible] لندن اور پیرس جتنا مربوط تو نہ تھا [illegible] سے بدرجہا بہتر تھا۔ [illegible] گاڑی اور ڈرائیور [illegible] اس نے پہلے دن ہی تحریاً [illegible] کہہ دیا تھا۔

میٹرو [illegible] کا حصہ [illegible] بھی ٹرین میں سوار ہو گیا تھا۔ وہ [illegible] کھڑے اور بیٹھے ہوئے رومن [illegible] اور عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے بیشتر کو [illegible] پہنچنے کی جلدی تھی۔ مگر اس جلدی اور [illegible] والے انداز کے باوجود بھی ان میں سے کوئی ایک بھی اسے ایسا نظر نہیں آرہا تھا جو خوش لباس نہ ہوتا۔ فیشن اور اسٹائل رومنوں کے لیے ایک بہت سنجیدہ بات ہے۔ عورتوں کے لباس' ان کا میک اپ' ہینڈ بیگز' سینڈلز' مردوں کے سوٹس' ٹائیاں' جوتے' بریف کیس ہر چیز فیشن کے عین مطابق تھا' بے حد اسٹائلش تھا۔ ٹھیک ہی کہا جاتا تھا کہ رومنز بڑے classy اور اسٹائلش لوگ ہوتے ہیں۔ اسے اگلے ہی اسٹیشن پر اترنا تھا۔ اور اس کا اسٹیشن فوراً ہی آگیا تھا۔ via barberini پر میٹرو اسٹیشن سے بہت نزدیک ہی اس کا آفس تھا۔

یہ [illegible] میں اپنا ہیڈ آفس رکھتی ملٹی نیشنل کمپنی کا جنوبی یورپ میں واقع ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہ آفس آگیا تھا۔ وہ جن کاموں کی انجام دہی کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا ان میں مصروف ہو گیا تھا۔ آفس میں جن لوگوں سے اس کا واسطہ پڑ رہا تھا ان سے کل اور آج بھی ہائے ہیلو کے بعد کام کی حد تک اور صرف پروفیشنل نوعیت کی گفتگو ہوئی تھی۔ کام کی بات مکمل پیشہ ورانہ انداز میں۔

☼ ☼ ☼

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اسے یہاں سے جاکر کرنا بھی کیا تھا۔ اپنے ہوٹل روم میں بند ہو جانا تھا یا شاید روم کی گلیوں کوچوں میں تنہا پھرنا تھا اور اس میں سے کوئی بھی چیز اس کے لیے ایسی کشش نہ رکھتی تھی کہ وہ آفس سے جلدی اٹھنے کی خواہش رکھتا۔ مگر چونکہ آفس ٹائم ختم ہوچکا تھا ایک ایک کرکے سارا آفس خالی ہو رہا تھا سو وہ بھی آفس سے نکل آیا تھا۔

اسے راستے کا دودن میں کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا اور اس کی جیب میں روم کا بڑا جامع نقشہ بھی موجود تھا گویا راستہ بھٹکنے کا امکان نہ تھا چنانچہ بجائے میٹرو اسٹیشن کی طرف جانے کے اس نے پیدل اپنے ہوٹل تک جانے کا فیصلہ کیا۔

یہ جون کا مہینہ تھا اور روم میں موسم خاصا خوش گوار تھا۔ سورج آج کل قریباً پونے نو بجے غروب ہوا کرتا تھا سو ان دنوں یہاں شامیں بڑی لمبی تھیں۔ وہ via veneto سے via barberini کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے اردگرد قدیم عمارتیں تھیں فوارے تھے۔ مگر اسے روم کی ہسٹری میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ابھی بھی اس خواب کے حصار میں تھا۔ اب اگلے کئی روز اسے اس خواب کے حصار ہی میں رہنا تھا۔ اور اگلے کئی دن خوف کے سبب سونا نہیں تھا۔

اس نے آج صبح نہ تو ناشتا کیا تھا نہ ہی دوپہر میں لنچ۔ آفس میں خالی پیٹ کافی کے تین کپ ضرور پیے تھے۔ اسے سڑک کے کنارے ایک pizzeria نظر آیا تب اسے اپنے آج تمام دن کچھ بھی نہ کھانے کا احساس ہوا۔ وہ یہاں سے پزا کھاتا ہوا چلا جائے پھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہو کر رات گئے تک اپنا آفس کا کام کرتا رہے گا اس نے دل ہی دل میں طے کیا۔ ابھی چونکہ ڈنر ٹائم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس چھوٹے پزیریا میں اسے میزوں پر دو چار لوگ ہی بیٹھے نظر آئے۔ وہ اپنا پزا آرڈر کرنے کاؤنٹر پر آگیا تھا۔ مگر اٹالین سیکھے بغیر اپنے لیے کچھ آرڈر کرنا اس قدر مشکل کام ہے اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔

پزا آرڈر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کو تقریباً دس منٹ گزر گئے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے درمیانی عمر کے اٹالین مرد اور عورت انگریزی سے قطعاً ناواقف تھے۔ وہ دونوں مرد و عورت خوش اخلاقی سے مسکرا مسکرا کر اس کے انگریزی لفظوں [illegible] میں مختلف اشیا اٹھا اٹھا کر اسے دکھا رہے تھے۔ اچھا وہ اپنے پزا کی یہ topping چاہتا ہے فلاں طرح کے مشرومز کا اضافہ چاہتا ہے pomodoro چاہتا ہے۔ نجانے وہ اسے کیا کیا اٹھا اٹھا کر دکھا رہے تھے۔ ساتھ ان اشیا کے نجانے کیا کیا اٹالین نام لے رہے تھے۔ وہ دونوں تحمل سے اسے وقت دے رہے تھے۔

وہ اس بے کار کی مشقت سے بیزار ہو گیا تھا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے ہوٹل جا کر کھانا کھائے۔ جہاں انگریزی سمجھی بھی جاتی ہے اور بولی بھی جاتی ہے۔ قریب تھا کہ وہ انگریزی ہی میں ان دونوں کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے پلٹ جاتا کہ اچانک ہی بالکل پیچھے والی میز سے اٹھ کر ایک اٹالین لڑکی اس کے پاس آگئی۔

"may I help you" (میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں) وہ بڑی شستہ انگریزی میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ اتنا وقت یہاں کھڑے ہو کر برباد کر چکا تھا تو اب یہاں سے کھانا کھا کر ہی جانا چاہیے۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔

وہ ابھی اس لڑکی کو انگریزی میں یہ سمجھانا ہی چاہتا تھا کہ وہ کس طرح کا پزا آرڈر کرنا چاہتا ہے کہ وہ بڑی روانی سے گٹ پٹ کرتی سامنے کھڑے مرد و [illegible] سے اٹالین میں چند جملے بولی۔ جملے اگر [illegible] بھی بولے گئے ہوتے تب بھی اس [illegible] سے گزرتے تھے۔ کاؤنٹر کے [illegible] "si" کہتی مسکراتے ہوئے [illegible] لگی تھی جبکہ مرد اس اٹالین [illegible] اٹالین ہی میں کچھ بات کرنے لگا تھا۔ وہ [illegible] باتیں کرتے ان دو افراد کو خاموشی [illegible] مرد نے [illegible] مسکرا کر اپنی طرف [illegible] اندازہ اسے ہو رہا تھا کہ گفتگو اسی کی بابت ہو رہی ہے۔

[illegible] آپ سے معذرت کر رہے ہیں کہ آپ کو زحمت ہوئی۔"

لڑکی اب اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ گویا اٹالین جملوں کا انگریزی ترجمہ و خلاصہ بیان کیا گیا تھا۔

"میں نے آپ کا پزا آرڈر کر دیا ہے۔ اصل میں میں اس ٹیبل پر بیٹھی تھی اور آپ کی ساری بات سن رہی تھی۔"

اس نے کاؤنٹر کے قریب ترین میز کی جانب اشارہ کیا تھا۔ اس نے نظریں گھما کر اس میز کی طرف دیکھا۔ وہاں اس لڑکی کا چند لقمے کھایا پزا اور کولڈ ڈرنک کا آدھا گلاس رکھا ہوا تھا۔

"تھینکس۔" اس نے پر تکلف انداز میں [illegible] سی مسکراہٹ کے ساتھ مختصر سا شکریہ ادا کیا۔

"آپ کے پزا میں کسی بھی طرح [illegible] نہیں ہونا چاہیے۔ میٹ اسٹاک بھی [illegible] اور وائن بھی نہیں ہونی چاہیے [illegible] سادہ مشروم اور سبزی والا پزا چاہیے [illegible] مسکرا کر اس سے بولی۔

"تھینکس [illegible]" اس بار اس نے یہ الفاظ سنجیدگی [illegible]

"[illegible]" وہ خوش اخلاقی سے مسکرائی۔

"آپ بل پے کر دیجیے پزا تیار ہو رہا ہے۔ دس سے پندرہ منٹ لگیں گے۔ تب تک آپ بیٹھ جائیں۔" وہ بل پے کرنے کے بعد اپنے لیے کوئی اور سیٹ منتخب کرنے کے ارادے سے مڑا تھا۔ وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ کاؤنٹر سے ہٹی تھی مگر پیچھے ہی کاؤنٹر سے ہٹ کر وہ اس لڑکی کی میز کے قریب پہنچ کر اس سے بولی۔

"آپ یہیں بیٹھیے۔" اس نے بالکل ابھی ابھی اس کی مدد کی تھی۔ وہ فوراً "بد اخلاقی دکھا کر بیٹھنے سے منع نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں دل میں اسے یہ پیش کش اور بے تکلفی گراں گزری تھی۔ بہر حال وہ مجبوراً" اور مروتاً" اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا" بے حد پر تکلف انداز میں۔

"نیکسٹ ٹائم آپ کو اپنے لیے کچھ آرڈر کرنا ہو یا کہیں سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے رہے ہوں اور ان کے اجزا دیکھنا چاہیں تو پورک کے لیے strutto کا لفظ یاد رکھیے اور وائن کے لیے vino کا۔ اور آپ کو یہ دونوں چیزیں اپنے کھانے میں نہیں چاہئیں اس کے لیے senza کا لفظ استعمال کیجیے گا۔ یعنی آپ کہیں گے "senza strutto vino"۔"

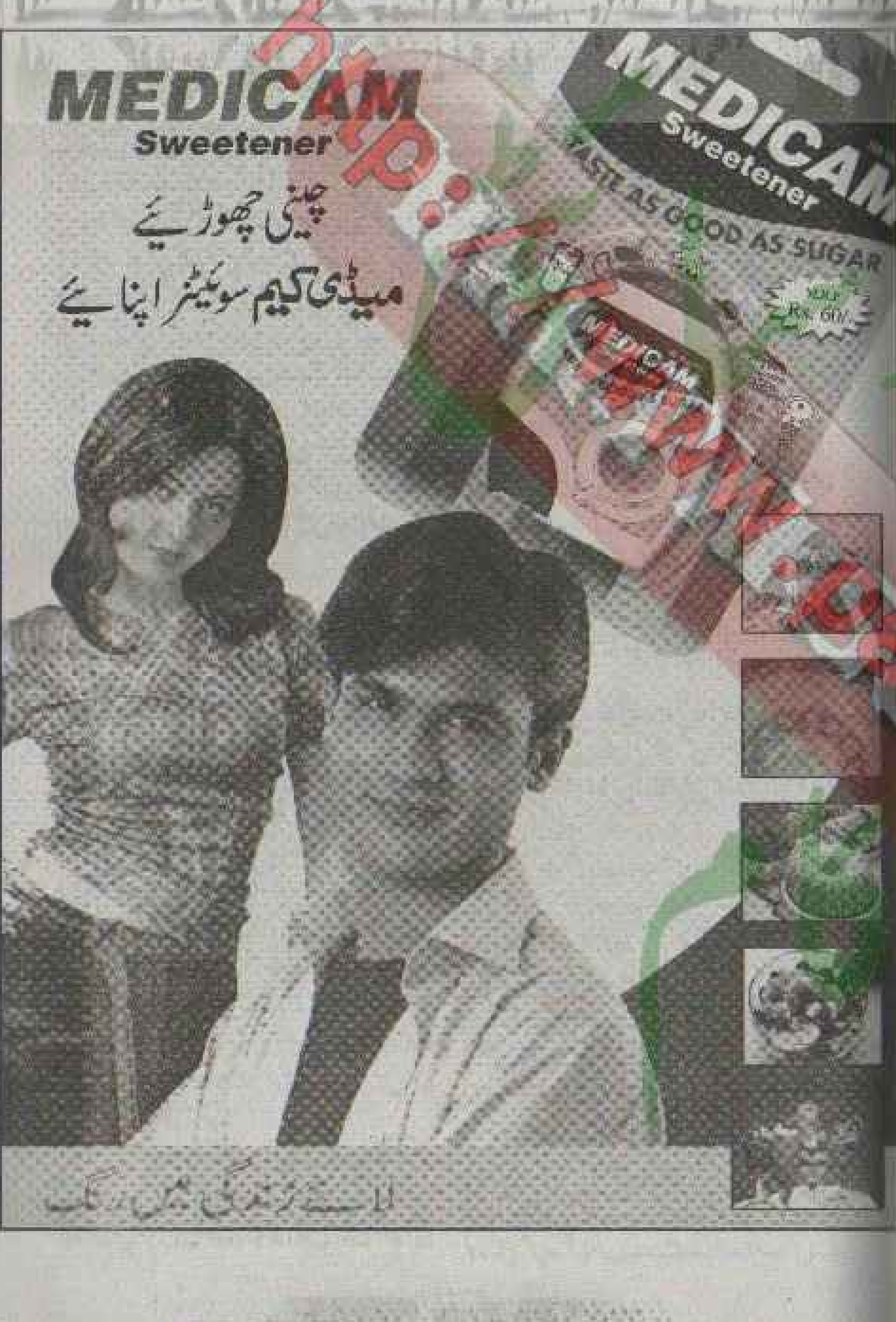
مسکرا کر [illegible] تھی بتا رہا "ایسے بلاوجہ اور بات بے بات مسکرانے کی عادت تھی۔ اسے زبردستی کی [illegible] ہو رہی تھی۔ اس وقت اس کا کسی سے بھی خوش اخلاقی دکھانے اور گفتگو کرنے کا موڈ نہ تھا مگر اس سے مدد لینے کی حماقت کر بیٹھا تھا۔ اس کا خمیازہ تو بھگتنا ہی تھا۔ اس نے سنجیدگی سے صرف اس کی بات سنی تھی۔ جواب میں کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ مگر اس باتونی لڑکی کو اس کے کچھ بولنے یا نہ بولنے سے یقیناً" کچھ فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے اسے مزید بتا رہی تھی۔

"اٹالین زیادہ مشکل زبان نہیں ہے۔ اٹالین کے بہت سے لفظ تو آپ یقیناً" پہلے ہی سے جانتے ہیں۔ pasta' gelato' espresso' papuccino-"

pizza cafe' solo' paparazzi

وہ اپنی آنکھوں پر لگے اسٹائلش گلاسز کو ہاتھوں سے سیٹ کرتے ہوئے بولی۔ وہ چھبیس ستائیس سال کی ایک خوش شکل لڑکی تھی۔ اس نے بلیک کلر کی کیپری پینٹ ریڈ کلر کے اسٹائلش ٹاپ کے ساتھ پہن رکھی تھیں۔ اس کے سلکی بال سرخی مائل براؤن کلر کے تھے اور اس نے ان کی اونچی کرکے پونی بنا رکھی تھی۔ لبوں پر سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگی تھی۔ اس کے خوب صورتی سے تراشے ناخنوں پر سرخ رنگ کی نیل پالش لگی ہوئی تھی۔ اس کے بلیک فریم والے اسٹائلش اور فیشن کے مطابق گلاسز دیکھ کر ہی پتا چل رہا تھا کہ وہ ڈیزائنر گلاسز ہیں۔ شاید ارمانی کے یا اسی کلر کے کسی اور ڈیزائنر کے۔ دیگر تمام اٹالینز کی طرح فیشن اور اسٹائل یقیناً" اس کے لیے بھی بے حد اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے انداز شاہانہ تھے اور اس کی شخصیت میں ایک وقار تھا۔ جب وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھی اس سے گفتگو کر رہی تھی تو بغیر کسی دلچسپی کے ہی سہی پر وہ اسے دیکھ تو رہا تھا۔

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا مرد ان کی میز پر آکر اس کا پزا سرو



کررہا تھا۔ وہ بھی مسکرا کر اس سے بولی تھی۔

"Grazie signore alberto"

البرٹو مسکراتا ہوا وہاں سے پلٹ گیا تھا۔ "Grazie" شکریہ کو کہتے ہیں یہ تو پتا ہو گا ناں آپ کو؟"

"جی۔" اس کے طویل جملوں کے جواب میں اس کے جملے ایک یا دو الفاظ سے زیادہ طویل نہیں تھے۔

"البرٹو اور سلویا میاں بیوی ہیں۔ اور میں چھوٹی سی تھی ناں جب سے یہ دونوں یہ پزیریا چلا رہے ہیں۔" جن معلومات کے حصول میں اسے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ اسے وہ فراہم کر رہی تھی۔

اس گلے پڑی مصیبت سے پیچھا چھڑانے کا واحد طریقہ اسے یہ سمجھ میں آیا کہ اپنا پزا کھانا شروع کردے۔ کھانا ختم کرتے ہی وہ اس سے معذرت کر کے یہاں سے اٹھ جائے گا۔ سکندر کو کھانا شروع کرتے دیکھ کر اس نے بھی اپنا ٹھنڈا ہو چکا پزا کھانا شروع کر دیا تھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا کہ پزا کھانے پزیریا آئے ہیں۔ آپ کو صحیح معنوں میں اٹالین پزا کا جو مزا ان چھوٹے چھوٹے پزیریا میں ملے گا وہ بڑے ہوٹلوں میں نہیں مل سکتا۔ رومن پزا کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا کرسٹ (crust) بڑا پتلا ہوتا ہے۔ اور اٹالین پنیر کا جو مزا آپ کو اس میں ملے گا وہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔ اٹلی سے باہر دیگر بیشتر ممالک میں جو پزا لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں وہ عموماً پزا کا امریکن ورژن ہوتا ہے۔ ان بے چاروں نے کبھی اصلی اٹالین پزا کا مزا ہی نہیں چکھا ہوتا اس لیے وہ اسی پر خوش ہو جاتے ہیں۔"

وہ اس طویل گفتگو میں دلچسپی رکھتا بھی ہے یا نہیں، اسے پزا کے اٹالین اور امریکن فرق معلوم کرنے میں کوئی دلچسپی ہے بھی یا نہیں اس سے بے نیاز وہ کھاتے ہوئے مسلسل بولنے میں مگن تھی۔ اس کی انگریزی بڑی رواں اور شستہ تھی۔ اس کا لب و لہجہ ... مگر پھر بھی اس کی انگریزی میں کہیں کہیں اٹالین لہجے کی ہلکی سی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پزا کھاتے ہوئے کچھ سوچ کر مسکرائی تھی۔

"اتنی دیر سے آپ کے ساتھ بیٹھی ہوں اور میں نے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا۔" وہ جواباً خاموش رہا۔ پزا کا نوالہ لیتے ہوئے اس نے محض خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں لیزا ہوں۔" وہ اب اس کی طرف ان نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ وہ بھی اپنا تعارف کروائے۔

"سکندر۔"

"ٹورسٹ (سیاح) ہیں؟ روم گھومنے آئے ہیں؟"

"نہیں آفیشل کام سے۔"

اب قبل اس کے کہ اس کا مزید تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی یہ گفت و شنید جس میں اسے رتی برابر بھی دلچسپی نہ تھی مزید ذاتیات کی طرف جاتی، وہ اپنے پزا کا آخری لقمہ کھا کر چھری اور کانٹا میز پر رکھتے ہوئے اس سے بولا۔

"آپ کا بہت شکریہ لیزا! آپ نے میری مدد کی۔ اب میں چلتا ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے زبردستی چہرے پر مروت اور شائستگی کی مسکراہٹ سجائی ——— وہ جواباً خوش دلی سے مسکرائی تھی۔ اس نے چھری اور کانٹا پلیٹ پر رکھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا

"چاؤ (ciao) سکندر۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" سکندر نے اس کا بڑھا ہاتھ مصافحے کے لیے تھام لیا تھا۔

"چاؤ لیزا۔" اس نے بھی اٹالین ہی کے انداز میں اسے خدا حافظ کہا۔ چہرے پر خوش اخلاقی والی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ اب ہوٹل کی طرف جانے والے راستے پر رواں تھا۔ وہ ہوٹل سے بنی کئی سو سال قدیم اسٹریٹ سے گزر رہا تھا۔ اردگرد کئی کئی سو سال پرانی عمارتیں تھیں۔ اس سڑک پر بھی ایک فوارہ تھا۔ ایسا لگتا تھا روم کی ہر سڑک ہر گلی میں ایک فوارہ تھا۔ کئی جگہ یہ محض خوب صورتی کے لیے تھے اور کئی جگہ پانی پینے کے لیے۔

سولہویں اور سترہویں صدی میں بنائے گئے یہ فوارے تب اس زمانے میں لوگوں کی پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

بغیر راستہ بھٹکے وہ اپنے ہوٹل تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہوٹل کی بلڈنگ بھی سولہویں صدی میں کسی رومن بادشاہ کے لیے بنایا گیا ایک محل تھی جسے بعد میں نئے سرے سے تعمیر کرکے اس ہوٹل کی شکل دی گئی تھی۔ ہوٹل میں تمام تر جدتیں اور جدید ترین سہولیات موجود تھیں مگر اس طرح کہ اس کی اصل شکل اور تاریخی حیثیت بھی برقرار رکھی گئی تھی۔

کھانا وہ کھا کر آچکا تھا۔ اب رات گئے تک اسے خود کو آفس کے کاموں میں مصروف رکھنا تھا۔ اس نے روم سروس کال کرکے اپنے لیے کافی منگوائی تھی۔ اور خود کو کاموں میں غرق کرلیا تھا۔ وہ گزری رات کے خواب کو آج کسی بھی قیمت پر سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ دوپہر سے گھر سے نکلی ہوئی تھی۔ وہ آج کل via barberini کے پاس ایک ذیلی کئی سو سال قدیم پتھروں سے بنی ایک ذیلی سڑک اور اس سڑک پر موجود سولہویں صدی میں بنائی گئی چند بلڈنگز کو پینٹ کر رہی تھی۔ وہ اپنا ایزل کینوس، پینٹ اور برش لے کر دن کے ان اوقات میں وہاں لوگوں کی زیادہ آمدورفت نہیں ہوا کرتی تھی تب وہاں آجایا کرتی تھی۔ اس نے ہر زاویے سے وہاں کی کئی تصاویر کھینچ رکھی تھیں۔ وہ ان تصاویر کی مدد سے بھی اس جگہ کو پینٹ کرسکتی تھی۔ مگر ایک تو اسے کسی بھی لینڈ اسکیپ کو اس کی اصل جگہ پر موجود رہ کر پینٹ کرنے میں مزا آیا کرتا تھا اور دوسرے اسے اپنے روم کی گلیوں میں وقت گزارنا اچھا لگا کرتا تھا۔ اگلے ماہ کے آخر میں فلورنس میں اس کی پینٹنگز کا سولو شو تھا۔

اس بار اس کا موضوع رومن لینڈ اسکیپ [illegible] لینڈ اسکیپ بھی اسے پینٹ کرنے [illegible] لگ کر اس کو اس پینٹنگ کے [illegible] موضوع کرنے تھے۔ باقی پھر نوک پلک سنوارنے کا کام گھر پر اپنے اسٹوڈیو میں کرتا تھا۔ نینی نے اسے بہت تاکید کرکے بھیجا تھا۔ وہ گھر سے بغیر کھانا کھائے جارہی ہے [illegible] پینٹنگ شروع کرنے سے پہلے کہیں باہر سے لنچ کرلے۔ مگر کام کی دھن میں اسے کھانے پینے کی خواہش ہوا ہی نہیں کرتی تھی۔ یہاں دوپہر میں دکانیں اور بار بند ہوجاتے تھے اور لوگوں کی آمدورفت بھی قدرے کم ہوجاتی تھی۔ سو یہ وقت اسے پینٹنگ کے لیے اچھا لگا کرتا تھا۔

پانچ بجے کے قریب جب دفاتر کی چھٹی ہونے لگی اور لوگوں کی آمدورفت شروع ہوئی تو اس نے اپنا پورٹیبل ایزل اور دیگر سامان سمیٹ کر گاڑی میں رکھا تھا۔ سال کے ان مہینوں میں جب وہ روم میں ہوتی تھی تب اسے یہاں اپنے بچپن کی یادیں تازہ کرنا اچھا لگا کرتا تھا۔ ان یادوں میں البرٹو اور سلویا کا پزیریا بھی شامل تھا تب ہی وہ اکثر و بیشتر یہاں پزا کھانے چلی آیا کرتی تھی۔ اپنے بچپن میں وہ یہاں کتنا آتی تھی۔ اس نے گاڑی پزیریا کے پاس لاکر روکی تھی۔ وہ اندر آگئی تھی۔

اندر آتے ہی اسے ایک میز پر وہ بیٹھا نظر آیا تھا۔ وہ جس سے وہ کل یہاں پر ملی تھی۔ سکندر [illegible] پاکستانی تھا یا شاید انڈین۔ خاموش طبع [illegible] آپ میں گم سا۔

وہ آرٹسٹ تھی اور اسے [illegible] اور وہ شخص مردانہ حسن اور وجاہت [illegible] اس کا چھ فٹ سے نکلتا قد [illegible] چوڑا سینہ گھنے سیاہ بال جن میں [illegible] شخصیت اس کے چہرے [illegible] مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ گہری سیاہ آنکھوں میں مقناطیسیت تھی' ایک حزن تھا' اداسی تھی اور ایک اسرار تھا۔ اس کے ہونٹوں کا کٹاؤ بڑا خوب صورت تھا اس کا نچلا ہونٹ اوپری ہونٹ سے زیادہ بھرا ہوا تھا اس کی پیشانی بہت چوڑی تھی۔ ناک آریائی نسل کے کسی فرد کی طرح بالکل سیدھی اور لمبی تھی۔ کل اس سے ملنے کے بعد جب اس نے اس کے بارے میں بہت سوچا تب خود ہی ہنس بھی پڑی تھی۔ وہ واقعی پکی آرٹسٹ تھی۔ اسے راستے میں ملتے آتے جاتے لوگوں کو بھی بطور ایک آرٹسٹ کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت تھی۔ گھر جاکر اس کی نینی سے گپ شپ ہوئی پھر سیم کا فون آگیا اور وہ اس غیر معمولی مردانہ حسن و وقار کے چہرے کو بھول گئی [illegible] اس وقت اسے دیکھ کر اسے وہ پھر سے یاد [illegible] خوب ہو اگر وہ اس چہرے کو پینٹ کرسکے۔

وہ خوش دلی سے مسکراتی اس کی [illegible] آگئی تھی۔ وہ سر جھکائے اپنا پزا کھانے [illegible] مصروف تھا۔ جلدی جلدی جیسے کھانے [illegible] رہا ہو۔ بلکہ کوئی ضرورت پوری [illegible] وہ اس کے پاس آگئی تھی۔

"[illegible]" اس نے چونک کر سر اوپر اٹھایا تھا۔

"[illegible] (ciao)" جواباً "مسکرایا نہیں تھا۔ وہ اسے [illegible] رہا تھا جیسے اسے پہچانا نہ ہو۔ صرف ایک دن میں تو کوئی کسی کو نہیں بھول سکتا" وہ دل ہی دل میں حیران ہوئی۔

"کیا اتفاق ہے۔ ہم آج پھر ایک ہی وقت پر یہاں موجود ہیں۔" وہ عادتاً مسکرا کر بولی۔

وہ ہنسنے ہنسانے والی زندہ دل سی لڑکی تھی۔

وہ جواباً اسے خاموش اور اجنبی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

جب اس نے رسماً "اور اخلاقاً" بھی اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت نہ دی تو کچھ ڈھیٹ بن کر اس نے خود ہی پوچھا۔ کیا واقعی وہ اسے نہیں پہچانا تھا؟ کل وہ اتنی دیر تک ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے ساتھ بیٹھ کر پزا کھایا تھا۔ اسے اس کا پزا آرڈر کرنے میں مدد کروانے کے لیے اس نے اپنا پزا ٹھنڈا تک ہوجانے دیا تھا۔

"یہاں کئی اور میزیں خالی ہیں' آپ وہاں بیٹھ جائیں۔" وہ سنجیدگی سے اسے کھرا صاف انکار کرکے دوبارہ سر جھکا کر کھانا کھانے لگا تھا۔

اس کا لہجہ [illegible] الفاظ بدتمیزی والے نہیں تھے مگر سرد [illegible] اور [illegible] ور تھے۔ وہ اس کی وہاں موجودگی سے [illegible] سر جھکا کر دوبارہ کھانا کھا رہا تھا۔ اپنی اس بے عزتی پر اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔ [illegible] ہوتے وہ ایک مہذب خاموشی سے اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ شرمندگی اور [illegible] محسوس کرتی وہ کاؤنٹر پر آکر البرٹو سے بات کرنے لگی تھی۔

البرٹو کو یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں تھی کہ اسے کیسا پزا چاہیے۔ وہ یہاں آکر ہمیشہ ایک ہی طرح کا پزا کھایا کرتی تھی۔ البرٹو سے ہائے ہیلو اور خیروعافیت دریافت کرتے اس نے مڑ کر دیکھا تو جس میز پر وہ بیٹھا تھا۔ وہ اب خالی تھی۔ وہ اپنا کھانا ختم کرکے وہاں سے جاچکا تھا۔

وہ اس کی بداخلاقی اور بدتہذیبی پر حیران تھی۔ لگتا تو اعلا تعلیم یافتہ تھا۔ پھر اس درجہ بدتہذیبی؟ وہ حیران بھی ہوئی تھی اور اس کا موڈ بھی خراب ہوا تھا۔ یہ خراب موڈ اس وقت مزید خراب ہوگیا تھا جب گھر آتے ہی اس نے وکٹوریا کی کال ریسیو کی۔ اپنی ماں سے بات کرنا اس کے لیے کبھی بھی خوش گوار ثابت نہیں ہوا کرتا تھا۔ سو ایسا ہی آج بھی تھا۔ پہلے منٹ اس کی خیریت پوچھنے اور اس سے محبت کا اظہار کرنے کے بعد اگلے منٹ وہ اپنے اصل مقصد اور کام کی بات پر آگئی تھیں۔

"میں rehab centre (بحالی صحت سینٹر) سے آگئی ہوں۔ اب اپنی ساری زندگی الکحل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ مجھے کچھ پیسے چاہئیں لیزا۔ جیسے ہی مجھے جاب ملے گی میں تمہارے پیسے واپس کردوں گی۔"

اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ آگئی تھی۔ محبت میں، پیار میں 'یاد آنے پر وہ کبھی بھی یاد نہیں کی جاتی تھی۔ جب پیسوں کی ضرورت پیش آتی تھی تب یاد آیا کرتی تھی۔ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے اس کی ماں کی اپنے چوتھے شوہر سے بھی گزشتہ سال طلاق ہوچکی

تھی۔ اور اس درجہ شراب نوشی ہی کے سبب آئے دن ان کی ملازمت ختم ہوجایا کرتی تھی۔ پچھلے پانچ سالوں میں وہ پانچ ہی مرتبہ علاج کے لیے جاچکی تھیں۔ ہر بار وہاں سے واپس آکر اس عہد کو دہراتی تھیں کہ اب شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گی مگر چند ہفتے بھی نہیں گزر پاتے تھے انہیں اپنے عہد پر قائم رہتے۔

اسے وٹوریا سے کوئی تلخ یا کڑوی بات کرنا بے معنی محسوس ہوا تھا۔ لڑا تو وہاں جاتا ہے جہاں کچھ امیدیں ہوتی ہیں' محبتیں ہوتی ہیں۔ اس کا اپنی ماں سے بھی ماں اور بیٹی والا تعلق رہا ہی نہیں تھا۔ جب اس کے پاپا سے انہوں نے طلاق نہیں لی تھی' جب وہ سب ایک ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہ تو تب بھی اسے اپنی ماں نہیں لگی تھیں۔

"میں پیسے بھجوا دوں گی۔"

وٹوریا میلان MILAN میں رہتی تھیں اور سال کے جن مہینوں میں ان کے پاس نوکری نہیں ہوتی تھی تب وہ اس سے اسی طرح فون پر رابطہ کیا کرتی تھیں۔ اسے غصہ بھی تھا' دکھ بھی تھا مگر اس نے کل ہی آن لائن اپنی ماں کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈلوا دیے تھے۔

"ممی! مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

وہ کچن میں ڈنر کی تیاری کرتی ممی کو اطلاع دیتی اوپر اپنے اسٹوڈیو میں آگئی تھی۔ وہ اداس تھی' بچپن کی بہت سی محرومیاں تازہ ہوگئی تھیں۔ وہ بے دلی سے کینوس پر رنگ بکھیر رہی تھی تب ہی فون کی بیل بجی تھی۔

"سیم" کال کرنے والے کا نام دیکھتے ہی اس کی اداسی ایک لمحے میں دور ہوگئی تھی۔ اس نے لپک کر کال ریسیو کی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چل جاتا ہے سیم! کہ اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے؟" اس کے لہجے میں بہن کے لیے والہانہ محبت اور شدتیں تھیں۔

"میرا دل مجھے بتادیتا ہے۔" وہ جواباً [illegible] تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے سیم کی کھلکھلاتی [illegible] سے بھرپور آواز سن رہی تھی۔

اس سے اگر کوئی سچا پیار کرتا تھا' کسی کو اگر اس کی پروا تھی تو وہ صرف اور صرف سیم تھی۔ کہنے کو وہ اس سے صرف ایک سال بڑی تھی مگر اس کی یوں پروا کرتی' یوں اس کا خیال رکھتی تھی جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہو۔ بچپن میں جب ان دونوں بہنوں نے ماں اور باپ دونوں کی جانب سے عدم توجہ کا دکھ سہا تھا تب اس کی پروا کرتی' اس سے بے تحاشا محبت کرتی سیم بہن اور دوست ہونے کے ساتھ ساتھ جیسے اس کی ماں اور باپ بھی بن گئی تھی۔ جیسے ماں باپ اپنے بچوں کی پروا کرتے ہیں ایسے ہی وہ اس کی پروا کیا کرتی تھی۔

"کیسی گزر رہی ہیں تمہاری چھٹیاں؟" سیم نے اس سے پوچھا۔

"مزے میں۔ سیم تم بھی آجاؤ روما۔" دیگر تمام اٹالینز کی طرح وہ بھی روم کو روما کہا کرتی تھی۔ اور اپنے روما سے اسے عشق تھا۔

"ابھی تو میں آفس کے کام سے ترکی جارہی ہوں لز۔ اگر کام جلدی ختم ہوگیا تو آجاؤں گی تمہارے پاس۔"

سیم نے عادت کے مطابق اسے اس کے نک نیم سے پکارا۔ یہ نک نیم اسے دیا بھی اسی نے تھا اور اس سے پکارا بھی وہی کرتی تھی۔ اس نے سیم کو ماں کے فون کی بات بتائی۔ سیم اس کے مقابلے میں بہت مضبوط اور بہادر تھی۔ وہ اب بھی [illegible] سمجھا رہی تھی۔

"تم ممی پاپا کے [illegible] سوچ سوچ کر اپنا دل کیوں دکھاتی ہو لز؟ وہ [illegible] ایسے ہی رہیں گے۔ ممی کو پیسے [illegible] اور دل جلانا چھوڑو کہ وہ ایسی [illegible] تم روما میں اپنی چھٹیاں انجوائے کرنے آئی ہو تو بس انجوائے کرو۔ اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری پینٹنگز مکمل ہوگئیں؟"

سیم نے اس کا موڈ تبدیل کرنے کے لیے فوراً ہی گفتگو کا موضوع اس کی سولو ایگزیبیشن کی طرف موڑ دیا تھا۔ سیم سے اس پورے ایک گھنٹے بات ہوتی رہی تھی۔ اور ایک گھنٹے بعد جب وہ فون بند کررہی تھی تب

اسے یاد بھی نہیں رہا تھا کہ گھنٹہ بھر پہلے وہ کس بات سے اداس اور دکھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

آفس میں وہ اور روبرٹو ساتھ بیٹھے ایک کانٹریکٹ پر نظرثانی کررہے تھے۔ روبرٹو بھی اسی کی طرح ان کی کمپنی میں ایک لیگل ایڈوائزر تھا۔ [illegible] ان کی کمپنی کی جو لیگل ٹیم کام کررہی تھی اس [illegible] ذہین وکیل۔

وہ دونوں انتہائی سنجیدگی سے آفس میں بیٹھے پیشہ ورانہ گفتگو کررہے تھے جب [illegible] آفس کے دروازے پر ایک [illegible] دی۔ اس آفس میں اپنے عارضی [illegible] دوران اسے ایک بہترین فراہم [illegible] کسی وکشن یا میٹنگ کے [illegible] وہ وقت روبرٹو کے آفس ہی میں گزرتا تھا۔

[illegible] نے اور روبرٹو دونوں نے "buon giorno" کہتی اس خوب صورت نسوانی آواز کی طرف نظریں گھما کر دیکھا۔ انہیں صبح اور دن کے وقت کا اٹالین میں سلام کرتی لڑکی کوئی اور نہیں اسے پریا میں ملی لڑکی ہی تھی۔ کیا روم اتنا چھوٹا شہر تھا جہاں یہ لڑکی اسے بلاوجہ بار بار ٹکرا رہی تھی۔

وہ اسے دیکھ کر خوامخواہ ہی چڑا۔ وہ زبردستی بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی تھی اور یہ چیز اسے اس لڑکی سے چڑا رہی تھی۔

"چاؤ لیزا۔" روبرٹو گرم جوشی سے مسکراتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا تھا۔ وہ انتہائی پرتپاک اور دوستانہ انداز میں اس کا خیر مقدم کررہا تھا۔

"میں اندر آجاؤں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ آؤ بیٹھو۔"

سکندر نے ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد فوراً ہی کانٹریکٹ کے صفحات اپنے سامنے کرلیے تھے۔ وہ سنجیدگی سے ان کا مطالعہ کرنے لگا تھا۔ مگر وہ محسوس کررہا تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہوئے اندر داخل ہوئی ہے۔

"اس لیے پوچھ رہی تھی کہ کہیں تم بزی نہ ہو۔" لیزا روبرٹو سے [illegible] رہی سکندر کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ [illegible] روبرٹو اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ دونوں اٹالین میں بات کررہے تھے اور اسے سلام سے [illegible] ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ہاں یہ ضرور پتا چل رہا تھا کہ وہ دونوں آپس میں بے تکلف ہیں' غالباً دوست ہیں۔

"ہائے۔" چونکہ اس بار اسے مخاطب کیا گیا تھا اس لیے اسے کانٹریکٹ پر سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھنا پڑا۔

"ہائے۔" وہ جواباً سنجیدگی سے بولا۔

"آپ نے پہچانا مجھے؟" وہ اس سے انگریزی میں مخاطب تھی۔ یہ سوال اس نے بظاہر مسکرا کر پوچھا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا وہ اس روز پریا میں اس کے اسے نہ پہچاننے کا تاثر دینے کا قدرے جتانے والے انداز میں حوالہ دے رہی تھی۔

"جی۔ آپ لیزا ہیں۔ آپ نے پریا میں مجھے پزا آرڈر کرنے میں مدد کی تھی۔" وہ چہرے پر بغیر شرمندگی کا کوئی تاثر لائے اسی سنجیدگی سے بولا۔

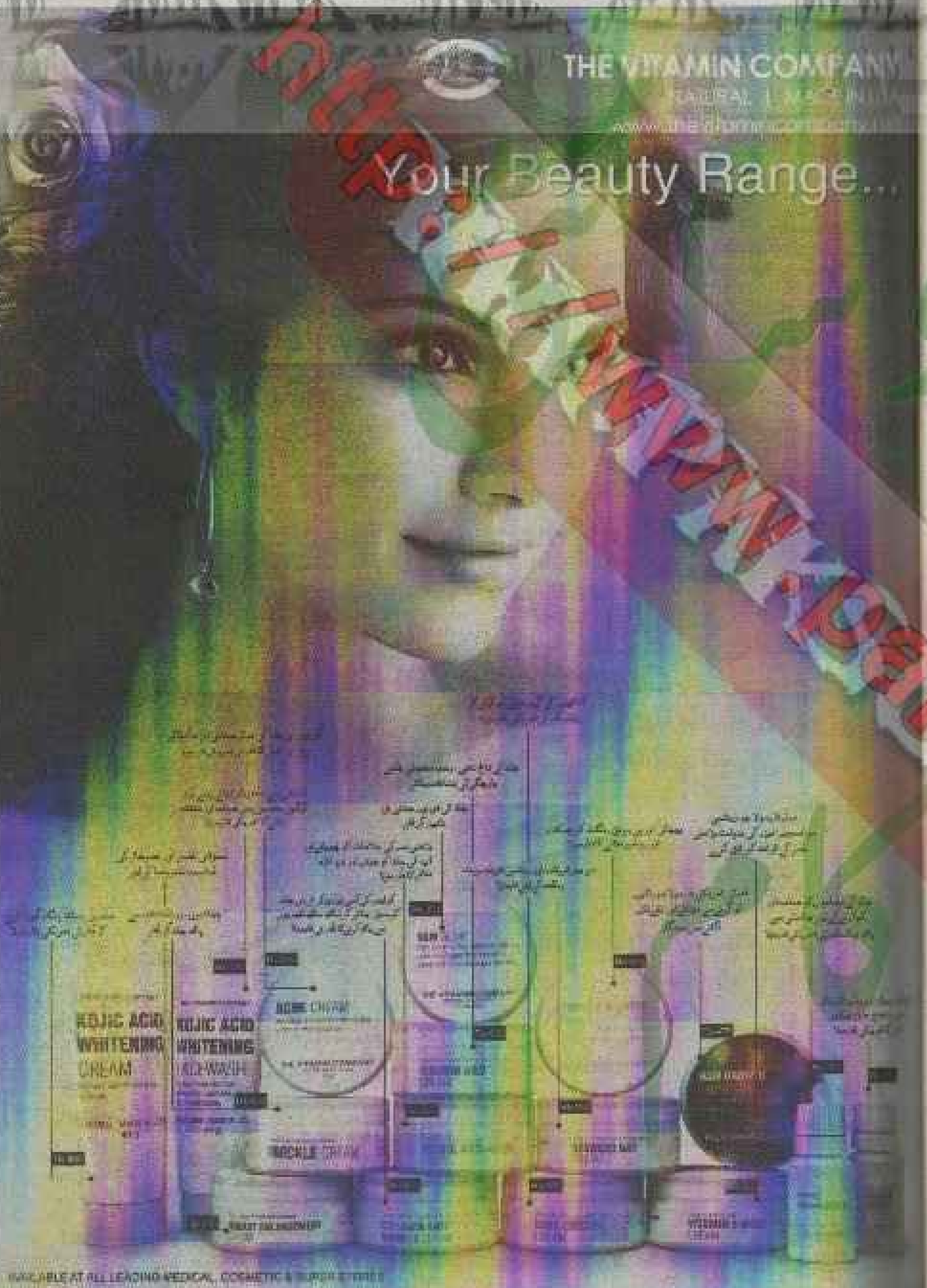
"میں آپ کو یاد ہوں؟ میں سمجھ رہی تھی شاید آپ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔" وہ پھر مسکرا کر درپردہ طنز کررہی تھی۔

روبرٹو جو ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا' فوراً مسکرا کر بولا تھا۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ یعنی میں تعارف کروانے والی فارمیلٹی سے بچ گیا۔"

لیزا اس کی بات پر مسکرائی۔ بلاوجہ اور بات بے بات مسکراتے رہنے سے یہ لڑکی تھکتی نہیں تھی' اس نے کوفت سے سوچا۔ روبرٹو اب اس سے مخاطب تھا۔

"اس تعارف میں بس یہ اضافہ کرلو سکندر کہ لیزا میری بچپن کی دوست ہے۔ ویسے میں اس سے چار سال بڑا ہوں۔ ہم اسکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔ میں اسکول میں اس سے سینئر تھا مگر ہماری دوستی بہت



تھی۔ جب اس کی وجہ سے کمرے میں انگریزی بولی جا رہی تھی۔

"بہت سے لوگ تو اس غلط فہمی تک میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم بوائے فرینڈ گرل فرینڈ ہیں۔"

لیزا ہنس کر روبرٹو اور اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔ روبرٹو اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"اور ہم دونوں لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے بجائے اس پر خوب ہنسا کرتے تھے۔"

وہ سکندر کو بتا رہا تھا۔ وہ اپنے مخصوص پر تکلف انداز میں بہت ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ شائستگی اور مروت کا مظاہرہ کرتا ہوا۔

"میرا تعارف تو پورا ہو گیا اب تم سکندر صاحب کا بھی مکمل تعارف کروا دو۔ میں ان کے بارے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ان کا نام سکندر ہے یہ اپنے کسی آفیشل کام سے روما میں ہیں اور انہیں ویجز اور مشرومز والا پزا پسند ہے۔"

اس لڑکی کی نان سیریس باتیں اور بلاوجہ فری ہونا اسے کس قدر برا لگا کرتا ہے۔ کاش روبرٹو یہاں نہ ہوتا تو وہ اسے بتاتا۔

"سکندر روما میں ہماری کمپنی کے لیگل ایڈوائزر ہیں۔ بہت ہی قابل اور ذہین لائر ہیں۔ آفس ہی کے کام سے دو تین ہفتوں کے لیے روم میں ہیں۔" روبرٹو لیزا کو بتانے لگا۔ اب اس وقت کانٹریکٹ کا کچھ کام تو ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ روبرٹو سے معذرت کر کے اپنے کیبن میں چلا جائے ان دو دوستوں کو گفتگو کرتا چھوڑ کر کہ لیزا روبرٹو سے انگریزی ہی میں بولی۔

"میٹنگ میں ابھی دیر ہے۔ میں کچھ جلدی آ گئی۔ میں نے سوچا میں پہلی مرتبہ تمہارے آفس آئی ہوں۔ تم یقیناً مجھے اپنے ساتھ لنچ کرنے کی دعوت دو گے۔"

وہ مسکرا کر بے تکلفی سے بولی تھی۔ روبرٹو پھر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"سب بدل سکتے ہیں، تم نہیں بدلو گی۔" لیزا سے کہنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"لنچ ٹائم تو ہو ہی گیا ہے۔ چلو سکندر! ہمیں باہر چل کر لنچ کرتے ہیں ہم تینوں۔"

روبرٹو نے اسے بھی لنچ کی دعوت دی تھی۔ اسے اپنا پروفیشنل سنجیدہ اور لیا دیا انداز برقرار رکھنا تھا وہ انکار کر کے بچکانہ پن کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ دونوں یہ تاثر لیں کہ وہ لیزا کو قصداً "اگنور" کرنا چاہتا ہے اور اس کی وجہ سے انکار کر رہا ہے۔

"اوکے چلو۔" اس نے سنجیدگی سے چلنے کی ہامی بھری تھی۔

☆ ☆ ☆

آفس سے قریب ہی ایک ریسٹورنٹ میں وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی ان کا لنچ سرو نہیں کیا گیا تھا۔ ویٹر نے سب سے پہلے ایک باسکٹ جس میں کئی طرح کے رولز رکھے ہوئے تھے اور ایک باؤل جس میں اولیو آئل تھا ان کی میز پر لا کر رکھا۔

وہ دو اٹالین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اسے پہلی مرتبہ پتا چلا تھا کہ اٹلی کے لوگ اپنے کھانے کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔ لیزا اور روبرٹو نے اپنی اپنی پلیٹوں میں ایک ایک رول اٹھا کر رکھا تھا۔ وہ رول [illegible] ہاتھوں سے توڑ توڑ کر اولیو آئل میں [illegible] اسے مزے سے کھا رہے تھے۔ [illegible] ان کے کھانوں کے طور طریقوں [illegible] چند نوالے رول کے اس [illegible] آئل میں ڈبو کر لیے تھے۔

اسی دوران ان کا [illegible] کھانا سرو کر دیا گیا تھا۔ وہ فرائیڈ مشرومز [illegible] کھا رہا تھا۔

[illegible] اس نان سیریس سے (attitude) پر نہ جانے [illegible] سنجیدہ قسم کی آرٹسٹ ہے۔ اور خاصی [illegible]"

روبرٹو لیزا کی طرف دیکھ کر سکندر سے ہنستے ہوئے بولا۔ وہ اسے اس کی معلومات میں اضافے کے لیے یہ بتا رہا تھا کہ گزشتہ دنوں ان لوگوں نے اپنے آفس کا

انٹیریئر دوبارہ کروایا ہے۔ اس نئے انٹیریئر میں بورڈ روم اور ریسپشن ایریا کی دیواروں پر چند پینٹنگز کا بھی اضافہ کیا جانا ہے تاکہ ایک اچھا آرٹسٹک لک بن سکے۔ اس مقصد کے لیے کسی اچھے آرٹسٹ سے ان کی کمپنی کو رابطہ کرنا تھا اور روبرٹو کے مشورے پر انہوں نے لیزا سے رابطہ کیا ہے۔ آج اسی حوالے سے لیزا کی ان کی کمپنی کے کچھ سینئر ایگزیکٹیوز کے ساتھ میٹنگ ہے، جس میں ان پینٹنگز کا موضوع اور معاوضہ طے کیا جانا تھا جو لیزا انہیں بنا کر دے گی۔

"دیکھو ابھی پتا نہیں یہ ہم سے اپنی صرف ایک پینٹنگ کے لیے کیا ڈیمانڈ کرتی ہے۔" لیزا جواباً ہنسی تھی۔

"آپ مہنگی آرٹسٹ کے نخرے تو ہوں گے نا؟" روبرٹو کو جواب دینے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تمہیں آرٹ میں انٹرسٹ (دلچسپی) ہے؟"

اس بار اس کے لہجے اور الفاظ میں نمایاں بے تکلفی تھی۔ اس نے جیسے از خود ہی یہ فرض کر لیا تھا کہ اگر وہ اس کے بچپن کے دوست کا کولیگ نکل آیا ہے تو وہ اس کے ساتھ بے تکلف ہو کر بات چیت کر سکتی ہے۔

"نہیں۔ مجھے بالکل بھی انٹرسٹ نہیں ہے۔"

فورک سے پاستا کھاتے ہوئے اس نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔ لیزا نے بغور اسے دیکھا تھا، پتا نہیں کیوں۔

"تم Destiny (تقدیر) پر یقین رکھتے ہو سکندر؟"

کچھ دیر کے بعد روبرٹو سے بات کرتے کرتے لیزا نے اچانک اس سے پوچھا تھا۔ اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اسے اس کا دوستانہ و بے تکلفانہ انداز میں بات کرنا گراں گزر رہا تھا، مگر وہ اس کا اظہار اپنے چہرے سے ہونے نہیں دے رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے پہلے برنیا اور اب روبرٹو کا آفس، یہ تقدیر ہی ہے نا جو ہم بار بار کہیں نہ کہیں مل رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں شاید۔" اس نے شانے اچکا کر بے نیازی سے مبہم انداز میں کہا۔ چونکہ انہیں آفس جلدی واپس پہنچنا تھا، اس لیے بقول روبرٹو کے وہ لوگ لنچ جلدی ختم کر کے اٹھ رہے تھے۔ اپنے حساب سے اس نے لنچ کرنے میں ایک گھنٹہ ضائع کر دیا تھا۔ جبکہ کھانا دس سے پندرہ منٹ کے اندر کھا لیے جانے والی چیز تھی۔

روبرٹو ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا، "آفس ٹائمنگ کے دوران بھی ڈیڑھ سے دو گھنٹے کا لنچ اٹالینز کے لیے بڑی عام سی بات تھی۔ وہ لوگ ریسٹورنٹ سے اٹھ رہے تھے جب لیزا نے اسے اپنا فون نمبر دیا۔

"کبھی کبھی تمہیں آرٹ میں دلچسپی ہو جائے اور تم مجھ سے کوئی پینٹنگ بنوانا چاہو۔" وہ بلاوجہ بے تکلف ہوتی مسکرا کر بولی تھی۔

"یا قسمت تم دونوں کو ملوانا چھوڑ دے اور تم لیزا سے ملنا چاہو۔" روبرٹو مسکرا کر بولا تھا۔ وہ لیزا کو چھیڑ رہا تھا۔

لیزا ہنسی تھی۔ "ہاں بالکل۔"

وہ تینوں آفس آ گئے تھے۔ لیزا اپنی میٹنگ کے لیے چلی گئی تھی، جبکہ وہ آتے کے ساتھ ہی اپنے کیبن میں آ گیا تھا۔ اس طویل لنچ میں اچھا خاصا وقت برباد ہو گیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے فوراً اپنے کاموں میں [illegible] ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لیزا بہت اچھی لڑکی [illegible]"

اگلے روز وہ اور [illegible] ساتھ بیٹھے تھے۔ کام کے دوران [illegible] کے وقت کیا بات کافی کے گھونٹ [illegible] اپنی بیوی اور بچے کی بات کرتے کرتے [illegible] لیزا کے بارے میں بات کرنے لگا۔

یاد [illegible] بے کی یا پھر اس کا ذکر ہو تا رہے گا۔ ایسے جیسے [illegible] نہیں وہ کتنی اہم شخصیت ہے۔ اس نے دل [illegible] بے زاری اور کوفت محسوس کی، پر چہرے پر کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔

"ویسے بڑی لاابالی، لاپروا اور غیر سنجیدہ سی لگتی ہے۔"

"مگر وہ دوسروں کی بہت پروا کرنے والی بڑی پیاری لڑکی ہے۔ پتا ہے سکندر لاسٹ ایئر جب میری بیوی پریگننٹ تھی، ڈلیوری کا ٹائم بالکل قریب تھا، تب اچانک ہی مجھے آفس کے کام سے تین، چار دنوں کے لیے اسپین جانا پڑ گیا تھا۔ میں اپنی بیوی کے لیے فکر مند تھا۔ میں اس کی ماں اور بہن سے اس کا خیال رکھنے کی تاکید کر کے گیا تھا۔ لیزا ان دنوں چھٹیوں میں [illegible] ہوئی تھی۔ جانتے ہو، جس روز میری بیوی کو اسپتال جانے کی ضرورت پڑی، تب اس کی [illegible] بھی پہلے لیزا اس کے پاس پہنچی تھی۔ وہ اسے اسپتال لے کر گئی تھی۔"

اس قصے میں [illegible] ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس کی سمجھ میں نہیں [illegible] جب اسے قصے ہی میں کوئی دلچسپی [illegible] سمجھنے کی ضرورت بھی کہاں تھی۔ [illegible] سر ہلا کر یہ تاثر دیا تھا کہ اس نے روبرٹو کی [illegible] متعلق ساری بات سن لی ہے۔

☼ ☼ ☼

اسے اندھیرے سے ڈر لگ رہا تھا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ وہ چلا رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ اسے اندھیرے سے نکلنا تھا۔ کوئی کیوں نہیں آ رہا اسے اندھیرے سے نکالنے؟ وہ مدد کے لیے چلا تا، بری طرح رو رہا تھا۔ اسے کسی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہاں کوئی تھا جو اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس پر قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا۔

وہ بے چینی اور اضطراب میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ پورا کا پورا پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سوتے میں کہیں چلے جانے، کہیں بھاگ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے لبوں سے بہت ہلکی ہلکی بچاؤ، بچاؤ اور ہیلپ، ہیلپ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ بے چینی سے ہاتھ پاؤں چلاتے اس نے یک دم ہی آنکھیں کھول دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"سکندر! میں چاہتا ہوں تم ہارورڈ میں ایڈمیشن لو۔" کھانے کی میز پر وہ چاروں موجود تھے۔ شہریار خان سکندر سے مخاطب [illegible]

"پاپا [illegible] گریجویشن کے بعد پھر وہیں سے لاء پڑھ [illegible]"

"[illegible] پاپا۔" وہ مؤدب بنا جواباً گردن ہاں میں ہلا کر بولا تھا۔

زین نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اسے سکندر کی فرماں برداری اور سعادت مندی والی اس اداکاری سے نفرت تھی۔ پاپا کے سامنے اتنا اچھا بن کر آخر وہ خود کو کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟ ان کی امو جان، شہریار خان کے آگے مختلف ڈشز رکھ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح شوہر کی خدمت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ شہریار خان اس گھر کے حاکم اعلا تھے۔ جو وہ پسند کرتے تھے، وہ یہاں ہوا کرتا تھا، جو ناپسند کرتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی وہ کر سکتا۔ بے کار سی امید تھی، پھر بھی وہ امید سے باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید ابھی وہ اس کے بارے میں بھی اپنی کسی خواہش کا اظہار کریں۔ "زین میں چاہتا ہوں تم پڑھو، زین تم فلاں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا۔" مگر اس کی حسرت حسرت ہی رہی تھی۔ سکندر، شہریار کے آگے انہیں وہ نہ کبھی نظر آیا تھا، نہ ہی آ سکتا تھا۔ وہ سنجیدگی سے سکندر کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ اس کے کیریئر، پروفیشن اور مستقبل کے حوالے سے انہوں نے کیا کیا پلان کر رکھا ہے، وہ یہ سب کچھ سکندر کو بتا رہے تھے اور وہ جی پاپا، اچھا پاپا اور اوکے پاپا کہتا ان کے ہر پلان سے اتفاق کر رہا تھا۔

سکندر کی تمام تر کیریئر پلاننگ شہریار خان نے کر رکھی تھی، جبکہ زین شہریار کے لیے ان کی کوئی کیریئر پلاننگ نہ تھی۔ وہ جہاں پر بھی پڑھنا چاہے اور جو کچھ بھی پڑھنا چاہے، انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ وہ پیسہ اس پر بھی خرچ کریں گے، مگر اس کے لیے ان کے اس طرح کے کوئی خواب نہ تھے جیسے سکندر کے لیے اور ان کے گھر کی اس ugly duckling نے ایسا کون سا کارنامہ سر انجام دے دینا تھا جو وہ اس سے امیدیں اور آس باندھتے۔ ان کی امیدوں کا مرکز تو ان

کا اٹھواں سال بھی جیسے شہزادہ سکندر شہریار تھا۔ وہ اپنے اندر بہت سی کڑواہٹ محسوس کرتا ہوا سوچ رہا تھا۔ وہ کھانے کے بعد کمرے میں آگیا تھا۔ عجیب سی ایک سوچ اس کے اندر آئی تھی۔ کاش ایسا ہو سکندر کا ہارورڈ میں داخلہ نہ ہو سکے۔ گو ناممکن سی بات تھی پھر بھی وہ سوچ رہا تھا سکندر ہمیشہ ہی تو فاتح عالم نہیں ہوا کرتا۔ سکندر کبھی ہار بھی تو جاتا ہے تو اب کی بار کیوں نہیں؟

☼ ☼ ☼

وہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوا تھا جہاں تمام افراد غیر معمولی تھے۔ high achievers تھے۔ اس کے دادا، اس کے پاپا، اس کا بھائی۔ اس کے پاپا بڑے فخریہ انداز میں اپنے والد کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وہ اس زمانے میں کیمبرج پڑھنے گئے تھے، جب کسی کا بچہ اگر میٹرک پاس کر لیا کرتا تھا تو ماں، باپ کے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ وہ اس زمانے میں نہ صرف یہ کہ کیمبرج میں پڑھ کر آئے تھے بلکہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں اپنی ذہانت و قابلیت کا سکہ جما کر آئے تھے۔ پھر اس کے پاپا جو ہارورڈ کے فارغ التحصیل تھے۔ وہ وہاں کے گولڈ میڈلسٹ تھے۔ اس کے پاپا ایک مغرور آدمی تھے۔ ایسے ویسے لوگ اور ایسی ویسی کارکردگی تو ان کی نگاہ میں جچ ہی نہ سکتی تھی۔ وہ اپنے اونچے خاندان، اعلا نسب اور اپنی خاندانی ذہانت و قابلیت پر فخر کیا کرتے تھے۔

"پیسہ تو بہت لوگ کما لیتے ہیں۔ پیسہ ہونا خوبی کی بات نہیں، خوبی کی بات تو آپ کا اعلا نسب اور اعلا علمی و تعلیمی قابلیت کا ہونا ہے۔ ان دو چیزوں کے ساتھ آپ نے پیسہ بھی کما لیا ہو تو یہ اصل فخر کی بات ہے۔" اس نے بچپن سے اپنے پاپا کے منہ سے یہ ہی جملے سنے تھے۔

مگر دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے پاپا کے [illegible] معیار کے مطابق ذہین و قابل نہ تھا۔ [illegible] قابلیت، ذہانت اور مثالی وجاہت کی [illegible] شاید بد صورت ہی ٹھہرتا۔

اس کے والد ایک بے تحاشا ہینڈسم آدمی تھے۔ ایک بھرپور مردانہ و رعب دار شخصیت کے حامل، مضبوط جسم، لمبا قد، چوڑا سینہ، چہرے پر گھنی مونچھیں، گہری سیاہ آنکھیں جن میں خوب صورتی اور ذہانت دونوں چھلکتی تھیں۔ لمبی مغروریت لی ناک، کشادہ پیشانی۔ وہ چلتے تو یوں لگتا کسی ریاست کا حاکم چلا آرہا ہے۔ بولتے تو ان کی شخصیت کے رعب، بھاری مردانہ آواز اور جاہ و جلال کے آگے بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جایا کرتا۔

وہ زندگی میں ہر جگہ، ہر میدان میں کامیاب ہوئے تھے۔ وہ ورلڈ بینک میں ایک انتہائی اونچی اور اہم پوسٹ پر جاب کر رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انھیں پاکستان میں اپنے خاندانی بزنس کو سنبھالنا تھا، جسے ابھی اس کے دادا سنبھال رہے تھے۔

شہریار خان کی ملازمت کے سبب وہ لوگ واشنگٹن میں رہتے تھے۔ ان کی فیملی چار افراد پر مشتمل تھی۔ شہریار خان، ان کی ماں جنھیں وہ بھائی امو جان بلایا کرتے تھے اور وہ دونوں بھائی۔

ان کی ماں ایک بڑی ہی نرم خو اور مہربان خاتون تھیں۔ دھیمے سُروں میں بولنے والی، ہر ایک سے ہمدردی کرنے والی، اپنے بچوں اور شوہر [illegible] والی، وہ اعلا تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ [illegible] ڈاکٹر تھیں۔ مگر شادی کے بعد شہریار خان [illegible] انھوں نے شوہر اور پھر بچوں [illegible] کیریئر اور پروفیشن کی قربانی [illegible] پوری طرح اپنے گھر کے لیے وقف [illegible] شہریار خان کا جس طرح کا مزاج تھا، وہ [illegible] بات منوانے کے عادی تھے، جس طرح کی حاکمانہ ان کی طبیعت تھی، ایسے مزاج کے حامل شخص کے ساتھ گزارا کرنا ان کی امو جان ہی کا [illegible] تھا۔ وہ شوہر کی ہاں میں ہاں ملانے والی اور شوہر کی ہر بات کو حکم کا درجہ دینے والی خاتون تھیں۔ ان کے شوہر نے کہہ دیا ہے بس ان کے لیے حکم ہو گیا ہے۔ وہ شکل و صورت میں اپنی ماں پر تھا اور ان کی ماں

ایک خوب صورت خاتون تھیں، سو وہ بھی خوب صورت تھا مگر اس کا قد کاٹھ اپنے باپ جیسا نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں سے وہ رعب اور ذہانت نہیں جھلکتی تھی جو اس کے باپ کی آنکھوں سے ظاہر ہوتی تھی۔ اس کی شخصیت میں وہ Charisma (سحر) نہیں تھا جو اس کے باپ کی شخصیت میں تھا۔ یہ سب اگر کسی میں تھا تو صرف اور صرف سکندر شہریار میں۔ اسے اپنے بھائی کے ساتھ نہ دیکھا جاتا تو وہ ایک خوش شکل ہینڈسم اور چارمنگ لڑکا تھا [illegible] بھائی ساتھ ہوتے تو وہ پس منظر میں [illegible] ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ سکندر شہریار اور زین شہریار ایک ساتھ کسی جگہ پر ہوں اور [illegible] دیکھنے والے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ [illegible] میں وہ اس چیز کو زیادہ محسوس [illegible] تھا کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے پاپا سکندر کو اس سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ان دونوں بھائیوں کی عمروں میں دس ماہ کا فرق تھا۔ وہ سکندر سے دس ماہ چھوٹا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ سکندر سے دنیا میں آنے میں دس ماہ پیچھے نہیں، بلکہ اسے زندگی بھر ہر میدان میں سکندر سے چند قدم پیچھے رہنا تھا۔ جب وہ دونوں بھائی چھوٹے تھے وہ تب بھی محسوس کرتا تھا کہ پاپا کے لیے جو اہمیت سکندر کی ہے، وہ اس کی نہیں ہے۔ وہ سکندر کو اس سے زیادہ اس لیے اہمیت دیتے ہیں کیونکہ سکندر ان کے جیسا ہے۔ سکندر بچپن کی بچکانہ باتوں میں بھی ذہانت کا غیر معمولی مظاہرہ کیا کرتا تھا۔

زین نے ریموٹ کنٹرول والی گاڑی کھلونے کی دکان پر پسند کی تھی اور سکندر نے اسکریبل۔ شہریار خان تو بڑے بیٹے کی اس ادا پر نہال ہی ہو گئے تھے۔ پھر انھوں نے اسے تو محض ریموٹ کنٹرول والی کار ہی دلوائی تھی، جبکہ سکندر کو اسکریبل کے ساتھ ریموٹ کنٹرول والی کار، ایروپلین اور کھلونوں کی اسپورٹس کارز کا ایک پورا سیٹ بھی دلوایا تھا۔

اس کے دل کو چوٹ لگی تھی۔ اسے دکھ ہوا تھا، وہ گھر آکر اپنی کار سے کھیلا بھی نہیں تھا۔ شام میں سکندر اپنے کھلونے لے کر اس کے پاس آگیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ [illegible] دعوت دے رہا تھا۔ شہریار خان نے [illegible] نہیں صرف سکندر کو دلائی ہوئی [illegible] کے ساتھ شیئر کیا کرتا تھا۔ [illegible] سے پیار کرتا تھا۔

[illegible] اس کے ساتھ کھیل لیا کرتا اور کبھی اگر شہریار خان کے جانب دارانہ رویے پر اس کا دل زیادہ دکھا ہوتا تو بد تمیزی سے اسے اپنے کمرے ہی سے نکال دیا کرتا تھا۔ عجیب سا رشتہ تھا اس کا اپنے بھائی کے ساتھ۔ کبھی اسے اس پر پیار آتا، اس کے ساتھ کھیلنے کو جی چاہتا اور کبھی کبھی وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن، سب سے بڑا حریف نظر آتا۔ پھر اسے سکندر سے نفرت ہونے لگتی۔ وہ اپنے پاپا کی نگاہوں میں کبھی بھی اہمیت اس لیے نہیں پا سکتا کہ اس کے مدمقابل ہر جگہ پر سکندر موجود تھا۔

سکندر ہر سال اسکول میں ٹاپ کرتا تھا اور وہ اپنی کلاس میں سیکنڈ، تھرڈ پوزیشن لیا کرتا تھا۔ اسکول ایک ہی تھا تو رزلٹ بھی ایک ہی دن ہوا کرتا تھا۔ اس کی رپورٹ کارڈ پر ایک افسوس بھری نگاہ ڈالنے کے بعد شہریار خان کی توجہ کا اصل مرکز سکندر ہوا کرتا تھا۔

وہ سکندر کو ہرانے کے لیے ہر سال گزشتہ سال سے زیادہ محنت کیا کرتا تھا۔ عجیب سی ایک ریس لگی تھی۔ ایک غیر اعلانیہ مقابلہ تھا جو اس کا اپنے بھائی سے تھا۔ وہ سکندر سے آگے نکل سکے، اس سے زیادہ اچھے مارکس لا سکے، مگر تمام تر کوششوں کے باوجود وہ سکندر سے پیچھے ہی رہتا۔ گزشتہ سال کے مقابلے میں اس کے مارکس تو زیادہ ہوتے مگر کہیں نہ کہیں وہ سکندر سے پھر پیچھے ہی ہوتا۔

وہ مڈل اسکول میں تھا۔ مڈل اسکول میں یہ اس کا آخری سال تھا جبکہ سکندر اس سے ایک کلاس آگے ہونے کے سبب مڈل اسکول سے نکل چکا تھا۔ اس سال اس نے بے تحاشا محنت کی تھی۔ راتوں کو جاگ جاگ کر پڑھا تھا، یہاں تک کہ بعض دفعہ تو امو جان نے اسے اتنا پڑھتے دیکھ کر آرام کرنے اور پڑھائی کو اتنا

معرور سوار نہ کرنے تک کی تاکید کی تھی۔ وہ انھیں کیا بتاتا کہ اسے اس بار سکندر سے آگے نہیں نکلنا تھا تو کم از کم اس کے برابر تو آنا تھا۔ اسے تو کر کے دکھانا ہے جو سکندر کر کے دکھا چکا ہے اور پھر جب ان کا رزلٹ آیا تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی تھی، بلکہ پورے مڈل اسکول میں بھی اس نے ٹاپ کیا تھا۔

سکندر اس کی کامیابی پر بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

"مجھے پتا تھا زین! اس بار تمہیں ایسا ہی کوئی کارنامہ کرنا ہے۔ پڑھائی بھی تو کتنی کی تھی تم نے۔"

اسے لگا تھا سکندر اس سے جلے گا، ناخوش ہوگا مگر ایسا نہ ہوا تھا۔ شاید یہ مقابلہ بازی یک طرفہ تھی یا شاید سکندر اسے اس قابل ہی نہ سمجھتا تھا کہ اس سے مقابلہ کرتا۔ اس نے جل کر سوچا تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں اپنا رزلٹ باپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسے امید تھی کہ آج وہ باپ پر یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا کہ وہ سکندر شہریار سے کسی بھی طرح کم نہیں۔ اس قابل ترین خاندان میں وہ کسی سے کم نہیں۔

"گڈ، ویل ڈن زین۔ اچھی کوشش کی ہے تم نے۔ اس کا مطلب ہے اگر تم کوشش کرو تو اس سے بھی بہتر رزلٹ لا سکتے ہو۔ اوور آل 88 پرسنٹیج ہے نا تمہاری۔ لاسٹ ایئر سکندر نے مڈل اسکول میں ٹاپ کیا تھا تو اس کی 92 پرسنٹیج تھی۔ تم بھی اگر اور محنت کرو تو اتنی اچھی پرسنٹیج لا سکتے ہو۔"

باپ کے ان ریمارکس پر اس کی ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ وہ کتنی بھی کوشش کر لے، کتنی بھی محنت کر لے، وہ سکندر شہریار سے ہمیشہ پیچھے رہے گا۔ وہ اس روز اپنے کمرے میں چھپ کر گھنٹوں رویا تھا۔

اس کے باپ کو احساس تک نہ ہوا تھا کہ اپنے چند جملوں سے انھوں نے اپنے معصوم [illegible] کس بری طرح توڑا تھا۔ اس روز سے پہلے تک اسے سکندر سے صرف حسد محسوس ہوتا تھا۔ وہ اسے ہرانا چاہتا تھا مگر اس روز کے بعد اسے سکندر سے عجیب سی نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ سکندر سے اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔ سکندر اس سے جتنا پیار کرتا، اسے جتنا اپنی طرف کھینچتا، وہ اتنا ہی اس سے دور بھاگتا، اس سے الگ الگ رہتا۔

"تم نے میرے ساتھ کھیلنا کیوں چھوڑ دیا ہے زین؟ اپنے الگ دوست بنا لیے ہیں، ان کے ساتھ کھیلتے ہو، کیوں؟"

وہ اس کے پاس آ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اس سے صرف دس ماہ بڑا تھا مگر پیار یوں کرتا، اس کی فکر یوں کرتا گویا اس سے کئی سال بڑا ہو۔

"مجھے تمہارے ساتھ کھیلنے میں مزہ نہیں آتا سکندر! تمہارے کھیل بھی کیا ہوتے ہیں؟ پاپا کو خوش کرنے کے لیے تم نے سوئمنگ کرنی ہوتی ہے یا رائیڈنگ، کیونکہ اس سے اسٹیمنا بڑھتا ہے، جبکہ مجھے فٹ بال کھیلنا ہوتا ہے۔ تمہاری طرح پاپا کی خوشامد کرنے کے لیے میں یہ بورنگ کام نہیں کر سکتا۔" وہ اچھی خاصی بدتمیزی سے بولا تھا۔

سکندر کے چہرے پر ایک دم ہی شرمندگی اور دکھ آ گیا تھا۔ اس کے تلخ اور بدتمیز لہجے نے سکندر کو [illegible] کو دکھایا ہے وہ جانتا تھا مگر پھر بھی اس [illegible] کھوکھلا سا لگا تھا۔

سکندر ہر چند کوشش کرتا [illegible] اس سے قریب ہو جائے مگر اس کی ان [illegible] کوششوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے [illegible] نے اپنے دوست، اپنی دلچسپی سب [illegible] سے اس حد تک الگ کر لی تھیں کہ بعض [illegible] میں صرف کھانے کی میز پر ہی ان بھائیوں کی ملاقات اور گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اس نے خود کو بظاہر بڑا لاپروا اور مضبوط سا بنا لیا تھا جیسے اب اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پاپا سکندر کو اس سے زیادہ کیوں اہمیت دیتے ہیں، جیسے اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ سکندر سے ہمیشہ پیچھے کیوں رہ جاتا ہے۔ وہ اس کی طرح غیر معمولی کیوں نہیں ہے۔ مگر سترہ سال کی عمر میں وہ اندر سے آج بھی وہی بچہ تھا جو باپ کی ایک نگاہ التفات کا متمنی رہا کرتا تھا۔ جو چاہتا تھا وہ سکندر سے بڑھ کر کچھ ایسا کر دکھائے کہ اس کے پاپا اسے سکندر کی مثال نہ دے سکیں بلکہ سکندر کو اس کی مثال دیں۔

☼ ☼ ☼

مگر سکندر واقعی سکندر تھا۔ وہ جیتنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ وہ دنیا فتح کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس نے زندگی میں کہیں شکست کا سامنا نہیں کیا تھا وہ اب کی بار کیسے کر لیتا؟ اس کا ہارورڈ میں [illegible] ہو گیا تھا۔ ایڈمیشن مل جانے [illegible] اور امو جان کو سنانے کے بعد وہ [illegible] کے کمرے میں آیا تھا۔ گھر میں [illegible] بتانے سے پہلے ہی یہ خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ [illegible] وہ ضروری طور پر گھر سے باہر جا رہا تھا۔

"میرا ہارورڈ میں ایڈمیشن ہو گیا۔" سکندر بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے سنجیدہ نگاہوں سے سکندر کی طرف دیکھا تھا۔

"مبارک ہو۔"

"پاپا اور امو جان بہت خوش ہیں زین۔ تم بھی خوش ہوئے ہو نا زین؟"

"ہاں بہت۔" اس کے لہجے میں خوشی نہیں بلکہ تمسخرانہ ہنسی شامل تھی۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" اسے دروازے کی طرف جاتا دیکھ کر سکندر حیرت سے بولا تھا۔

"جمی کے پاس ہمارا فٹ بال میچ ہے۔"

"آج تو مت جاؤ زین پلیز۔"

"کیوں آج کیا خاص بات ہوئی ہے؟ تمہارا ایڈمیشن؟ آئی ایم سوری میرے لیے یہ اتنی امپورٹنٹ بات نہیں کہ میں اپنے سارے پروگرامز کینسل کر کے تمہارے ساتھ گھر پر بیٹھ جاؤں۔"

امو جان اور پاپا کے سامنے تو ہرگز نہیں مگر اکیلے میں وہ سکندر کے ساتھ اسی ٹون میں بات کیا کرتا تھا بلکہ سکندر کی بات کا جواب دیا کرتا تھا کیونکہ خود سے تو وہ اسے بہت ہی کم [illegible] ہی مخاطب کیا کرتا تھا۔ اس کے بے رخی اور [illegible] لیے جواب نے سکندر کے چہرے پر [illegible] کس طرح متاثر ہوا ہے، وہ کتنا ہرٹ ہوا ہے [illegible] پشیمان ہوئے بغیر وہ کمرے سے ہی [illegible] باہر نکل گیا تھا۔ وہ جمی کے پاس نہیں گیا تھا، وہ فٹ بال کھیلنے نہیں گیا تھا، وہ غصے میں مختلف سڑکوں پر اکیلا پھر رہا تھا۔ کیوں سکندر ہر بار جیت جاتا ہے کیوں؟ کیا ہو جاتا اگر زندگی میں ایک بار وہ ہار جاتا؟

وہ جانتا تھا بچپن سے دہرائی جاتی کہانی ایک بار پھر دہرائی جانی تھی۔ اب اگلے سال اپنے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اسے ہارورڈ میں ایڈمیشن کے لیے جان کی بازی لگا دینی تھی۔ جتنی محنت اور کوشش اس کے بس میں تھی کر ڈالنی تھی۔ وہ سکندر کو ایک بار پھر ہرا نہیں سکا تھا تو کم از کم اس کے برابر تو آ جائے۔ اس کے اندر سکندر کے لیے کڑواہٹیں ہی کڑواہٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ باپ نے اس سے کوئی امید نہ باندھی تھی۔ مگر وہ خود اپنے آپ سے یہ عہد باندھ رہا تھا کہ اگلے سال اسے ہر حالت اور ہر قیمت پر ہارورڈ میں داخلہ لینا ہوگا۔

☼ ☼ ☼

رات کے خواب کے اس پر ابھی تک اثرات تھے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اتنے کم دنوں کے وقفے سے وہ خواب پھر نظر آ کر اس کی تمام توانائیاں نچوڑ کر لے گیا تھا۔ کل رات نیند لانے کے لیے اس نے دوا لے لی تھی۔ کیونکہ اس کے سر میں شدید درد تھا اور اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کے لیے چند گھنٹوں کی نیند بے حد ضروری ہے۔ مگر وہ چند گھنٹوں کی نیند ہی اس کے لیے بے پناہ اذیتوں کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ خواب سے بیداری کے بعد وہ پھر اسی درد اور اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

وہ 32 سال کا بظاہر بہت صحت مند اور بھرپور مرد نظر آتا تھا مگر اس کے ساتھ صحت کے کئی مسائل تھے۔ وہ ڈپریشن کا دائمی مریض تھا۔ اسے انسومنیا

(بے خوابی) کی تکلیف لاحق تھی۔ اسے ڈراؤنے خواب آتے تھے اور یہ ڈراؤنے خواب اپنے ساتھ اس کے لیے مائیگرین کا درد لاتے تھے۔ اس کی گردن کے پچھلے حصے سے ایک شدید درد اٹھتا تھا جو اس کے کندھوں، ہاتھوں اور سر تک پھیل جایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے اعصابی درد بتایا تھا۔ اس کی میڈیسنز دے رکھی تھیں۔ اسے خوش رہنے اور کوئی بھی پریشان کن بات نہ سوچنے کو ہدایت کر رکھی تھی۔ مگر کیا خوش رہنے کی کوشش کرنے سے انسان خوش رہ سکتا ہے؟ ڈاکٹر نے اس کی تمام تکلیف کا سبب اس کے ڈپریشن اور زندگی سے ناامیدی کو قرار دیا تھا۔

یہ وجوہات ختم کرنے سے وہ قاصر تھا سو "فی الوقت" اٹھتے اس درد کو خاموشی سے سہہ لیا کرتا تھا۔ کبھی نہ ہوتا تو یہ درد مہینوں نہ ہوتا اور اگر ہونے پر آتا تو کئی کئی دن اس کو نڈھال اور اذیت میں مبتلا کیے رکھتا تھا۔ اس درد کے ساتھ اس کے اندر غصہ اور زندگی سے نفرت لوٹ آیا کرتی تھی۔ وہ بہت غصہ ہو جاتا تھا، معمولی معمولی باتوں پر اسے غصہ آنے لگتا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ یہ غصہ درحقیقت اس کے اندر کی اداسیاں اور محرومیاں تھیں۔ جیسے جیسے یہ درد بڑھتا اس کا ڈپریشن بھی بڑھتا اور اس کے اندر اپنی زندگی ختم کر لینے کی خواہش پھر بیدار ہونے لگتی۔ یہ کیفیت مستقل نہیں رہتی تھی۔ کبھی چند دن، کبھی چند گھنٹے، کبھی محض چند منٹ مگر یہ اس کا مستقل طور پر پیچھا بھی نہیں چھوڑتی تھی۔

طبیعت جیسی بھی تھی اسے دفتر تو ہر حال میں جانا تھا۔ وہ ہوٹل میں بیٹھ کر اس درد کے نخرے اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس پر طاری ہوا خود کو ختم کرنے کا احساس اسے خود کو تکلیف اور اذیت دینے پر اکسا رہا تھا۔ اس کی گردن میں اس شدت کا درد تھا کہ وہ اپنی گردن دائیں بائیں گھما نہیں پا رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سانس بھی کھنچ کھنچ کر آ رہی تھی مگر وہ روز کی طرح تیار ہو کر آفس چلا گیا تھا۔ دفتر میں وہ کسی کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اسے کتنی شدید تکلیف ہے۔ اسے گردن دائیں بائیں نہ گھماتا دیکھ کر زیادہ سے زیادہ کسی نے کچھ سوچا ہوگا تو یہ ہی کہ رات سوتے میں اس کی گردن میں کوئی جھٹکا وغیرہ آ گیا ہے۔ روبرٹو نے تو اس سے یہ بات پوچھ بھی لی تھی۔

"ہاں سوتے میں جھٹکا آ گیا تھا۔"

اس نے روبرٹو کی بات کا اثبات میں جواب دیا تھا۔ روبرٹو اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ چار پانچ دنوں کے لیے گھومنے پھرنے وینس جا رہا تھا۔

"تم بھی وینس ضرور جانا سکندر۔ اٹلی آئے ہو، وینس گھومے بغیر واپس چلے گئے تو تمہارا ٹرپ ادھورا رہ جائے گا۔"

روم جہاں وہ قیام پذیر تھا، اسے دیکھنے اور وہاں گھومنے پھرنے کا کوئی شوق نہ تھا تو وہ اٹلی کے کسی اور شہر میں کیا جاتا، بہرحال اس نے "ہاں کوشش کروں گا" کہہ کر روبرٹو کی اس بات کا بھی اثبات ہی میں جواب دیا تھا۔ آج رات اسے آفس کے انتہائی اہم کام سے نیپلز جانا تھا۔ وہاں کی ایک کمپنی کی ان کی کمپنی کے ساتھ ایک انتہائی اہم نوعیت کی میٹنگ تھی۔ آفس کی جانب سے اس کے جانے کے انتظامات مکمل تھے۔ اٹلی کی انتہائی تیز رفتار اور مہنگی ٹرین Alta velocita جو اٹلی کے چند شہروں کے درمیان چلا کرتی تھی اس میں اس کی سیٹ ریزرو کروائی جا چکی تھی۔ Alta velocita نے اسے سوا گھنٹے میں نیپلز پہنچا دینا تھا۔ صبح نو بجے اس کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ سے قبل کے چند گھنٹے گزارنے کے لیے آفس کی جانب سے نیپلز کے ایک ہوٹل میں اس کے لیے روم بھی بک کروایا جا چکا تھا۔

آفس میں پورا دن گزار کر شام میں ہی اٹھا تھا۔ درد تو ہوا کرے۔ اس نے واپسی کے لیے روزانہ کی طرح واک کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ میٹرو، ٹیکسی یا آفس کی گاڑی میں اپنے ہوٹل نہیں جائے گا۔ اس نے خود اذیتی سے سوچا تھا۔ ابھی وہ Via Barberini ہی پر تھا جب پیچھے سے ایک گاڑی اسے ہارن دیتی اس کے نزدیک آ کر رکی۔

"دیکھو تقدیر نے پھر ہمیں ملا دیا۔"

لیزا اس کر گاڑی کا شیشہ نیچے کرتی ہوئی اس سے بولی تھی۔ وہ جواباً کچھ بھی نہیں بولا۔ آخر اس لڑکی کی یہ کیوں سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس کی بے تکلفی سخت ناپسند کرتا ہے۔

"آؤ بیٹھو، کہاں جانا ہے۔ تمہیں میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔"

وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے اس کی کوئی دوست ہو۔ وہ اپنا غصہ دبا نہ سکا۔

"نو تھینکس، میں پیدل ہی جانا چاہتا ہوں۔"

"کم آن سکندر، ایسی بات مت کرو۔ میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" بے تکلفی اور اصرار لیا جملہ اس نے مکمل نہیں ہونے دیا تھا۔ بھاڑ میں جائے روبرٹو اور اس کی دوست اور بھاڑ میں جائے لحاظ اور اخلاقیات۔ جھنجلاہٹ اس پر پوری طرح حاوی تھی۔

"جب میں تمہیں منع کر چکا ہوں تو تمہاری سمجھ میں میری بات کیوں نہیں آ رہی؟ میں تمہارے ساتھ بات کرنے، بیٹھنے یا دوستی کرنے میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ تمہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ روبرٹو کی دوست ہو تو اس کی دوست بن کر رہو۔ میرے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیا کرو۔"

وہ بہت بدتمیزی سے خاصی تیز آواز میں بولا تھا۔ لیزا اس کی بدتمیزی پر حیرت سے آنکھیں پھاڑے بالکل ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ غصے سے تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے فوراً آگے بڑھ گیا تھا۔

وہ اپنے ہوٹل آ چکا تھا۔ اسے شدید تکلیف تھی۔ وہ آتے ہی بغیر لباس تبدیل کیے بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ مگر اسے لیٹنے میں بھی بہت تکلیف ہو رہی تھی کیونکہ گردن، کندھے اور بازوؤں میں درد کی شدت کے سبب وہ اپنی مرضی کے مطابق کروٹ بھی نہیں لے پا رہا تھا۔ اس کے سر میں ناقابل بیان حد تک درد تھا۔

جب یہ درد حد سے بڑھتا محسوس ہوا تب وہ بیڈ سے اٹھا۔ وہ اپنے ساتھ میڈیسنز لایا ہوا تھا جو ڈاکٹر نے اسے دے رکھی تھیں۔ اس نے گلاس میں پانی نکالا اور ٹیبلٹ وہ تیز اثر دوا لے لی جو ڈاکٹر نے اس کی اس درد کے لیے تجویز کر رکھی تھی۔

پھر وہ واپس بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ خود کو پرسکون کرنے کے لیے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس دوا سے درد کم ہونے کے ساتھ ساتھ نیند بھی طاری ہوا کرتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے خود پر نیند کا غلبہ محسوس کیا تو سوچا کہ اچھا ہے، وہ تھوڑی دیر سو لے۔ ابھی اس کی روانگی میں خاصے گھنٹے باقی ہیں۔ وہ سو کر اٹھے گا تو درد ختم نہیں بھی ہوا ہوگا تو کم ضرور ہو چکا ہوگا۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تو کمرہ مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کتنی دیر سویا ہے اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ مائیگرین میں کمی تھی مگر گردن اور کندھے کا درد اپنی جگہ برقرار تھا۔ اسے یاد آیا وہ آفس سے آ کر دوا لے کر سو گیا تھا۔ اس وقت چونکہ سورج غروب نہیں ہوا تھا، باہر سے روشنی آ رہی تھی، اس لیے اس نے کمرے کی لائٹس بھی آن نہیں کی تھیں۔ ٹائم کیا ہوا ہے؟ اسے جانے کی بھی تو تیاری کرنی ہے۔ اس نے پاس رکھا موبائل اٹھا کر اس میں وقت دیکھا۔

صبح کے چار بج رہے تھے۔ شاید وہ موبائل میں ٹائم غلط دیکھ رہا ہے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج کر دو منٹ اور اس کی ٹرین کو رات کے ایک بجے روانہ ہونا تھا۔

وہ گھبرا کر ایک دم ہی بیڈ پر اٹھ کر بیٹھا تھا۔ اس کی ٹرین مس ہو گئی۔ اب وہ وقت پر نیپلز کس طرح پہنچ پائے گا؟ وہ اس طرح سے کیسے سو گیا۔ اسے دوا نہیں لینی چاہیے تھی۔ چند گھنٹوں کی تو بات تھی برداشت کر لیتا درد۔ بہرحال جو ہو چکا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ اب اس کو فوری طور پر اس پریشانی کا کوئی حل ڈھونڈنا تھا۔ اسے فوری طور پر نیپلز پہنچنے کے لیے کوئی

ور راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔

اس نے ہوٹل کے ریسپشن کا نمبر ملایا۔ وہاں پر اسے بتایا گیا کہ Alta velocita یا eurostar ان دونوں تیز رفتار ٹرینوں میں سفر کے لیے پہلے سے سیٹ ریزرو کروانی پڑتی ہے۔ اچھا تو وہ سیٹ ریزرو کروالیتا ہے' اگلی ٹرین روانہ کتنے بجے ہوگی۔ ریسپشن پر موجود لڑکی نے اسے اس کی مطلوبہ معلومات پچیس منٹ کے بعد فون پر پہنچائی تھیں۔ صبح چھ بجے eurostar نے روانہ ہونا تھا' مگر اس میں کوئی سیٹ دستیاب نہیں تھی اور اگلی Alta velocita نے روم سے نیپلز کے لیے روانہ ہی صبح آٹھ بجے ہونا تھا۔

وہ حقیقتاً" پریشان ہو گیا تھا۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھا تھا۔ میٹنگ کی اہمیت' اس کی حساس نوعیت' اسے تو وہاں وقت سے پہلے موجود ہونا چاہیے تھا' جبکہ یہاں تو اس کے صحیح وقت پر ہی پہنچنے کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ روبرٹو کے علاوہ اس کے پاس اپنے یہاں کے آفس کے کسی بھی فرد کا کنٹریکٹ نمبر نہیں تھا۔ اب وہ کیا کرے' کسی نہ کسی سے تو اسے مدد لینی پڑے گی۔ اٹلی اس کا ملک نہیں' اسے یہاں کی زبان نہیں آتی' ہوٹل سے تو معمولی سی معلومات ہی اسے آدھے گھنٹے بعد پہنچائی گئی تھیں۔

"کیا پتا کبھی تمہیں آرٹ میں دلچسپی ہو جائے اور تم مجھ سے کوئی پینٹنگ بنوانا چاہو۔"

روبرٹو کے علاوہ اور کون اٹالین ہے جسے وہ جانتا ہے اور جس کا کنٹریکٹ نمبر اس کے پاس موجود ہے۔ اس نے ذہن دوڑانا شروع کیا تو یک دم ہی اسے دو روز قبل لیزا کے ساتھ لنچ کرنا اور اس کا اسے اپنا فون نمبر دینا یاد آیا۔ اس نے وہ چٹ کہاں رکھی تھی۔ پھینکی تو نہیں تھی' یہ اسے یاد تھا۔ ہاں روبرٹو کے سامنے مروت ظاہر کرنے کو اس نے وہ چٹ جیب سے اپنا والٹ نکال کر اس میں رکھی تھی۔ یہ سوچ کر کہ باہر جا کر پھینک دے گا۔ مگر پھر اسے وہ پھینکنا یاد نہیں رہا تھا۔

وہ ایک دم ہی تیز رفتاری سے [illegible] اس کے کوٹ کی جیب میں تھا اور کوٹ صوفے پر پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے والٹ میز پر اوندھا کر کے پورا خالی کر دیا۔ اس میں سے وہ چٹ نکل آئی تھی۔ وہ لیزا کا موبائل نمبر تھا۔ اس نے تیز رفتاری سے وہ نمبر ڈائل کیا تھا۔ وہ نیپلز جلدی پہنچنے کا کوئی متبادل ذریعہ اس سے پوچھ لے گا۔ اس کا تو یہ ملک ہے' وہ اسے ضرور کوئی متبادل بتا سکے گی۔ بیل جا رہی تھی۔ مگر یہ ٹائم کیا اسے فون کرنے کا کوئی مناسب ٹائم ہے؟ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو پونے پانچ بجا رہی تھی۔

وہ لیزا کا دوست نہیں۔ اس کا لیزا پر ایسا کوئی حق نہیں کہ وہ اسے بے وقت فون کھڑکا سکے' جبکہ گزشتہ شام وہ اس سے کافی ٹھیک ٹھاک بدتمیزی بھی کر چکا ہے۔ اس خیال کے آنے کی دیر تھی' اس نے فوراً" ہی لائن کاٹ دی تھی۔ نہیں' لیزا کو فون کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ ابھی اس نے لائن کاٹی ہی تھی کہ لیزا کے نمبر سے اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ اس نے فوراً" ہی کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔ جواباً" وہ اٹالین میں روانی سے کوئی جملہ بولی تھی' جو ظاہر ہے' اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ جواباً" انگریزی میں بولا تھا۔

"لیزا! یہ میں ہوں سکندر۔"

"اوہ سکندر! تم ہو؟" وہ جیسے ان جانے نمبر سے کال کرنے والے کو اب شناخت کر پائی [illegible]

"میرے پاس [illegible] معلوم نمبر [illegible] اور پھر فوراً" ہی لائن کٹ دی [illegible] سوچا کون ہے اس ٹائم پر کال [illegible] ہے یہ چیک کرنے کے لیے [illegible] اپنے اسی مخصوص خوش اخلاق [illegible]

"[illegible] سوری' میں نے تمہیں غلط وقت پر کال کی۔"

"[illegible] کوئی بات نہیں' میں جاگی ہوئی ہی تھی۔ تم بتاؤ' کیسے فون کیا تھا؟ کوئی پرابلم؟" وہ کل اس سے کتنی بدتمیزی سے پیش آ چکا ہے' اس بات کا ہلکا سا بھی تاثر اس کے لہجے میں موجود نہیں تھا۔ اس کی وہ ہی بے تکلفی' دوستی' خوش دلی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"مجھے صبح آٹھ بجے نیپلز پہنچنا ہے' ایک بہت ہی اہم میٹنگ کے لیے۔ اتفاق سے میری آنکھ لگ گئی اور میری ٹرین مس ہو گئی ہے۔ پلیز تم مجھے یہ گائیڈ کر دو کہ میں اب کس ذریعے سے سفر کروں کہ نیپلز درست وقت پر پہنچ سکوں۔"

"تمہیں نیپلز جانا ہے' ہوں۔" اس نے سوچنا شروع کیا۔

"جہاز کا آپشن تو فضول ہے۔ فلائٹ کا ٹائم تو ایک گھنٹے سے بھی کم ہے۔ مگر یہاں [illegible] پہنچنے [illegible] پھر وہاں تمام فارمیلٹیز [illegible] کرنے کے بعد نیپلز پہنچ کے تو وہاں [illegible] سے شہر کے مرکز تک پہنچنے میں [illegible] لگ جائیں گے۔ جتنی بھی فاسٹ [illegible] تمہیں کم سے کم بھی ایک [illegible] بک [illegible] کروانی پڑے گی کیونکہ ٹورسٹ [illegible] ان پر رش ہوگا۔ سلو ٹرینز سے پہنچنے میں [illegible] سے ساڑھے تین گھنٹے لگ جائیں گے۔" [illegible] مختلف آپشنز پر غور کرتی جلدی جلدی بول رہی تھی۔

"بائی روڈ۔" وہ ایک دم ہی بولی۔ "تمہیں بائی روڈ نیپلز جانا چاہیے۔ صبح سویرے کا وقت ہے' اس وقت تمہیں زیادہ ٹریفک نہیں ملے گا اور ڈرائیور اگر مجھ جیسا ہوا تو تم ڈھائی گھنٹے میں نیپلز میں ہو گے۔" وہ ہنس کر بولی۔

ابھی وہ جواباً" کچھ بول بھی نہیں پایا تھا کہ وہ فوراً" ہی مزید بولی۔

"تم مجھے اپنے ہوٹل کا نام بتاؤ۔ میں تمہارے پاس آ رہی ہوں' جتنی دیر مجھے پہنچنے میں لگے گی' تم اس میں اپنی تیاری کر لو۔"

وہ اس سے صرف مشورہ اور حل معلوم کرنا چاہتا تھا' اس کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا۔ یہ بالکل بھی مناسب نہیں تھا' اپنی وجہ سے کسی کو زحمت دینا' نیند سے اٹھانا اور پھر دوسرے شہر جانا۔

"تم زحمت مت کرو لیزا! میں..." اسے خود نہیں پتا تھا' وہ خود کس طرح [illegible] نیپلز پہنچ جائے گا۔ ٹیکسی وغیرہ کا بھی [illegible] کرتا ہے تو زبان کا مسئلہ راستے میں [illegible] میں در پیش آ سکتا تھا۔ لیزا اس [illegible] ادھورے جملے کے جواب میں فوراً" بولی

"[illegible] بھی ان فارمیلٹیز کو رہنے دو' اس وقت تمہارے لیے اہم ہے وقت پر نیپلز پہنچنا۔ تم جلدی سے تیاری کرو' میں فوراً" پہنچ رہی ہوں۔"

ہاں' اس وقت اسے مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔ اس نے نیم رضامندی کے ساتھ لیزا کو اپنے ہوٹل کا نام بتا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کا گھر قریب تھا یا وہ واقعی اپنے دعوے کے مطابق تیز ڈرائیونگ کرتی تھی جو محض پندرہ منٹ کے اندر اس کے ہوٹل میں موجود تھی۔ وہ ہوٹل کی لابی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ لیزا نے اسے کال کی تھی۔

"میں پہنچ گئی ہوں' تم باہر آ جاؤ۔"

وہ اپنا لیدر بریف کیس ہاتھ میں لیے باہر آ گیا تھا۔ اسے سخت شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ کسی سے آپ اتنی بدتمیزی کریں اور پھر محض بارہ گھنٹوں کے اندر اندر اسی شخص سے مدد لیں۔ اسے لیزا کا سامنا کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ مگر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کر رہی تھی۔ اس نے کریم کلر کی جرسی ٹی شرٹ بلیک جینز کے ساتھ پہن رکھی تھی۔ اس کے سرخی مائل براؤن بال شانوں سے کچھ نیچے آتے تھے اور اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ اس نے آگے کے بالوں کو کانوں کے پیچھے کر رکھا تھا۔ پنک لپ اسٹک اس کے ہونٹوں پر سجی تھی۔ ہمیشہ کی طرح نفیس اور ڈیسنٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ سیٹ بیلٹ باندھے ہوئے بیٹھی تھی۔

"چلو سکندر۔"

"چلو۔" وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

اس نے بھی سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی۔ پانچ پینتیس، پانچ چالیس پر سورج طلوع ہوا کرتا تھا گویا ابھی سورج بھی طلوع نہ ہوا تھا جب سوا پانچ بجے انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

"ایم سوری لیزا! تمہیں میری وجہ سے اس قدر زحمت اٹھانا پڑ رہی ہے۔"

جو وقت لوگوں کے سونے اور آرام کرنے کا ہوتا ہے اس وقت اپنے آرام دہ بستر سے نکل کر وہ اسے ایک دوسرے شہر پہنچانے جارہی تھی۔ وہ سخت شرمندگی محسوس کررہا تھا۔ اس کے ساتھ اس نے ایسا کون سا دوستانہ رویہ رکھا تھا جو بدلے میں اپنے لیے کسی احسان کی توقع رکھتا۔

"اتنے پر تکلف بھاری بھرکم جملے مت بولو، تم روبرٹو کے کولیگ ہو اور روبرٹو میرے بچپن کا دوست ہے۔ وہ اگر روما میں موجود نہیں ہے تو اس کی غیر موجودگی میں مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

"تم اس وقت جاگی ہوئی کیسے تھیں؟" اسے یاد آیا وہ فون پر یہی کہہ رہی تھی کہ وہ جاگی ہوئی تھی۔

لیزا اس کے سوال پر ہنسی۔ "میں اپنے اسٹوڈیو میں تھی، پینٹنگ کررہی تھی۔ تمہارا شاید کبھی واسطہ نہیں پڑا ہم آرٹسٹ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کام کی دھن سوار ہو جائے تو دن اور رات کے احساس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔"

اس کی نگاہیں اسٹیئرنگ پر جمے لیزا کے ہاتھوں پر پڑیں۔ اس کی انگلیاں لمبی مخروطی تھیں۔ بلاشبہ یہ ہاتھ ایک آرٹسٹ ہی کے ہاتھ تھے۔ ٹرین مس ہونے کی فکر اور نیپلز وقت پر پہنچنے کی پریشانی میں اسے اپنا درد بھول گیا تھا۔ اب پرسکون ہو کر گاڑی میں بیٹھا تھا تو درد کا احساس جاگا تھا۔ وہ لوگ ہائی وے کی طرف رواں دواں تھے۔ لیزا کا دعوا تھا کہ وہ اسے ساڑھے سات اور پونے آٹھ کے بیچ نیپلز پہنچا دے گی۔ اسے دوبارہ درد کی شدت محسوس ہونے لگی تھی۔ پچھلے حصے سے اٹھتا، کندھے اور بازو تک جاتا ہوا درد اس وقت صرف اس کے سر میں ہی محسوس ہو رہا تھا۔ ایک دو منٹ کے لیے اس نے آنکھیں بند کی تھیں۔ سیٹ کی پشت سے کمر ٹکائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لیزا کی توجہ ڈرائیونگ پر ہے۔ اس کا دھیان اس پر نہیں گیا ہوگا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں لیزا نے اس سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اپنے الفاظ میں زور پیدا کرتا فوراً بولا۔

"مجھے نہیں لگ رہی۔" وہ جواباً سنجیدگی سے بولی۔ اس بار وہ جواب میں چپ رہا تھا۔ اس کا اپنی طبیعت کو موضوع گفتگو بنانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ چونکہ اسے گردن دائیں بائیں کرنے میں تکلیف ہو رہی تھی، اس لیے اس سے بات کرنے کے لیے وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوما۔ اب جبکہ وہ اس کا احسان لے چکا تھا اور وہ اتنی غیر معمولی حد تک جا کر اس کی مدد کررہی تھی تب اخلاق اور تہذیب کا تقاضا یہ ہی تھا کہ وہ اپنے کل شام کے رویے پر اس سے معذرت کرے۔ اس کے کچھ کہنے سے بھی پہلے [illegible] نہیں لیزا نے اسے اتنے غور سے کیوں دیکھا [illegible] سنجیدگی و بردباری سے گویا ہوا تھا۔

"ایم ایکسٹریملی سوری لیزا! میں [illegible] ساتھ کافی مس بی ہیو کیا تھا۔ [illegible] اور بات پر اپ سیٹ تھا۔"

"[illegible] میں تمہارے [illegible] تم مجھ پر خفا ہوگئے۔" وہ اس [illegible] مسکرا کر بولی۔ جملے کے اختتام پر [illegible] بات کا موضوع بھی [illegible] اسے اتنی [illegible] کے بعد اب اندازہ ہو چکا تھا کہ بات بے بات مسکرانا اور بے تحاشا بولنا اس لڑکی کی عادت تھی۔

"[illegible] فکر رہو، میں نے تمہاری باتوں کا برا نہیں [illegible] مجھے کل ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم کسی اور بات سے اپ سیٹ ہو، ویسے تم کس بات پر اپ سیٹ تھے؟"

پھر وہی ذاتی سوال۔ آخر یہ لڑکی اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کیوں کرتی تھی؟ شاید نہیں۔ یقیناً اس کے چہرے پر ایسے تاثرات آ گئے تھے کہ وہ اس سوال کو ناپسند کر رہا ہے۔ تب ہی وہ جلدی سے معذرت کرنے والے انداز میں بولی۔

"نہیں بتانا چاہتے۔ مت بتاؤ۔ مگر دوبارہ مجھ پر اپ سیٹ مت ہونا۔"

جملے کے آخر میں وہ مسکرائی تھی۔ تکلیف کے باوجود اس بار وہ بھی مسکرایا تھا۔

"تمہاری گردن میں تکلیف ہے؟" اسے اب [illegible] کا چند منٹ قبل اپنی جانب تھوڑا گھوم کر [illegible] وہ جس طرح پورا کا پورا اس کی طرف گھوما تھا بات کرنے کے لیے [illegible] لیزا نے محسوس [illegible]

"ہاں، شاید سوتے [illegible]" [illegible] قصداً "بہت لاپروا [illegible]" [illegible] ہاتھ بڑھا کر اس کی سیٹ بیک کو پیچھے [illegible] کر دیا۔

"تم آرام سے [illegible] کر بیٹھ جاؤ، چاہو تو پیچھے سیٹ پر لیٹ جاؤ۔" وہ اس آفر پر اب کی بار ہنس پڑا تھا۔

"[illegible] کیوں؟ میں نے کیا کوئی لطیفہ سنایا ہے؟" [illegible] تھوڑا۔

"بس نہیں ایسے ہی۔" وہ ہنسی روک کر بولا۔

"تم کیا پینٹ کرتی ہو؟" اس نے پہلی بار اس سے کوئی سوال کیا تھا، اس کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔

"زیادہ تر لینڈ اسکیپ، اسٹل لائف اور پورٹریٹس، کبھی کبھی موڈ بن جائے تو وہ بھی پینٹ کرتی ہوں ورنہ میرے خاص موضوعات یہ ہی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم روما میں رہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہاری فیملی بھی وہیں رہتی ہے؟"

لیزا نے یہ سوال شاید یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ مگر اس کے لب ایک دم ہی بھنچ گئے تھے۔ چہرے پر سختی اور کھردراپن آگیا تھا۔

"بہتر ہوگا لیزا! اگر تم مجھ سے پرسنل سوالات نہ کرو۔" سخت لہجے میں بولتے بولتے اسے ایک دم ہی یاد آگیا کہ وہ اس وقت اس کی گاڑی میں اس کے آسرے پر، اس کی مدد کے سہارے نیپلز جا رہا ہے، تب فوراً ہی اپنی ٹون نارمل کرتے [illegible] سخت جملے کا اثر زائل کرنے کے لیے بولا۔

"تمہیں [illegible] میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" لیزا نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اس کے فیملی نہ ہونے والے جملے کو کوئی بھی نہیں لیا تھا اس نے اگر نوٹس لیا تھا [illegible] اس کے پل بھر میں بدلتے لب و لہجے کا۔ ایک [illegible] لڑکی کے لیے فیملی کی کیا اہمیت ہو سکتی تھی جو وہ اس کے جملے میں موجود کرب کو محسوس کر پاتی۔

"تم اچھے خاصے بدتمیز پرسن ہو۔ کہوں یہ بدتمیزی تمہیں سوٹ کرتی ہے۔"

وہ جملہ مکمل کرنے کے بعد مسکرائی تھی۔ وہ جس رفتار سے ڈرائیونگ کر رہی تھی اسے یقین تھا وہ اسے مقررہ وقت سے پہلے نیپلز پہنچا دے گی۔ ایک دو بار تو اس نے اتنے خطرناک انداز میں موڑ کاٹا تھا کہ اسے لگا تھا اب ایکسیڈنٹ ہوا کہ تب۔

"تم مجھے ٹائم پر پہنچانے کے لیے اس اسپیڈ سے ڈرائیو کر رہی ہو؟"

"نہیں، یہ میری عادت ہے۔ ان فیکٹ یہ تمام اٹالینز کی عادت ہوتی ہے۔ فاسٹ ڈرائیونگ ہم اٹالینز کی پہچان ہے۔"

جو بات قابل فخر ہرگز نہ تھی، وہ اسے بھی فخریہ انداز میں بیان کر رہی تھی۔ وہ اس کے فخریہ انداز میں گردن اونچی کر کے بولنے پر مسکرایا تھا۔ چند منٹ خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہنے کے بعد لیزا نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سیدھا بیٹھا ونڈ اسکرین سے اس پار ہائی وے کو دیکھ رہا تھا۔ لیزا کی نگاہیں محسوس کر کے وہ پھر گردن اس کی طرف نہ گھما سکنے کے باعث سیٹ پر بیٹھے بیٹھے پورا اس کی طرف گھوما۔

"تمہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے نا؟ تم نے کوئی میڈیسن لی؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میڈیسن لے لی تھی۔ تکلیف زیادہ نہیں ہے۔ لاؤ اب میں ڈرائیو کروں؟" اس نے لیزا سے کہا۔ اتنی صبح سویرے وہ اسے دوسرے شہر پہنچانے جارہی تھی،

اسے مسلسل شرمندگی کا احساس تھا۔

"ہم آرام سے پہنچ گئے اور میری ڈرائیونگ سے لطف اندوز ہوئے" وہ مسکرا کر شرارت بھرے انداز میں بولی۔

"تمہاری اس ڈرائیونگ کے دوران صرف اللہ یاد آسکتا ہے اور آرہا ہے۔" وہ اسی کی ٹون میں جواباً بولا۔

لیزا کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ "میری یہ ڈرائیونگ ہی تمہیں ٹھیک وقت پر تمہاری منزل پر پہنچائے گی۔" اسے بات بے بات کس قدر ہنسنے کی عادت تھی۔

"تم نے میرے روما میں اب تک کہاں کہاں گھوم لیا؟ کتنی جگہوں کی سیر کرلی؟"

چند منٹوں کی خاموشی کے بعد لیزا نے اس سے پوچھا۔ اس کے میرے روما کہنے میں اپنے شہر کے لیے بے پناہ محبتیں چھپی ہوئی تھیں۔

"کسی بھی جگہ کی نہیں' میں نے صرف Veneto اور Via Barberini Via کے آس پاس کی جگہیں آتے جاتے دیکھی ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"کیا؟ تم eternal city میں ہو' دنیا بھر کے ٹورسٹ کی فیورٹ جگہ پر آئے ہوئے ہو اور وہاں پر کچھ بھی نہیں دیکھا؟"

وہ حیرت کی زیادتی سے چلائی تھی۔ لیزا کے لفظ اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اپنے شہر سے محبت کرتی ہے اور اس پر فخر بھی کرتا ہے۔

"ہاں' میرے پاس ٹائم نہیں تھا اور میرا دل بھی نہیں چاہا تھا۔"

وہ جواباً سنجیدگی سے بولا تھا۔ لیزا نے افسوس سے سرہلایا تھا۔

لیزا نے اپنے وعدے کے مطابق پونے آٹھ بجے اسے نیپلز پہنچا دیا تھا۔

" Wel come to naples the birth place of pizza "

(پیزا کے پیدائشی شہر نیپلز میں خوش آمدید) لیزا نے مسکرا کر قدرے فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا' وہ جواباً مسکرا کر بولا۔

" and organized crime " (اور منظم جرائم) لیزا نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ وہ اپنے روما ہی سے نہیں وہ اپنے پورے اٹلی سے محبت کرتی تھی۔ تب ہی اس کے خلاف کچھ سننا اسے پسند نہیں تھا۔

"کیوں میں نے غلط تو نہیں کہا۔ پیزا کی پیدائش نیپلز میں ہوئی تھی تو دنیا بھر میں منظم جرائم کا آغاز بھی تو یہیں سے ہوا تھا کیونکہ یہاں کا مافیا کامورا (camorra) دنیا کا خطرناک ترین مافیا نہیں؟"

وہ اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا اب پرسکون تھا اس لیے اسے لیزا کو چڑانے میں لطف بھی آیا تھا۔

"ہاں ہے۔ مگر عام لوگوں کے ساتھ یہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ نیپلز کی ریپوٹیشن بری زیادہ ہے۔" وہ فوراً نیپلز کے دفاع میں بولی تھی۔

آٹھ بجے وہ اسے اس سڑک پر لے آئی تھی جہاں اس کمپنی کا ہیڈ آفس واقع تھا جن کے ساتھ اس کی میٹنگ تھی۔ جس علاقے میں وہ تھے وہاں جدید عمارتیں تھیں۔ وہ سامنے نظر آتی بلڈنگز کو دیکھ رہا تھا جب لیزا اس سے بولی۔

"نیپلز کے دو رخ ہیں۔ ایک تاریخی اور ایک [illegible] اس ماڈرن علاقے سے ذرا نکلو تو [illegible] عمارتیں نظر آئیں گی اور فوارے [illegible]"

اس نے [illegible] ول پاور کو استعمال کرکے [illegible] احساس کو خود پر حاوی [illegible] رکھا تھا۔

[illegible] میٹنگ تھی اور اس کے لیے [illegible] اور ایکٹو رہنا تھا' اپنے ذہن کو [illegible] حاضر رکھنا تھا۔ اب چونکہ اس کی منزل نزدیک آچکی تھی تو گویا لیزا کا شکریہ ادا کرنے کا وقت آچکا تھا۔

اس نے دل میں ارادہ کیا تھا' وہ اٹلی سے واپس جانے سے قبل لیزا کو کوئی بہت اچھا اور قیمتی تحفہ دے کر جائے گا۔ اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہیں' یہ تو بہت چھوٹی سوچ ہوتی مگر اسے یہ ضرور جتانے کے لیے کہ وہ اس کے خلوص اور دوستانہ رویے کی دل سے قدر کرتا ہے۔

"تمہارا بہت شکریہ لیزا! تم آج حقیقت میں میرے لیے رحمت کا فرشتہ بنی ہو۔ تمہاری وجہ سے میں نیپلز ٹھیک وقت پر پہنچ پایا ہوں۔"

اس نے تشکر کے احساس سے لبریز الوداعی جملے بولنے شروع کیے ہی تھے کہ لیزا گاڑی کو ایک پلازے کے پاس لاکر روکتی ہوئی بولی۔

"ابھی کہاں سے شکریہ [illegible] آگیا؟ جب ہم روما واپس پہنچ جائیں گے تب میرا شکریہ [illegible]"

"تم یہاں رکو گی؟" [illegible] "میری دونوں طرف کی ٹرین کی [illegible] ہے۔ میں شام میں اپنے طے [illegible] کے مطابق Velocita Alta سے [illegible]"

"[illegible] ڈرائیو' وہ بھی خالی پیٹ کرکے [illegible] ہو جاؤں؟ تم نے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے' [illegible] منظور؟" "میں نے ابھی ناشتا کرنا ہے' کچھ دیر آرام کرنا ہے' پھر جاؤں گی واپس۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی ورنہ تم پھر سے اپنی ٹرین مس کردو۔"

لیزا اسے جواب دے کر گاڑی کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"آؤ ناشتا کرلیتے ہیں' جلدی سے۔ پھر تمہاری میٹنگ کا ٹائم ہو جائے گا۔"

وہ مسکرا کر کہتی گاڑی سے اتر گئی تھی۔ لیزا کا انداز اٹل تھا' گویا وہ اسے ساتھ لے کر ہی واپس جائے گی۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر آیا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ امریکہ میں گزارا تھا۔ جہاں بار کا مطلب وہ جگہ تھی جہاں شراب نوشی کے لیے جایا جاتا تھا۔ اٹلی آکر اسے پتا چلا تھا کہ یہاں بار کا مطلب امریکہ والے بار سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں بار کا مطلب وہ جگہ تھی جہاں اٹالینز صبح اپنے کام پر جانے سے پہلے کافی پینے اور ناشتا کرنے آیا کرتے تھے' اسی طرح شام یا رات کے اوقات میں بھی یہاں زیادہ تر اٹالینز کافی پینے ہی کے

لیے میزوں پر بیٹھے نظر آتے تھے اس کے علاوہ یہاں ہی سے لوگ اپنے روزمرہ استعمال کے دودھ کے ڈبے اور بوتلیں خریدا کرتے تھے۔ یہ بار زاتالین سوشل لائف کا ایک اہم حصہ تھے۔ وہ جتنے دنوں سے روم میں تھا روزانہ آفس جاتے وقت راستے میں پڑتے ایک بار پر لوگوں کو سینڈوچ 'پیسٹری' ڈونٹ کے ساتھ جلدی جلدی کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ یہ جلدی ان کے اپنے کام پر پہنچنے کی عجلت کو ظاہر کیا کرتی تھی۔ وہ دونوں اندر آگئے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے جو بار ٹینڈر کھڑا تھا۔ لیزا نے اس کو دو سینڈوچز اور دو کپ کافی کا آرڈر کیا تھا۔ وہاں کچھ لوگ میزوں پر بیٹھے کافی اور پیسٹری یا سینڈوچز کھا رہے تھے' بلکہ زیادہ تعداد میں لوگ کاؤنٹر کے سامنے ہی کھڑے جلدی جلدی اپنا ناشتا نمٹانے میں مصروف تھے۔ وہ اور لیزا ایک میز پر بیٹھ گئے تھے۔

"تم پلیز اپنی سہولت کے حساب سے واپس چلی جاؤ۔ میری میٹنگ پتا نہیں کتنے گھنٹے چلے؟" وہ سینڈوچ کھاتے ہوئے اس سے بولا۔ وہ اسے اپنی وجہ سے مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

"سینیور سکندر! میں کوئی بھی کام ادھورا نہیں کرتی' یہ میری عادت ہے۔ تمہیں ساتھ لے کر آئی ہوں تو اب ساتھ واپس لے کر بھی جاؤں گی۔ ایسی دکھی شکل مت بناؤ۔ میں آج کافی سالوں بعد نیپلز آئی ہوں۔ تمہاری بدولت اگر یہاں آہی گئی ہوں تو تھوڑا وقت یہاں گزارنا چاہتی ہوں۔ جب تک تم اپنی میٹنگ میں مصروف ہو گے میں یہاں کی کچھ آرٹ گیلریز کو وزٹ کرلوں گی۔ Napoletana پزا کھا لوں گی۔ بڑا عرصہ ہو گیا مجھے نیپلز کا پزا کھائے ہوئے۔"

وہ اسے یہاں نہ رکنے کے لیے اب مزید کچھ بھی کہہ نہیں سکتا تھا۔ پانچ چھ منٹ میں اپنے اپنے ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دونوں باہر نکل آئے [illegible] نے اسے اس کمپنی کے آفس کے سامنے [illegible]

"جب تمہاری میٹنگ ختم [illegible] جانا [illegible] مجھے کال کر دینا۔"

وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس سے بولی تھی۔ وہ لیزا پر سے اپنی سوچ کو ہٹاتا ہوا بلڈنگ کے اندر داخل ہو گیا تھا کہ سر دست اس کے لیے سب سے اہم چیز اس کی میٹنگ تھی۔

☼ ☼ ☼

میٹنگ ختم ہونے پر اس نے لیزا کو کال نہیں کی تھی۔ اسے یہ بات ہی بہت غلط محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اپنے دس کام چھوڑ کر یہاں نیپلز میں اس کی خاطر رکی ہوئی تھی۔ مگر لیزا نے خود ہی اسے فون کر لیا تھا۔

"ختم ہو گئی میٹنگ؟"

"ہاں۔" وہ آج صبح سویرے سے اس کے احسان لیتا شرمندہ سے شرمندہ تر ہوتے چلا جا رہا تھا۔

"آجاؤ باہر' میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ فوراً" ہی باہر آگیا تھا۔

"تم یہاں کب سے میرا انتظار کر رہی ہو؟"

"پندرہ بیس منٹ ہوئے ہیں مجھے آئے ہوئے زیادہ دیر سے نہیں کھڑی۔ جتنی دیر تمہاری میٹنگ چلی ہے تمہیں نے دو آرٹ گیلریز وزٹ [illegible] ایک دو جگہیں اور بھی جانے کا سوچا تھا' [illegible] یادیں تازہ کرنے کا مگر میں نے سوچا وہاں [illegible] نہ لگ جائے۔ پھر بلاوجہ تمہیں [illegible] کیا۔"

وہ گاڑی میں اس [illegible]

"تمہاری [illegible]

[illegible] بالکل ٹھیک ہو گیا۔" وہ [illegible] سکون [illegible] بولا۔ لیزا کے چہرے پر خوشی بھرا تاثر [illegible] تھا۔

"[illegible] یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔ تمہاری طبیعت اب [illegible] ہے۔"

اس نے میٹنگ کے اچھے انداز میں ہو جانے پر خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ ہی فوراً" اس کی طبیعت بھی پوچھی۔ ابھی وہ اس سوال کے جواب میں کچھ بھی

بولا تھا کہ وہ فوراً" سنجیدگی سے بولی۔

"اگر یہ پرسنل سوال نہیں اور تم جواب دینا چاہو تو تا دو ورنہ کوئی بات نہیں۔"

وہ اسے اس کی کہی بات جتا رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"نہیں' یہ پرسنل سوال نہیں۔ میری طبیعت ابھی بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔ مگر صبح سے کافی بہتر ہے۔ اصل میں مجھے cervical pain ہو رہا تھا۔"

"وہ تب ہی تم اتنی تکلیف میں لگ رہے تھے۔ تمہاری شکل دیکھ کر ہی پتا چل رہا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ فکر سے اس کی طرف [illegible] کر بولی۔ وہ اس بار ہنس دیا۔ "کچھ بھی نہیں ہوا [illegible]"

"تمہاری طبیعت [illegible] طرح ٹھیک نہیں ورنہ میں نے سوچا تھا [illegible] کی ایک دو خوب صورت جگہیں [illegible] دکھاؤں [illegible] آئندہ تم نیپلز کو صرف منظم [illegible] حوالے سے نہیں بلکہ اس کے خوب صورت [illegible] اصل ایریا اور اس کی history (تاریخی اہمیت) کے حوالے سے بھی یاد رکھو۔" وہ بے اختیار مسکرایا تھا۔

"تم نے میری بات دل پر لے لی۔ مجھے یقین ہے نیپلز بہت خوب صورت شہر ہے۔ میں نیپلز پہلی بار آیا ہوں مگر میں نے کئی موویز میں نیپلز کی کافی خوب صورت جگہیں دیکھ رکھی ہیں۔" لیزا اس کا جواب سن کر مسکرائی تھی۔

"چلو پزا کھاتے ہیں۔ نیپلز آکر تم نے یہاں کا پزا نہیں کھایا تو یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہو جائے گی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دنیا بھر میں مقبول یہ ڈش نیپلز میں غریبوں کی خوراک کے طور پر تیار کی گئی تھی' آج سوچو تو کس قدر عجیب ہوتا ہے۔

وہ اور لیزا نیپلز کی ایک خوب صورت پتھروں سے بنی سڑک کے کنارے [illegible] چھوٹے سے ریسٹورنٹ کے باہر میز [illegible] بیٹھے تھے۔ باہر لگی میزوں پر ان کے علاوہ [illegible] کچھ لوگ بیٹھے تھے جن میں کچھ مقامی افراد [illegible] خوب صورت تھے۔ یہ نیپلز کا وہ حصہ تھا جو [illegible] عمارتوں سے بھرا تھا' ہر دوسری بلڈنگ کم سے کم دو تین سو سال پرانی تھی۔ جس ریسٹورنٹ میں وہ پزا کھا رہے تھے لیزا بتا رہی تھی کہ وہ بھی تاریخی اہمیت کا حامل اور بہت قدیم تھا۔

"ہاں۔ نیپلز میں جب خوراک کی کمی ہو گئی تھی۔ غربت بہت بڑھ گئی تھی۔ تب غریب گھریلو عورتوں نے اپنے بچوں اور دیگر افراد خانہ کی خوراک کے لیے جو کچھ ان کے پاس دستیاب تھا' اس سے کھانا بنانا شروع کیا تھا۔ انہوں نے میدہ ' اولیو آئل' پنیر اور چند ہربس (herbs) کو اپنے گھروں میں موجود تندور میں بیک کر کے دنیا کا سب سے پہلا پزا تیار کیا تھا۔"

لیزا اس کی بات کے جواب میں پزا کے دریافت ہونے کی ہسٹری بیان کرنے لگی تھی۔

"آج بھی سارے اٹلی میں نیپلز کا پزا بیسٹ تسلیم کیا جاتا ہے۔" لیزا اسے بتا رہی تھی۔ وہ بھی اس کی طرح کسی بھی طرح کے گوشت کے بغیر والا پزا کھا رہی تھی۔ شاید وہ گوشت کے دلدادہ نہیں تھی۔ پزا تو مزے کا تھا' ساتھ آس پاس کا ماحول بھی بڑا زندگی سے بھرپور سا تھا۔ آس پاس سے گزرتے مقامی لوگ ٹورسٹس بندہ اکیلا بھی بیٹھا ہو تو بور نہ ہو۔ تاریخی عمارتوں کے درمیان گھری یہ جگہ واقعی دیکھے جانے اور وقت گزارے جانے کے لائق تھی۔

☼ ☼ ☼

جو کچھ زندگی اب تک اس کے ساتھ کرتی آئی تھی وہی ایک بار پھر دہرا گیا تھا۔ وہ نہ سکندر کو ہرا سکتا تھا نہ ہی اس کے برابر آسکتا تھا۔ وہ نمبر وہ تھا اسے ساری زندگی دوسرے نمبر ہی پر آنا تھا' اتنی سی خواہش کی تھی اس نے کہ سکندر کی طرح اس کا بھی ہارورڈ میں داخلہ

ہوجائے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ بے تحاشا محنت کی تھی، راتوں کو جاگ جاگ کر پڑھا تھا، مگر وہ سکندر کے مقابلے میں پھر ہار گیا تھا، جہاں سکندر کو رسائی نصیب ہوئی تھی وہاں اس کے قدم پہنچ نہ سکے تھے۔

شہریار خان کو اس کے ہارورڈ میں داخلہ نہ مل سکنے کا زیادہ افسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ بچپن کی باتیں تھیں جب وہ اسے سکندر کی مثالیں دے کر اس جیسا high achicever بننے کی تاکید کیا کرتے تھے اب شاید وہ اس سچائی کو تسلیم کر چکے تھے کہ ان کا دوسرے نمبر کا بیٹا ان صلاحیتوں اور قابلیت سے محروم ہے جو پہلی پوزیشن لینے والوں کے پاس ہوتی ہے، جو سکندر شہریار کے پاس ہے۔

وہ ذہین ہے مگر غیر معمولی ذہین نہیں، وہ قابل ہے مگر غیر معمولی قابلیت کا حامل نہیں، وہ محنتی ہے مگر اس قدرتی خوبی سے محروم ہے جس کے بل پر لوگ دنیا فتح کر لیا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ سکندر شہریار نہیں۔ شہریار خان اس کی تعلیم پر بھی اتنا ہی پیسہ خرچ کر رہے تھے جتنا سکندر کی۔

فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے حوالے سے انہوں نے کچھ پلان نہیں کر رکھا تھا، مستقبل کی ساری پلاننگ انہوں نے سکندر کی کر رکھی تھی۔ کس سال اس کی انڈر گریجویٹ اسٹڈیز پوری ہوں گی اور کس پوزیشن کے ساتھ ہوں گی پھر کس سال وہ لاء کا امتحان پاس کرے گا اور کتنے امتیازی نمبروں کے ساتھ کرے گا پھر وہ کس جگہ ملازمت سے اپنے شاندار اور بے مثال پروفیشنل کیریر کا آغاز کرے گا۔ لہٰذا اس کا ہارورڈ میں ایڈمیشن نہ ہونا ان کے لیے کوئی دکھ کی خبر نہیں بنا تھا، اس کا کیلی فورنیا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا تھا، سکندر نے اسے اس کے داخلے کی مبارک باد دینے کے لیے فون کیا تھا۔

"مبارک ہو زین۔"

"کس بات کی مبارک باد؟" اس نے [illegible] لہجے میں پوچھا تھا، اسے لگا تھا سکندر نے اس [illegible] طنز کرنے اور اس مذاق اڑانے کے لیے اسے فون کیا ہے۔ دیکھ لو جہاں میں ہوں وہاں تمہاری رسائی کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔

"تمہارا اتنی اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا ہے اس بات کی مبارک باد۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی بہت اچھی ہے زین۔"

"مگر ہارورڈ سے کم۔" اسے اگلا ہی دل میں اس پر ہنسے سکندر نے یہ ضرور کیا ہوگا۔ اسے سکندر کی خوشی مسخرانہ اور اس کی ہنسی اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ سکندر کے لبوں کی ہنسی اور اس کی زندگی کی ہر خوشی اس سے چھین لے۔

❀ ❀ ❀

وہ دونوں واپسی کے سفر پر تھے۔ کھانا ختم کرتے ہی انہوں نے واپسی کا سفر شروع کیا تھا۔

"میری وجہ سے تمہارا آج کا پورا دن ضائع ہو گیا۔ یقیناً تمہاری آج کے دن کے لیے اپنی بہت سی مصروفیات ہوں گی۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ اب اس کے دورو میں بہت کمی تھی۔

"میں آج کل اپنی ویکیشن (چھٹیاں) [illegible] رہی ہوں۔ لہٰذا وقت کی کوئی کمی [illegible] تمہارے ساتھ آگئی اس بہانے [illegible] دیکھ لیا، میں یہاں آخری [illegible] سال پہلے آئی تھی۔"

وہ جتنا اس کا [illegible] منہ موڑ رہا تھا وہ اتنا ہی یہ ثابت [illegible] کر اس کے ساتھ آکر اس [illegible] احسان نہیں کیا ہے۔ وہ کہاں جا [illegible] وہ آج کل اپنی چھٹیاں انجوائے کر رہی [illegible] ہے پوچھا نہیں۔

[illegible] ڈھائی گھنٹے کا سفر طے کیا گیا تھا۔ وہ روما کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ لیزا اس کی طرف دیکھ کر خیر مقدم کرنے والے انداز میں مسکرا کر اٹالین میں بولی۔

a roma la citta eterna"
"Benvenuto

وہ اس کے اٹالین جملے پر مسکرایا تھا۔

"La citta eterna تو سمجھ میں آگیا۔ باقی جملے کا مطلب بتاؤ۔"

to roma the eternal city"
"Welcome

(ابدی شہر روما میں خوش آمدید)

وہ بڑے جذب سے بولی تھی۔ اس نے غور لیزا کو دیکھا تھا۔

"تم اپنے شہر سے بہت پیار کرتی ہو [illegible]"

"ہاں بہت مجھے اپنے روما سے عشق ہے۔ یہاں کی سڑکیں یہاں کی [illegible] قدم قدم پر بکھری ہسٹری۔ میں ان سب [illegible]"

"حالانکہ [illegible] یہاں کی ہسٹری آرٹ [illegible] سب کچھ ہر وقت ہی تو تمہارے [illegible] موجود ہوتا ہے۔ عموماً" تو خوب صورت شہروں اور تاریخی جگہوں پر رہنے والے لوگ سب کو صبح شام دیکھ دیکھ کر فار گرانٹڈ (for granted) لینے لگتے ہیں۔"

وہ اپنے شہر سے اس کی والہانہ محبت محسوس کر کے سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میں اپنے شہر کی کسی بھی چیز کو for granted نہیں لیتی۔ میں روما کی ہسٹری، آرٹ، آرکیٹیکچر کسی بھی چیز سے بور نہیں ہوتی۔"

لیزا نے بولتے بولتے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت اپنی عادت کے مطابق مسکرا نہیں رہی تھی بلکہ قدرے سنجیدہ تھی۔

"پتا ہے سکندر! جب کوئی چیز ہم سے چھن جاتی ہے تب ہمیں اس کی زیادہ قدر ہو جاتی ہے۔ اگر میں ہمیشہ روما میں رہتی تو شاید اس کی یوں قدر نہ کرتی جتنی آج کرتی ہوں کیونکہ اب یہ ہر وقت میرے سامنے نہیں ہوتا۔"

اس نے لیزا کے چہرے پر ایک دکھ بھرا احساس ابھرتے دیکھا۔ وہ جس روز سے اس سے ملا تھا اس نے اس لڑکی کو صرف بے تحاشا بولتے اور ہنستے ہی دیکھا تھا۔ شجانے وہ اپنے اندر کس طرح کا دکھ چھپائے بیٹھی تھی۔ کیا دنیا میں [illegible] خوش نہیں؟ اور کسی کو نہیں مگر [illegible] اور خوشیاں بکھیرتی اس لڑکی کو تو خوش [illegible] تھا۔ زندگی کو اس لڑکی کو تو خوشیاں [illegible] ہیں۔

[illegible] جب سے اس کے ساتھ تھا اپنی عادت کے برخلاف کتنا زیادہ بولا تھا، کتنی بار مسکرایا تھا۔ وہ چند دنوں بعد جب روما سے واپس چلا جائے گا تب لاکھ وعدے کر لینے کے باوجود بھی اس انجان لڑکی سے کبھی کوئی رابطہ نہیں رکھے گا مگر پھر بھی وہ اس اجنبی لڑکی کو اس لیے ہمیشہ یاد رکھے گا کہ اس کی وجہ سے آج پورے بارہ سالوں بعد وہ اس طرح مسکرایا ہے، اتنا زیادہ بولا ہے۔ لیزا اس کی سوچوں سے انجان اسے بتا رہی تھی۔

"میں تیرہ سال کی تھی جب میرے ممی پاپا کی ڈائی ورس ہوئی تھی۔ علیحدگی کے وقت ان دونوں کے درمیان جس طرح باقی تمام چیزوں کا بٹوارہ ہوا تھا، اسی طرح ہم دونوں بہنوں کا بھی۔ اس منصفانہ بٹوارے میں، میں پاپا کے حصے میں آئی تھی اور میری بہن ممی کے۔ میری ممی کا تو یہ ملک تھا، وہ یہاں سے کیوں جاتیں۔ میرے پاپا البتہ اٹالین نہیں تھے، انہوں نے یہاں کی صرف نیشنلٹی لے رکھی تھی۔ ممی سے علیحدگی کے بعد وہ یہاں نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر لندن چلے گئے تھے۔ اور یوں سکندر! تیرہ سال کی عمر میں مجھ سے میرا روما چھین گیا تھا۔"

وہ دکھ بھرے لہجے میں بولتے بولتے ایک پل کے لیے خاموش ہوئی۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات توجہ سے سن رہا تھا۔

"میں یہاں سے گئی تو میرا دل یہیں رہ گیا تھا۔ میرا دل کبھی لندن کا نہ ہو سکا۔ میرا دل ہمیشہ یہیں رہا، میرے روما میں۔ میرے پاپا کا ملک تو نہ اٹلی تھا نہ انگلینڈ، ان کا ملک تو پاکستان تھا، سو وہ روم میں رہتے یا لندن میں ان کے لیے کچھ فرق نہ تھا۔ ان کی جذباتی

واسکی تو ان دونوں میں سے کسی بھی اینگل سے نہیں تھی۔

لیزا کی ساری بات میں اس کے لیے حیرانی کی بات اس کے والد کا پاکستان سے تعلق ہونا تھی۔ پہلے دن سے لے کر آج تک کبھی ایک پل کے لیے بھی لیزا کے مکمل اٹالین ہونے پر ذرا سا بھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار حیرت سے پوچھا تھا۔

"تمہارے والد پاکستان سے ہیں لیزا؟"

لیزا نے اس کی حیرت کو حیرت سے دیکھا پھر جیسے کچھ یاد کر کے اپنے سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

"دیکھو ذرا ہم کتنے دنوں سے مل رہے ہیں مگر ابھی تک ایک دوسرے سے مکمل طور پر اپنا تعارف تک نہیں کروایا ہے۔"

بات مکمل کر کے پھر وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی پھر کچھ شرارت بھرے لہجے میں بولی۔

"ویسے ابھی تک تعارف ٹھیک سے نہ ہو پانے کی وجہ یہ بھی رہی کہ تمہیں پرسنل باتیں کرنا پسند نہیں ہے سو میں تمہارے تعارف سے محروم رہی اور تم اتنا روڈ ہو کر ملتے تھے کہ اپنے بارے میں بھی کبھی ڈھنگ سے کچھ بتا نہیں سکی۔"

وہ اس کی بدتمیزی اسے جتا رہی تھی اور آج مشکل وقت میں اس کی مدد کر کے اب اتنا حق تو وہ رکھتی تھی کہ اس کی بدتمیزی اور بد اخلاقی کا ذکر کر سکے۔ وہ تھوڑا شرمندہ سا ہوا تھا۔ یہ بالکل سچ تھا کہ آج تک اس نے اسے یہ موقع دیا ہی نہیں تھا کہ وہ اپنا مکمل تعارف کرا پاتی۔ وہ شرمندگی کے حصار سے نکلنے کے لیے سنجیدگی سے بولا۔

"تمہاری شکل صورت سے لے کر نام تک کسی بھی چیز سے مجھے کبھی یہ نہیں لگا کہ تم اٹالین اور کرسچن نہیں ہو۔"

"لیزا Hebrew (عبرانی) نام ہے اور یہ نام مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کی ہوئی۔"

تو لیزا پاکستانی اور مسلمان باپ اور اٹالین اور کرسچن ماں کی بیٹی تھی۔ اسے اس انکشاف پر حیرت ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنی حیرت کا اظہار کر نہیں رہا تھا۔ ایسا کرنا اسے بچکانہ پن لگ رہا تھا۔

"باقی میرا تعارف یہ ہے کہ میں لندن میں رہتی ہوں۔ میں نے لندن سے پینٹنگ میں ماسٹرز کیا ہے۔ میں وہاں رائل کالج آف آرٹس میں پینٹنگ لینڈ اسکیپ اور اسٹل لائف پینٹنگ پڑھاتی ہوں۔ پینٹنگ میرا پیشن (عشق) بھی ہے۔ پروفیشن بھی۔ جاب سے بچ جانے والے ٹائم میں میں پینٹنگز بناتی ہوں' اپنی ایگزیبیشن کی تیاریاں کرتی ہوں۔ اپنی لائف میں کافی مکمل مصروف رہتی ہوں۔ مگر میں جتنی بھی مصروف ہو جاؤں' سال کے یہ دو مہینے لاتیا روما میں گزارتی ہوں۔ اپنے اس روٹین پر میں اٹھارہ سال کی عمر سے کاربند ہوں۔ میں نے روما سے جا کر بھی اپنا رشتہ کبھی یہاں سے ٹوٹنے نہیں دیا' اسی لیے میرے اسکول کے دوست' بچپن کے ملنے جلنے والے ان سب سے میرا آج بھی یہاں پر وہی پہلے جیسا تعلق ہے۔ میں آج بھی لندن سے زیادہ روما ہی میں خود کو ایٹ ہوم محسوس کرتی ہوں۔ میں یہاں ایسے آتی ہوں جیسے کوئی اپنے گھر آتا ہے' شاید اسی لیے تمہیں میں مکمل اٹالین بھی لگی تھی اور روما میرا گھر بھی لگتا ہے۔"

وہ دونوں اب روم کی مصروف اور ٹریفک [illegible] سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ اس [illegible] ہی تھا۔ مگر ٹریفک میں پھنسے [illegible] لگ رہا تھا۔

"میرا تعارف [illegible] مگر اپنے بارے میں بتاؤ؟" وہ [illegible] ٹریفک میں سے نکلتے میں [illegible] لیزا اس سے بولی۔

[illegible] نے ایک پل کے لیے سوچا' پھر سنجیدگی [illegible] بردباری سے بولا۔

"میں نے امریکہ سے لاء میں بیچلرز ڈگری لی ہے۔ رو برٹو کی کمپنی کے روما میں واقع ہیڈ آفس میں لیگل ایڈوائزر ہوں۔"

وہ جیسے ہی اپنے بارے میں مختصر لفظوں میں بول کر خاموش ہوا لیزا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"بس اتنا تفصیلی تعارف؟ میں سنتے سنتے تھک گئی۔ تم بولتے بولتے نہیں تھکے؟"

وہ اس کا طنز سمجھ رہا تھا مگر جواباً خاموش رہا تھا لیزا آنکھوں میں شرارتی سی چمک لیے مسکرا کر مزید بولی۔

"تم اگر اپنے تعارف میں اس سے زیادہ ایک لفظ بھی اور بولتے تو میں بہت حیران ہوتی۔ [illegible] توقع کر رہی تھی کہ سیفور سکندر نے مجھے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا ہے۔"

وہ اس کے صاف گو انداز پر تھوڑا کھسیانا سا ہو گیا تھا۔ گاڑی اس کے ہوٹل کے [illegible] تھی۔ وہ خود کو اس کھسیاہٹ سے نکا[illegible] لیزا کی طرف دیکھا [illegible] اور بہت اچھے انداز میں اس [illegible] ادا کرنا چاہتا تھا۔

"لیزا [illegible] تم نے میرے لیے بہت [illegible]"

"[illegible] کچھ اور جملے بولنا چاہتا تھا مگر لیزا نے اس کی بات پوری نہیں کرنے دی تھی۔

"سیفور سکندر! اس طرح کی رسمی باتوں سے مجھے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے اور ویسے بھی آپ کے اوپر آپ کا روڈ انداز زیادہ جچتا ہے۔ ساری دنیا سے ناراض' غصے میں بہت کم کم بولتے ہوئے۔"

وہ ہنس کر اسی بے تکلفانہ و شریر انداز میں بولی تھی اس کی بات کا برا ماننے کے بجائے وہ بھی خوش دلی سے مسکرا دیا تھا۔ لیزا نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔

"کیا اب ہم دوست ہیں؟"

اس نے مصافحے کے لیے بڑھا لیزا کا ہاتھ تھاما تھا۔

"ہاں۔" وہ روم سے جا کر زندگی بھر اس سے ملے گا نہیں' اس سے کوئی تعلق' کوئی واسطہ نہیں رکھے گا تو دوستی بیچ میں کہاں سے آئی؟ مگر وہ نابول کر اس کا دل بھی نہیں توڑ پایا تھا "او کے سیفور سکندر تمہاری اس دوست کی تمہیں advice (نصیحت) یہ ہے کہ اپنے ہوٹل روم میں جا کر اب میڈیسن لے کر صرف اور صرف آرام کرنا کیونکہ تمہاری طبیعت مجھے ابھی بھی پوری طرح ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔"

اس نے مسکرا [illegible] سر ہلا دیا تھا۔ وہ سیفور سکندر کا لفظ بولا [illegible] کر رہی تھی۔ وہ اس کے اس انداز [illegible] تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے ہوٹل روم میں آ کر ابھی جوتے ہی اتار پایا تھا کہ اس کے موبائل پر کسی کی کال آنے لگی۔ اس کا موبائل ٹیبل پر رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر میز کے پاس آیا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ یہ کال آمنہ کی تھی۔ اس کے چہرے کے سخت سے تاثرات یکلخت ہی نرمی میں تبدیل ہوئے تھے۔ اس نے بہت جلدی کے عالم میں کال ریسیو کی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ جذبات سے عاری نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر ایک ہی وقت میں بہت سے جذبات تھے۔ محبت' خوشی' اداسی' شکوہ' رنج' وہ فون پر بات کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سوگ

سائرہ انور



"امی! ابو جان کب واپس آئیں گے؟"
یہ وہ سوال تھا جو ہر پانچ منٹ کے بعد تینوں میں سے کوئی ایک بچہ ضرور آکر اس سے پوچھتا۔
وہ پیار سے اس کے گال چھوتی اور مسکرا کر تسلی دیتی۔ "بس ابھی آجائیں گے چندا۔"
اور وہ بچہ امید کے ٹمٹماتے ہوئے دیے کو آنکھوں میں لیے باہر چلا جاتا۔ لیکن اس بار اسماء کے یہ سوال کرنے پر وہ جھنجلا گئی۔
"کہا ہے نا' آجائیں گے ابھی کیوں تنگ کر رہی ہو مجھے اسماء؟"
اس نے کہہ تو دیا' لیکن اسے امید نہیں تھی کہ حسان ابھی واپس آجائے گا یا اگر آبھی گیا تو اس کے پاس کچھ ہو گا بھی نہیں۔ اس بار اسماء بھی مکمل مایوس ہو کر لوٹی تھی۔
"یہ کیا طریقہ ہے بچوں سے بات کرنے کا؟" اماں نے اسے ٹوک دیا۔
"تو کیا کروں میں اماں! دوپہر سے بھوک بھوک کی رٹ لگا رکھی ہے' ذرا سی بھوک نہیں برداشت کر سکتے یہ لوگ۔" اس کی بے زاری عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔
"وہ بچے ہیں زینب! اور بچے بھلا کب بھوک برداشت کرتے ہیں؟"
"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اس وقت سے بہلا تو رہی ہوں ان کو' لیکن سچ تو یہ ہے کہ امید مجھے بھی نہیں ہے کہ کچھ انتظام ہو سکے گا۔"
"کیسی مایوسی کی باتیں کر رہی ہو... ہوں نا ابھی آجائے گا حسان۔"
"اگر کوئی انتظام ہونا ہوتا اماں تو اب تک ہو چکا ہوتا۔"
"بہت ناشکری ہوتی جا رہی ہو تم زینب۔ ایک چھوٹی سی آزمائش ہے یہ بیٹا! صبر سے کام لو' اللہ نے تمہیں اتنا کچھ دیا ہے' اتنا اچھا شوہر دیا ہے' فرماں بردار بچے دیے ہیں۔ اتنی اچھی نوکری کر رہا ہے حسان' پورا مہینہ آرام سے گزر جاتا ہے' یہ تو اچانک وہ اتنا شدید بیمار ہو گیا' دس دن کام پہ نہ جا سکا اس لیے تنخواہ کٹ گئی اور تم کو یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔ آج سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے؟"
اس نے اماں کی پوری بات سنی ہی کب تھی جو جواب دیتی۔ اس کی سوئی تو اسی بات میں اٹکی تھی کہ "پورا مہینہ آرام سے گزر جاتا ہے" پورا مہینہ وہ کس طرح کنجوسیاں کر کر کے گزارتی تھی یہ تو وہی جانتی تھی۔ اگر یہ آرام ہوتا ہے تو مشکل کیا ہوتی ہے۔
"اذان ہو رہی ہے زینب! نماز پڑھ لو۔" اماں نے جائے نماز بچھاتے ہوئے کہا۔
"جی اماں" [illegible] باہر نکل آئی۔ شام کے سائے [illegible] آسمانوں پر اڑتا کالا بادلوں کے [illegible] میں لگے ہوئے آم کے درخت [illegible] لوٹ کر رہے تھے اور پھر ہوا کے [illegible] میں ناچتے پھر رہے تھے۔ صحن کے [illegible] میں اسماء اور اویس کسی کھیل میں مشغول تھے [illegible] دس سالہ [illegible] برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھی شاید اسکول کا کام نبٹا رہی تھی۔ دور کہیں سے اب بھی اذان کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔
"امی جان! ابو آگئے ہیں۔" ابھی اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ عقب سے اسماء کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔
"بیٹا! اللہ تو اتنا رحیم ہے' مانگنے سے پہلے ہی عطا کرتا ہے۔ بس ہم انسان ہی بے صبرے ہیں۔"
اس کو بے ساختہ اماں کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔ وہ شرمندہ ہو گئی اور ساتھ ہی اللہ کا شکر بھی ادا کرنے لگی۔
برآمدے میں آکر دیکھا تو شاپر میز پر پڑے اسی کے منتظر تھے۔ شاپر اٹھا کر کچن میں چلی آئی۔ جلدی جلدی روٹیاں پکائیں' ساتھ ساتھ سالن تیار کیا۔ پھر کھانا دسترخوان پر لگا کر سب کو بلایا۔ سب نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ کھانا کھاتے ہوئے تینوں بچوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔ اس کے اندر ڈھیروں سکون اتر گیا۔
"سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' جس نے ہمیں کھلایا' پلایا اور مسلمان بنایا۔"
کھانے کے بعد اماں نے بلند آواز میں دعا پڑھی۔ پھر ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے۔ زینب نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے۔ عشاء کا وقت ہو رہا تھا سو پہلے نماز پڑھی پھر بچوں کو سلایا اور پھر کچن میں آکر برتن دھونے لگی۔ وہ اپنے سارے کام وقت پر نبٹا لینے کی عادی تھی۔ کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑتی۔ برتن دھو کر وہ کمرے میں آئی اور بستر پر گرتے ہی منٹوں میں نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح کا وقت اس کے لیے سب سے کٹھن ہوتا تھا۔ شادی سے پہلے بھی وہ نماز پڑھ کر سوتی تو پھر امی کی ڈانٹ ڈپٹ تو کبھی مار کھا کر ہی بستر چھوڑتی۔ اب بھی حالات زیادہ مختلف نہ تھے۔ حسان کے دس مرتبہ جگانے پر وہ مشکل آنکھیں کھولتی اور پھر اس کے منت سماجت کرنے پر دل پہ جبر کرتی اور بستر چھوڑ ہی دیتی۔ منہ دھو کر پہلے اپنی نیند بھگاتی اور پھر بچوں کی شامت آجاتی۔ بچے بھی اس کی طرح نیند کے رسیا تھے۔ ایک کو اٹھا کر جب تک دوسرے کو جگاتی پہلا مزے سے سو رہا ہوتا۔ بچوں کے یونیفارم' جوتے' جرابیں اور بیگ وہ رات کو ہی تیار کر کے رکھ دیتی۔ بچوں کو وین میں بٹھانے کے بعد وہ آکر حسان کا ناشتہ بناتی اور ساتھ

ہی اماں کو بھی ناشتہ دیتی اور حسان کے جانے کے بعد کہیں وہ آرام سے بیٹھتی۔ ناشتہ کرکے وہ گھر کے کاموں میں جت گئی۔ سارے گھر کی صفائی کے بعد صحن میں جھاڑو دی۔

"آج حسان کو کہہ کر لازمی اس کو کٹوانے کا بندوبست کرتی ہوں۔" درخت کے پتے اکٹھا کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

کچے صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا تو مٹی کی بھینی بھینی خوشبو زمین سے اٹھنے لگی۔ اسے بے ساختہ اپنا بچپن یاد آگیا۔ ان کے گھر کا تو سارا صحن ہی کچا تھا۔ جب بھی بارش ہوتی یا پانی کا چھڑکاؤ کرتے تو مٹی کی دل فریب خوشبو پورے گھر میں پھیل جاتی۔ وہ بڑی فرصت سے کرسی صحن میں رکھ کر بیٹھ جاتی اور جب تک خوشبو ختم ہوتی، وہ وہاں سے اٹھتی بھی نہیں۔ کیسے بے فکری کے دن تھے وہ۔

اماں کو سارے گھر کا کام کرتے دیکھتی تو بہت گھبراتی یہی وجہ تھی کہ وہ شادی کے نام سے ہی چڑتی تھی لیکن وہ اماں ہی کیا جو بیٹی کی سن لیں۔ سو اس کے لاکھ نا کرنے پر بھی شادی کرکے ہی چھوڑی۔

شروع میں تو بہت گھبرائی تھی لیکن پھر حسان کی اماں نے اسے سہارا دیا۔ وہ بھی اس کی اماں کی طرح نرم مزاج اور سدا کی صابر عورت تھیں۔ اس نے کبھی ان کو کسی مشکل میں گھبراتے یا اللہ سے شکوہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اللہ پر کامل یقین رکھتی تھیں اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی تلقین کرتی تھیں۔ لیکن زینب میں صبر کی بہت کمی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جانا اس کی بچپن کی عادت تھی۔ اماں کی صحبت کا کچھ تو اثر ہوا تھا لیکن اب بھی وہ زیادہ دیر صبر نہیں کرپاتی تھی۔

"بچوں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے زینب! کھانا بنالو۔" اماں کی آواز پر چونک گئی۔

"جی بس بنانے لگی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ باورچی خانے میں گھس گئی۔

ادھر کھانا پکا ادھر بچے بھی [illegible] کے کپڑے تبدیل کروا کر اس نے کھانا لگایا۔ کھانا کھا کر روز کی طرح بچے بے سدھ ہو کر سوگئے اور وہ برتن دھونے بیٹھ گئی۔

"کچھ آرام بھی کرلیا کرو زینب! ہر وقت کام میں لگی رہتی ہو۔" اماں نے کمرے میں جاتے ہوئے ہدایت کی۔

"جی اماں! یہ برتن دھو لوں۔" وہ کہتے ہوئے جلدی جلدی برتن دھونے لگی۔ اچانک کسی بچے کی رونے کی آواز آئی۔

"بچے تو سوئے تھے۔" وہ حیران ہوتی کمرے کی طرف آئی لیکن وہاں تو مکمل خاموشی تھی۔ وہ چپ چاپ باہر نکل آئی۔

"کون رو رہا ہے؟" اماں بھی کمرے سے نکل آئیں۔

"ساتھ والوں کا بچہ ہے شاید۔" اس نے اندازہ لگایا۔ آواز ساتھ والوں کے گھر سے آرہی تھی۔

"ذرا دیکھ تو جھانک کر، آخر ہوا کیا ہے؟" اماں پریشان ہوگئیں۔

وہ کرسی رکھ کر اس پہ کھڑی ہوئی اور دیوار کے پار جھانکا۔

"چپ کر جاؤ ورنہ ایک لگاؤں گی۔" نبیلہ [illegible] بچے کو ڈانٹ رہی تھی۔ لیکن چپ ہونے کے [illegible] کے رونے میں شدت آگئی۔

"ارے اس کو کیوں ڈانٹ رہی [illegible] بھوکا ہے رو [illegible]" نبیلہ کی [illegible] تھی۔

"ہاں [illegible] اس کے باپ کو کوئی پروا نہیں [illegible] کی۔"

"[illegible] ہے زینب؟" اماں نے بے تابی سے پوچھا۔ وہ کرسی سے اتر گئی۔

"اماں! نبیلہ کے گھر صبح سے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔"

"اور ہمیں پتا بھی نہیں ہے۔ ہائے ہم سے اتنی بڑی غلطی ہوگئی۔ پڑوسی بھوکے ہیں اور ہم اپنا پیٹ بھرتے رہے۔" اماں کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔ "چلو زینب! جلدی سے رسوئی سے سامان لو اور ان کو دے آؤ۔ فی الحال ہم تو یہی کرسکتے ہیں۔ آگے اللہ مدد فرمائے گا۔"

"لیکن اماں۔" وہ ہچکچائی۔

"جلدی کرو زینب! کیا بات ہے؟" اماں نے اسے تذبذب میں کھڑا دیکھ کر پوچھا۔

"ہم تو خود اتنی مشکل میں ہیں۔ تھوڑا سا ہی تو راشن پڑا ہے۔ مشکل [illegible] پورا ہوگا۔"

"یہ وقت [illegible] سوچنے کا [illegible] بیٹا! پڑوسی بھوکے ہیں تو ہم [illegible] وہ حدیث نہیں سنی [illegible] کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر [illegible] والا شخص مومن نہیں۔" اور جہاں تک رزق [illegible] تو بیٹا اس کی فکر مت کرو۔ جب اللہ بندے [illegible] ہے تو اس کے رزق کا ذمہ بھی خود [illegible] ہے۔ [illegible] کے نصیب میں رزق لکھا ہے وہ اسے [illegible] ملتا ہے۔ کوئی کسی کے حصے کا رزق نہیں کھا [illegible]۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے سے ان تک ان کا رزق پہنچا رہا ہو۔ تمہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں نیکی کرنے کا موقع دیا ہے۔"

اماں کی باتوں نے اسے جی بھر کر شرمندہ کیا۔ وہ چپ چاپ کچن میں جاکر سامان اٹھانے لگی تاکہ جلد از جلد اپنی اس غلط سوچ کی تلافی کرسکے۔

☼ ☼ ☼

وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے بے چینی سے صحن میں ٹہل رہی تھی۔ اس کی نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ اس کے قدموں کی تیزی اور آنکھوں کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"تھوڑی ہی دیر میں بچے آکر کھانا مانگیں گے، حسان! جلدی آجاؤ۔" وہ سوچتے ہوئے مزید پریشان ہوگئی۔ "اگر اس دن نبیلہ کی مدد نہ کرتی تو۔"

"یہ کیا سوچ رہی ہو زینب؟ تم نیکی کرنے پر پچھتا رہی ہو؟" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

"نہیں [illegible] تو بس۔ یہ مجھے کیا ہوجاتا ہے؟ میں [illegible] کیوں ہوں؟ ذرا ذرا سی باتوں پر گھبرا جاتی ہوں۔" آج اس نے پہلے سے زیادہ خشوع و خضوع سے نماز پڑھی اور دعا میں اللہ سے صرف صبر اور [illegible] مانگا۔

نماز پڑھ کر وہ باہر آئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ چند لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔

"ارے بیگم! دیکھتی ہی رہو گی یا کچھ پکاؤ گی بھی؟ بھئی جلدی کرو بہت بھوک لگی ہے۔ بچے بھی آنے والے ہوں گے۔" وہ اس کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

"لیکن حسان یہ اتنا سب دال سبزی پھل وغیرہ کیسے؟" اس نے بہ مشکل پوچھا۔

"بس اللہ نے مدد کردی اچانک ورنہ میں تو مایوس ہی ہو چلا تھا۔"

"پھر بھی کچھ تو بتائیں یہ سب ہوا کیسے؟ کہاں سے آئے اتنے پیسے؟"

"فکر نہ کرو۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا میں نے۔" وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

"افوہ حسان! مذاق بند کریں اور ٹھیک ٹھیک بتائیں۔" وہ جھنجلا گئی۔

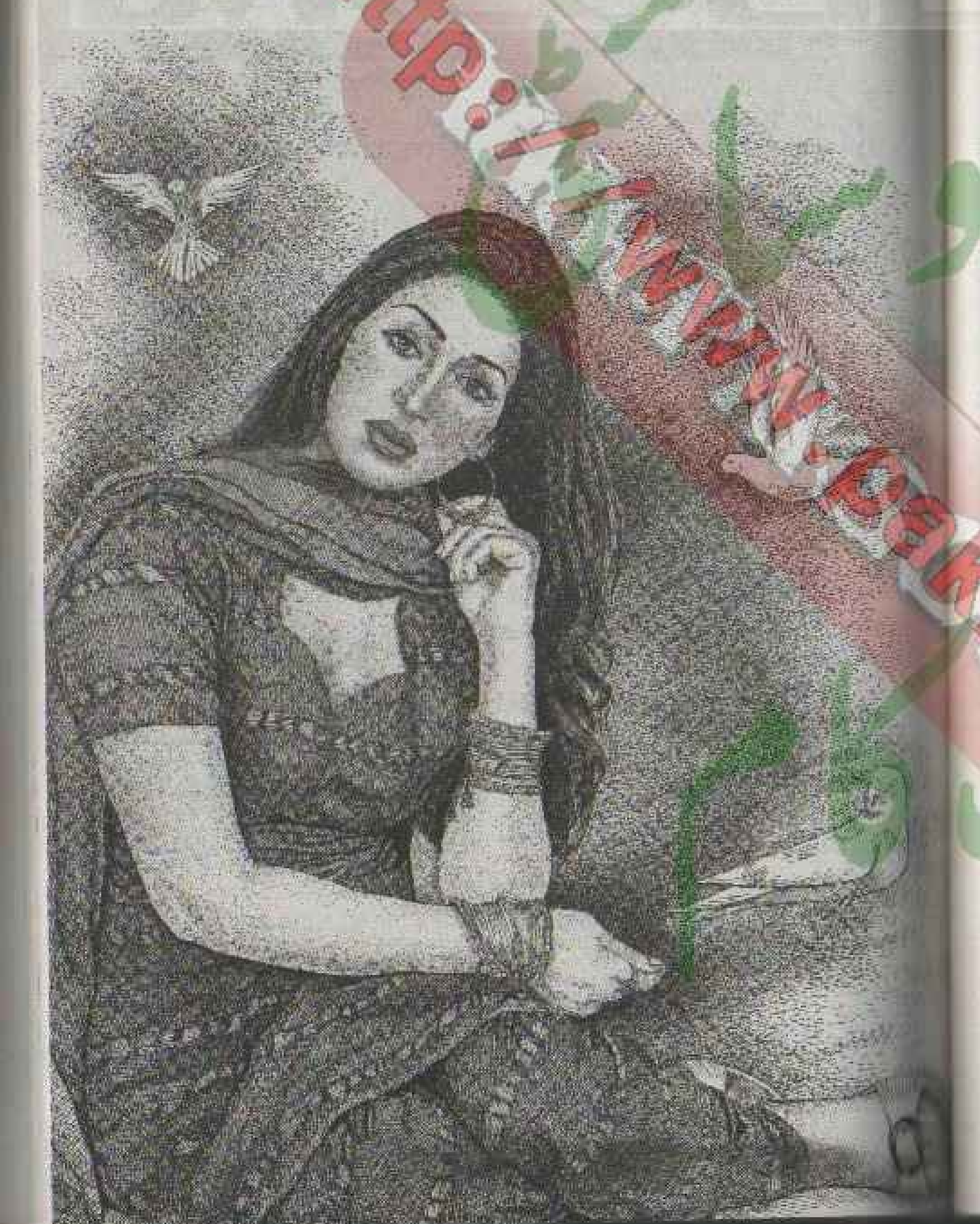
"اچھا بابا! بتاتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے دو سال پہلے ہم نے خالہ زبیدہ کے بیٹے علی کو قرض دیا تھا؟" اس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ مزید گویا ہوا۔ "بس وہ ہی ملا تھا آج بازار میں۔ کہنے لگا کہ شہر سے آکر اس نے ہمیں قرض لوٹانے کے لیے ڈھونڈا لیکن ہم نے تو گھر ہی تبدیل کرلیا تھا۔ لہٰذا وہ رقم اس نے اپنے پاس محفوظ کرلی اور آج ملنے پر لوٹا دی۔ اب جلدی سے کھانا بناؤ اور صبر نہیں ہوتا۔"

آخر میں پیٹ پکڑ کر التجا کرنے لگا۔ وہ مسکرا کر کچن میں چلی گئی۔ آج اللہ پر اس کا ایمان مزید پختہ ہوگیا تھا۔ بلاشبہ اللہ پر بھروسہ رکھو تو وہ امید سے بڑھ کر نوازتا ہے۔

☼

ناولٹ

آسیہ رزاقی



ایک دن ذکیہ آپا آگئیں' عرصے کے بعد' سب سے بڑی خالہ کی بیٹی تھیں۔ برسوں پہلے آئی تھیں' سب سے چھوٹی خالہ کی وفات پر' جو ہما کی امی تھیں' بہت کم زندگی ملی تھی انہیں۔ ذکیہ آپا کا پورا خاندان لاہور میں رہائش پذیر تھا۔ مصروفیات اور فاصلے ہی درمیان میں تھے۔ ورنہ سگے رشتے داروں سے انسان کبھی کبھار مل ہی لیتا ہے۔ یوں تو اوکاڑہ خاص دور نہ تھا۔

یہ لوگ بھی اوکاڑے والے ہی لاہور جا سکتے تھے۔ شکوہ بے جا نہ تھا۔ خالہ کہہ نہ سکیں۔ انہیں بھی تو وقت کی کمی کا مسئلہ تھا۔

دراصل ذکیہ آپا کے والد بہت ہی امیر کبیر خاندان کے تھے۔ ان کی بیٹیاں بھی ان کے ہم پلہ لوگوں میں بیاہی گئی تھیں۔ معاشرت کا فرق' طبقاتی خلیج' بڑے شہر کی رہائش اور اب تو ان کے بھائی نے ایک کمپنی بھی بنالی تھی' جس میں سیکڑوں لوگ ملازم تھے۔ سنا تھا خوب ترقی کی ہے' جرمنی' انگلینڈ اور فرانس جا کر خوب پڑھ کر آئے تھے۔ خالہ بے چاری ملنا چاہتی بھی تھیں تو ان لوگوں کا ایڈوانس ماحول اور دولت کی ریل پیل ارادے میں مزاحم تھی۔ ہما کو تو اعتراض تھا۔

"ابھی ہم ان سے کچھ مانگنے تو نہیں جائیں گے۔ بس مل لیں گے' اور اگر وہ لوگ اپنی گاڑی میں ہمیں لاہور کی سیر وغیرہ کرا دیں تو یہ کیا ہی بات ہو۔"

یوں خالہ بھی کوئی کم نہ تھیں۔ اچھا بڑا سا گھر' زمین کی آمدنی' خالو نے بھی اچھا خاصا کمایا تھا اور اب تو ان کا بیٹا بھی برسر روزگار تھا مگر پھر بھی وہ بڑے لوگوں سے



ملتے ہوئے جھجکتی تھیں۔ ہما تو ماں کے بعد خالہ کے گھر آئی اور پھر کہیں گئی ہی نہیں۔ چند سال کے بعد ہی اس کے بے چارے ابا بھی فوت ہو گئے۔ تب تو کوئی لاہور والا نہیں آیا۔ اب تو یہی گھر تھا ہما کا۔

ہما بی اے کر کے گھر بیٹھی گرہستی کے ہنر سیکھ رہی تھی اور اب جو ذکیہ آپا آئیں تو حسب عادت خالہ نے ان سے بھی بڑی لجاجت سے کہا تھا۔

"ذکو! کہیں کوئی اچھا لڑکا نظر آئے تو میری ہما کا خیال رکھنا بڑی ذمے داری ہے مجھ پر۔"

اور تب سے ہی ذکیہ آپا کی نظریں ہما کا پیچھا کرتی نظر آئیں۔ وہ کہیں جا رہی ہے، کام کر رہی ہے، ذکیہ آپا کی نظریں اس پر بھی ہیں۔ وہ پریشان ہو گئی، پتا نہیں کیا کھوج رہی ہیں آنکھیں ان کی، ویسے وہ بہت بے فکری لاابالی لڑکی تھی۔ وہ نہ تو بہت غم زدہ ہوتی (کہ جتنی بے ماں باپ کی ہے) نہ ہی پریشان۔ (کہ اب کیا ہوگا، کون اس کا سہارا ہوگا وغیرہ) اسے خالہ کے گھر میں ماں باپ کا پیار بھی ملا، بہن بھائی کی محبت بھی اس کے زیادہ مطالبات تھے نہ نخرے۔

ذکیہ آپا اپنی خالہ سے ملنے ان کے بچوں سے ملاقات کے لیے آئی تھیں کہ بچے بھی صورت شناسا تو ہوں۔

پھر وہ اپنی لمبی چمکیلی کار میں جیسے آئی تھیں، ویسے ہی چلی گئیں۔ سب کے لیے تحائف لائی تھیں کیونکہ افسر کی شادی میں اپنی کسی بہت اہم مصروفیت کے باعث آنہ سکی تھیں۔ اس کی معذرت اور بہو کو سلامی وغیرہ دینے آئی تھیں۔ اکیلی ہی آگئی تھیں ڈرائیور کے ساتھ۔ میاں نہ آسکے "انتہائی ضروری مصروفیت" کے باعث۔

☼ ☼ ☼

چند دن بعد وہ پھر آگئیں، سب حیران ہوئے۔ وہ خالہ سے راز و نیاز میں مصروف ہو گئیں۔ رات کو خالہ ہما کے پاس آئیں، بڑی رازداری سے اس کے [illegible] کر بیٹھیں۔

"میں نے کہا ہما! ذرا سننا" یہ ذکیہ کیا کہہ رہی ہے؟ لو حد ہو گئی۔"

حد ہو گئی کا فقرہ اس وقت ادا ہوتا تھا جب انھیں کسی تجویز سے نیم رضامندی کا اظہار کرنا ہو۔

ہما انھیں دیکھنے لگی نہ جانے یہ ذکیہ آپا اب کیا کہنے آئی ہیں۔

"بہت امیر لوگ ہیں۔" خالہ سرہلا رہی تھیں، جب انھیں سو فیصد یقین ہو تب اس طرح ہی سرہلاتی تھیں۔ "میں نے کہا ہما! یہ ذکیہ باؤلی تو نہیں ہو گئی، لو سنو ذرا اپنے بھائی کے لیے "ارے اس رنڈوے کے لیے تمہارا رشتہ دے رہی ہے۔"

ذکیہ کے بھائی کی بیگم فوت ہو چکی تھیں، ایک بچی بھی تھی۔

"ویسے۔ پتا نہیں کیا نظر آیا یہاں۔ نہ ہم ان کی برابری کے ہیں۔ نہ اتنی واقفیت ہے، ہاں بس رشتہ تو ہے۔"

انھوں نے پھر سرہلایا، ہما پہ جم کر آکر سرہلا رہی ہیں، واہ۔

"خالہ!" وہ چیخی۔ "کیا کہہ رہی ہیں رنڈوا؟" یعنی وہ جو گندی عورت ہوتی ہے رنڈی، اس کا مرد؟ آخر کیا یہ۔ یہ کیا میرے لیے گندا مرد؟"

خالہ کو زور کی ہنسی آگئی۔ انھوں نے [illegible] ریکارڈ توڑتے ہوئے اس کے بازو [illegible] اور دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر ہنسی [illegible] روکی۔ (بے تکلفی سے [illegible] رہتی تھیں۔)

"بے وقوف [illegible] ہے جس کی بیوی مر جاتی ہے [illegible]"

"[illegible] یعنی بیوہ مرد۔" سکھ کا سانس لیا اور ایک [illegible] کھلکھلاہٹ کے ساتھ۔

"[illegible] ہے؟ مارے جا رہی ہیں۔" شدید جھلاہٹ سے۔

"بتا رہی ہوں، سمجھتی نہیں، مرد بیوہ نہیں ہوتا رنڈوا ہوتا ہے پاگل!"

"پاگل بھی ہے؟" ہم۔ ہم تو اب پر تپ چلا رہی تھیں۔ آنکھیں چھلکے کو تھیں اس کی آنکھیں دھو کے سے بچنے کے لیے وہ ٹھنک کر رہے ہو گئی۔ "یہ ہیں میرے نصیب ہائے اللہ۔"

"وہ تمہیں کہہ رہی ہوں پاگل۔ وہ تو سیانا ہے مگر بس ایک سال ہی شادی کو ہوا تھا کہ بے چاری بیوی دنیا چھوڑ گئی۔ بچی چھوڑ کر۔ [illegible] رکڑ رہی تھیں۔

"اب بچی کو پالنے کے لیے [illegible] کوئی نیک سیدھی شریف اور اچھی [illegible]

"میں تو بہت [illegible] انگلیوں پر گنوانے لگی۔ [illegible] کسی کام کی نہیں سست ہوں [illegible] کھانا پکانا نہیں آتا استری [illegible] ہمیشہ گریز کرتی ہوں بھاؤ [illegible] اور نیند بہت آتی ہے مجھے۔"

"انھیں بچی کی ماں چاہیے، دھوبن، خانساماں نہیں۔ بہت نوکر ہیں وہاں۔ آپا بھی ہے بچی کے لیے مگر ماں کی محبت بچی کو حاصل نہیں، بس سوچ لو نہ کھانا پکانا، نہ استری کرنا، بس آرام ہی آرام اور مرضی کا سونا جاگنا۔ عیش ہی عیش۔"

اسے بے آرام کر کے مزے سے کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ذکیہ آپا کی دولت کا اسے اندازہ تو تھا۔ لاہور سے ڈرائیور کے ساتھ لمبی سی گاڑی میں آنا۔ بہترین قیمتی تحائف کے ساتھ اور پھر بھائی بھی سنا تھا بہت ہی امیر الامرا ہی ہیں۔ پھر بھلا مسکین سی ہما میں کیا نظر آیا انھیں؟

اگلے دن اسریٰ نے بھی اس کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے گردن ہلا ہلا کر اس کے عیش و آرام پر خراج تحسین پیش کیا۔

"واہ بھئی۔ خانساماں ہے، بیرا ہے، چوکیدار، مالی اور صفائی کے لیے پوری فیملی ہے۔ نہ کچھ کرنا نہ دھرنا۔ عیش کرنا، ٹی وی، ٹیلی فون بس یہ ہی مصروفیت ہوگی ہما بھئی واہ کیا لمبا ہاتھ مارا ہے۔"

"اور وہ سرونٹس کی بچی پالنا، اس کی ریں ریں بھی برداشت [illegible] ہیں؟" وہ جل بھن کر [illegible] ہوتے۔

"[illegible] ہے کہ ریں ریں کرے گی، چار سال کی [illegible] سمجھ دار ہے۔" اسریٰ نے بتایا۔ "بھائی بہت پریشان رہتا ہے، بچی کو ہر جگہ ساتھ لے جاتا ہے، اسے دوسروں پر بھروسا نہیں ہے۔ اچھی سی سمجھ دار لڑکی مل جائے تو اس کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ دنیا میں اچھی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے مگر شریف اور خاندانی ہو کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ (اور تھی مزاج بھی ہیں) دراصل ہر جگہ تو بچی کو لے جایا نہیں جا سکتا ہے۔ گھر میں قابل اعتماد ہستی ہو جو اسے سنبھال سکے۔ بڑی آپا ساتھ رہتی ہیں۔ بیوہ ہو کر بھائی کے پاس آگئی تھیں۔ ان کی اپنی مصروفیات ہیں۔"

"وہ چاہتی ہے کہ تم کو ساتھ لے جائے، تم بھی دیکھ لو وہ بھی تمہیں دیکھ لے اور حرج بھی کیا ہے، خالہ زاد بہن جو ہیں ہے اور تمہیں تو شوق بھی ہے لاہور کی سیر کا۔"

چلو۔ خالہ نے تو اس کی سیر کا بندوبست بھی کر دیا اور یتیمی کی بے کسی کا احساس بھی دلا دیا۔

"اور ذکیہ کہہ رہی ہے کہ اگر افسر نے پھر بھی منع کر دیا تو ہما کے لیے وہاں اور بھی رشتے مل سکتے ہیں۔ بس تم تیاری کر لو۔ ذکیہ کوئی غیر نہیں، جو اس کے گھر جانا معیوب ہو۔ وہ تمہیں واپس بھی گاڑی میں بھجوا دے گی اور بھی وہ ہر کسی سے تمہارے بارے میں کچھ بتائے گی تھوڑی۔ بس یہ کہ بچی سیر کی شوقین ہے، اگر اسریٰ فارغ ہوتی تو اسے بھی تمہارے ساتھ بھیج دیتی۔"

بچی سیر کی شوقین تھی۔ لہٰذا وہ فٹافٹ تیار ہو گئی اور بھی حرج بھی کیا ہے، سگی خالہ زاد بہن کے گھر جانا معیوب تو نہیں۔ افسر نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

☼ ☼ ☼

لمبی چمکیلی گاڑی میں ذکیہ آپا کے ساتھ وہ لاہور پہنچ

گئی۔ کھلے لان میں ان کی کوٹھی تھی۔ اونچے گیٹ اور جوڑے سے لان والی اعلیٰ درجے کی کوٹھی تھی۔ خوب ہوا دار روشن اور بہترین فرنیچر سے آراستہ۔ کھلی دولت منہ لگتی ہیں اور وہ... جس کے لیے وہ لائی گئی ہے نہ جانے کیسا ہو۔ البتہ اگلے دن زہرا اور بڑی آپا آگئیں۔

بڑی آپا بڑی خالہ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں' پھر ذکیہ آپا' ان کے بعد اشفاق' چھوٹی زہرا تھی۔ خاصی دلچسپ لڑکی تھی۔ بڑی آپا' ہما کا معائنہ کرکے واپس چلی گئیں' وہ بھائی کے ساتھ رہتی تھیں' بیوہ تھیں' زہرا نے بے تکلف ہونے میں ایک منٹ بھی نہ لگایا۔ ہم عمر تھی' ہما نے بھی شکر ادا کیا۔ بڑی آپا کے جانے کے بعد زہرا اسے اوپر کا گھر دکھانے لے گئی۔ پھر ٹیرس پر آکر پڑوس میں جھانکنے لگی۔ ہما کو بھی دعوت دی۔ وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو کر جھانکنے لگی۔

پڑوس کے ٹیرس پر ایک لڑکا شاید اپنی ماں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہما نے سوچا شاید زہرا سے پڑوس والوں کی واقفیت ہوگی مگر یہ بات پوچھنے پر زہرا کو ہنسی آگئی۔ ہنستی چلی گئی پھر ہما بھی ہنس پڑی' بے وجہ۔

"پتا ہے میں اور بھابھی دلہن جب بھی ذکیہ آپا کے گھر آتے تھے' اوپر آکر پڑوس میں جھانکتے تھے۔ پھر مجھے ہنسی آجاتی۔ بھابھی دلہن بھی خوب ہنستیں' اب یاد آگئی تو ہنسی آگئی۔ بھابھی دلہن بہت ہی ہنسوڑ اور زندہ دل تھیں' ہنستی مسکراتی۔"

"بہت اچھی تھیں؟ تمہارے بھائی کو تو بہت دکھ ہوا ہوگا۔"

"اوہو بہت زیادہ۔ کتنے دن تو گم صم رہے' پھر غصہ بڑھا' اب تو... سنبھل گئے ہیں' مگر... عجب کنفیوژن ہے۔" زہرا کچھ ہچکچائی جیسے سوچ رہی ہو بتاؤں کہ نہ بتاؤں' ہما کو الجھن ہوگئی۔ "کیا؟ کیسی کنفیوژن۔"

"اصل میں... مجھے لگتا ہے' بلکہ لگتا تھا جیسے وہ بھائی میاں کے آزمانے کے لیے چھپ گئی ہیں۔"

ہما اچھل پڑی۔ "میں... کیا وہ زندہ ہیں؟"

زہرا نے کندھے اچکائے گویا کہا تھا۔ ہما حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو لاپروائی سے پھر پڑوس کے لان میں تاک جھانک کر رہی تھی۔

"مگر... ذکیہ آپا نے تو کہا کہ وہ... فوت ہوگئی ہیں۔"

"کہتے تو یہ ہی ہیں سب' مجھے مگر اس میں شک ہے۔"

"وہ کیوں؟ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ زندہ آدمی کو سب مردہ سمجھ لیں۔"

"وہ اس لیے کہ ہم میں سے کسی نے ان کا جنازہ نہیں دیکھا۔" زہرا اسے شاید خوف زدہ کرنا چاہتی تھی یا حیران۔ مگر وہ پریشان ہوگئی۔

"جب ان کی فوتگی کا یہاں فون آیا۔" وہ ریلنگ پر ٹک کر بولی۔ "بھائی میاں جاپان گئے ہوئے تھے' غالباً فیکٹری کی مشینری کا سودا کرنے' میں پشاور اپنے کزن کی شادی میں گئی ہوئی تھی۔ ذکیہ آپا چھلے میں تھیں۔ فوراً تو کوئی پہنچ نہ سکا' جب ہم وہاں گئے تو پتا چلا بچی پیدا ہوئی اور وہ ختم۔"

"تو... آخر... موت کے گھر کے ماحول سے تو معلوم ہوتا ہے نا' رشتے دار' پڑوسی۔"

"مشکل یہ تھی۔" زہرا نے ڈھونڈ کر چند اینٹیں ایک جگہ جمع کرلی تھیں۔ ان پر چڑھ کر [illegible] شاید کمروں تک رسائی چاہ رہی تھی۔ [illegible] سارے عزیز تو کراچی میں [illegible] پھوپھی' چچا' اماں [illegible] کی ہوتی تھیں۔ [illegible] تنگی سی [illegible] بہن نے ہی بتایا تھا کہ یہ [illegible] زہرا اینٹوں سے اتر گئی تھی۔

"تم [illegible] کی ہے مرنے والے کی۔" وہ مراسیمہ ہوگئی۔

"ہوں... ظاہر ہے مرنے والے کی ہی قبر ہوتی ہے۔ زندہ کون دفن ہوتا ہے۔ خیر سخت سردی تھی اور بارش موسلا دھار' پاس پڑوس والے کوئی آنہ سکے' ان کی بہن کی اطلاع کے مطابق... تو... اور قبرستان

میلوں دور' بارش کی طوفانی لہریں تھیں' سیلاب آگیا تھا' ہم واپس مشکل سے ہی آئے۔"

ہما کا تو حال خراب تھا' کاٹو تو خون نہیں' یہ کیا سلسلہ ہے' کیسا ڈراما ہے۔

"ہم تو' تم کو ہی آخر یہ شک کیوں ہے؟" سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری' وہ بھی خشک تھی۔

"بھئی... زندگی میں ہی کہتی رہتی تھیں کہ تمہارے بھائی میاں کی محبت میری زندگی تک ہی ہے۔ میرے مرتے ہی یہ دوسری شادی کرکے عیش کرتے رہیں گے۔ [illegible] ہی کرنا ہے۔"

"مگر... یہ تو کوئی بات [illegible] کوئی بھی مطلب... کسی اور [illegible]"

"بھئی دس دفعہ [illegible] میرے سامنے کہا کہ وہ بھائی میاں کی [illegible] ان کی محبت کا امتحان لیں گی' بھائی میاں [illegible] بھی تھے۔ یقین دلاتے تھے کہ وہ [illegible] ہیں وہ کہتی تھیں۔" زہرا سانس [illegible] پھر اینٹوں پر چڑھ گئی۔

"[illegible] مردوں کی محبت بس چند روزہ ہوتی ہے' زندگی کے ساتھ دعوے کرتے ہیں۔ مرتے ہی... بھول بھال کر... میں انہیں ثابت کرکے دکھاؤں گی کہ میرا دعویٰ سچا ہے اور دیکھ لو۔"

زہرا پھر اینٹوں سے اتر گئی۔

"کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ یہ لوگ شاید جنوں کی نسل سے ہیں' کبھی جو کوئی سامنے نظر آئے۔ اف... ہاں... تو دیکھ لو چھپی بیٹھی ہیں بھائی میاں کا امتحان لینے کے لیے' جوں ہی انہیں خبر ہوئی بھائی میاں کی شادی کی۔ فوراً آن موجود ہوں گی' دیکھ لینا۔"

"تمہیں... تمہیں یقین ہے کہ... مگر چار سال تک کون انتظار کرتا ہے۔" ہما بے یقینی سے زہرا کو دیکھتی رہی۔

"چار سال؟ ارے محبت کرنے والے تو ساری زندگی انتظار کرتے ہیں' کتابوں میں تو یہ ہی لکھا ہے' اور بھی کتابیں جھوٹی تھوڑی ہوتی ہیں۔"

"چار سال' تو کیا... بچی کو کیوں نہیں رکھا اپنے پاس۔" وہ جھنجلائی ہوئی تھی۔

"یہ ہی تو [illegible] کر مرچکی ہیں اور بھائی میاں [illegible] انہیں جاکر لے آئے اور اب [illegible] زندگی ہے' وہ ہی محبت ہے' وہ ہی سب [illegible]"

"تمہارے بھائی میاں کو بھی کیا یہ شک ہے کہ آزمانے کے لیے چھپی ہوئی ہیں؟"

"نہیں بھئی' یہ ہی تو مشکل ہے کہ انہیں تو ذرا بھی شک نہیں... میں مثالیں دے دے کر یقین دلاتی رہی انہیں مگر میرا یقین نہیں' کہنے لگے' ڈراتی ہے بہت دیکھتی ہو' میں نے کہا' میں حیران ہوں' انہوں نے وفات کے لیے وہ ہی دن کیوں چنے' جب بھائی میاں جاپان میں' پشاور اور ذکیہ آپا چھلے میں تھیں۔ یقیناً آزمانے کے لیے بہترین موقع تھا۔ نہ کسی نے جنازہ

دیکھنا، قبر او رہمائی میاں گئی بیچے تو جو اس باختہ رہتے، پاگل ہونے میں ذرا سی کسر رہ گئی تھی۔ بچی کو جا کر لائے تب کچھ حواسوں میں آئے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ کب تک آزماتی رہیں گی؟ چار سال کم تو نہیں ہوتے۔"

"جیسے ہی بھائی میاں شادی کریں گے آجائیں گی، ویسے پچھتا رہی ہوں گی۔"

زہرا کا شک بلکہ یقین اور ہما کی پریشانی۔ اگر یہ اسی طرح ہے تو اس کا آنا بے کار ہی ہوا۔ مگر اگلے دن جب وہ زہرا کے ساتھ شالا مار باغ اور جہانگیر کے مقبرے کی سیر کے لیے ذکیہ آپا کی لمبی گاڑی میں اڑی جا رہی تھی تو ساری فکر ذہن سے نکل دی گئی۔ زہرا بھی شاید بھول گئی تھی۔

اگلے دن قلعہ اور مینار پاکستان، شاہی مسجد کی سیر کا طے ہو گیا۔ ہما خوش تھی، کچھ فائدہ ہی ہوا لاہور آنے کا۔

☼ ☼ ☼

رات کو بوا، ذکیہ آپا کے بچوں کے کمرے میں کہانی سنا رہی تھیں۔

"اور پھر اللہ کا کرنا کیا دیکھا شہزادے نے کہ پان شق ہوا، اس میں سے یہ حسین مہ جبین چندے آفتاب چندے ماہتاب شہزادی باہر نکلی اور کھانے کی میز پر رکھے کھانے پر ٹوٹ پڑی۔"

"اتنے سے پان میں پوری شہزادی؟ بوا، وہ کوئی چڑیا جتنی تھی؟"

"بھئی چپ کر کے سنو، وہ تھی رانی بن بسی، پان کی شہزادی، کھانے کے اوپر ٹوٹ پڑی۔ جتنی زیادہ چیزیں تھیں ہر ڈش میں سے نکال کر کھائی، جبھی یہ بھی وہ ہر چیز چکھتی کھاتی۔"

"ہمارا کھانا جھوٹا کرتی رہی، ایں بوا؟" بد تمیزی [illegible] تھی۔

"اُف، سنو پھر جیسے ہی وہ کھانی [illegible]

ہونے لگی۔ شہزادے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ تو سو جان سے عاشق ہو گیا تھا شہزادی پر۔"

"ارے بوا! اب ان کو سونے دو، صبح اسکول جانا ہے۔" ذکیہ آپا باہر سے ہی پکارنے لگیں۔

"فضول کہانیوں میں الجھا رہی ہو، یہ کوئی بچوں کو سنانے والی باتیں ہیں۔"

"اوئی، کہانیاں کیا بڈھوں کو سنائی جاتی ہیں، لو اور سنو۔" بوا خفا ہو گئیں۔

زہرا منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی۔ "سنا تم نے بچوں کے لیے کہانیاں، جس میں شہزادہ سو جان سے عاشق ہوتا ہے شہزادی، چندے آفتاب۔ کل جو کہانی سنا رہی تھیں اس میں شہزادی کو پری جمال بنا دیا۔ جس پر نوید نے کہا۔ بوا پری جمال نہیں، تنویر جمال ہے جو ڈرامہ میں کام کرتے ہیں انکل۔ اب ان کہانیوں سے کیا سبق لیتے ہوں گے اس زمانے کے بچے، جب بوا کی نانی دادی یہ کہانیاں سناتی ہوں گی، ظاہر ہے ہر قسم کی پری جمال پر عاشق ہوتے ہوں گے۔"

"فکر نہ کرو، اب اس زمانے کے بچے کوئی سبق نہیں لیں گے۔ ان کے لیے ٹی وی کی پری جمالیں اور شہزادیاں کافی ہیں۔" ہما نے اطمینان دلایا۔ [illegible] تک وہ باتیں کرتی رہیں۔ زہرا تو شاید بالکل [illegible] تھی کہ اس نے ہما کو بھی دلہن کے [illegible] گفتگو [illegible] ہے۔ زہرا [illegible] کے ساتھ رہتی تھی۔ بڑی آپا [illegible] کی چھٹی تھی، اس لیے سیر [illegible]

صبح سویرے [illegible] لے کر نکل گئیں۔ ناشتہ کر کے [illegible] وہاں سے شاہی مسجد [illegible] قلعے میں [illegible] شیش محل [illegible] اور باہر بھی تصویریں کھینچیں۔ خوب لطف آیا۔ ہما کی زندگی کی بہترین تفریح تھی۔ تفریح کے ساتھ زہرا کی دلچسپ گفتگو۔ تاریخ کے بارے میں اس کی معلومات بھی بہت تھیں۔ زہرا سے اس کی پکی دوستی ہو گئی۔ سہ پہر کو گھر پہنچیں، تھک کر چور، کھانا

کھایا، تھوڑا آرام کیا، نیند آ گئی۔ شام کو اٹھ کر نہا کر باہر آئی، لاؤنج میں چائے کا انتظام ہو رہا تھا۔ زہرا اسے ہاتھ پکڑ کر باہر لائی۔ اس کے بھائی میاں آ چکے تھے، پچی کے۔ ذکیہ آپا، ان کے شوہر، بچے سب موجود تھے۔ زہرا شاید قلعے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ہما ذکیہ آپا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ زہرا ہی بولتی رہی۔ چائے کے ساتھ سموسے اور کیک بھی تھا۔

بھائی میاں اچھے اسمارٹ اور خوش جمال تھے، بچی کی طرف ہی متوجہ رہے۔ [illegible] رہے پھر ذکیہ خالہ نے کہا۔

"یہ ہما ہے۔ خالہ [illegible] جھوٹی خالہ کی بیٹی۔ تمہیں یاد ہو گا بہت [illegible] صورت، حسن و جمال میں یکتا تھیں۔ [illegible] کرائیں۔" ذکیہ آپا نے سرد آہ بھری۔

"ہاں [illegible] حسن و جمال نہیں، پری جمال کہیں۔" [illegible] بول اٹھا۔

[illegible] یہ بوا کی کہانیاں۔" ذکیہ آپا گھور کر رہ گئیں۔ "چپ رہو عماد۔"

ان کا بیٹا پھر بول اٹھا۔ "چندے آفتاب چندے ماہتاب تو یہ ہما آنٹی ہیں، بوا سے پوچھا تھا میں نے، انہوں نے کہا ہاں ایسی ہی شہزادی تھی وہ۔"

"چلو اٹھو بھاگو یہاں سے عماد! اب نہ بولنا تم۔" زہرا کو ہنسی آ رہی تھی، ذکیہ آپا کو غصہ۔ بھائی میاں بچی کی خاطر میں مصروف۔

ہما چائے لے کر کمرے میں آ گئی۔

"چھوٹی خالہ کی وفات کے بعد اسلم خالو بھی چل بسے۔ جب سے ہما شبو خالہ کے پاس ہے۔ بی اے کر کے فارغ ہوئی ہے۔" ذکیہ آپا ان کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھیں۔ وہ بچی میں گم، ہما کچن میں کسی اور لذیذ چیز کی تلاش میں چلی گئی۔ اس کے کان لاؤنج میں ہی لگے رہے۔

"ارے نہیں آپا! بچی ہے، زہرا جیسی۔" اب ان کی آواز آئی تو انہوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔

"ہاں ہاں [illegible] کو بھی پہلی [illegible]، جھٹ شادی کے قابل ہے۔ ابھی [illegible] ارمان ہوتی ہیں۔ مجھلی خالہ بہت [illegible] باپ بھی نہیں اور [illegible] معصوم [illegible] بھی ہے، کسی بے سہارا کو سہارا [illegible] جیسے تم کہو۔"

[illegible] کی خاموشی پھر زہرا کچھ کھاتی ہوئی آئی۔

"بھابی نے کی رات کے کھانے میں۔ بھائی میاں کھانا ادھر ہی کھائیں گے۔ چلو کچھ وقت تمہارے ساتھ اور اچھا گزر جائے گا۔ وہاں تو۔ اف تنہائی اور سناٹا اور اوپر سے بیلی افشی کے نخرے۔"

"کیوں، وہاں بڑی آپا بھی تو ہیں۔"

"وہ کوئی میری سہیلی یا رازدار تو نہیں ہیں۔ دوسرے وہ نماز اور وظیفوں میں مشغول رہتی ہیں۔ میں پڑھائی میں، اور اب دو دن جو یہاں رہ گئی تو ایک ہفتہ تک تو آ نہیں سکوں گی۔ بڑی آپا کا کہنا ہے کہ قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا، تمہاری وجہ سے رہ بھی لی۔ ورنہ یہاں بھی ذکیہ آپا مصروف، بچے کھلنڈرے، خیر میں بھی ان کے ساتھ کھیل لیتی ہوں مگر میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے، اس لیے بڑی آپا میری سیر تفریح کے شوق سے بہت خفا رہتی ہیں۔"

"سنو زہرا! پلیز ذکیہ آپا سے کہو اب مجھے بھی اوکاڑہ بھیج دیں۔" اس نے لجاجت سے کہا۔

"ہیں؟ اتنی جلدی؟ دل نہیں لگا یہاں؟"

"دل تو خیر لگ گیا مگر تم بھی جا رہی ہو اور میں اکیلی کیا کروں گی۔ سیر بھی کر لی۔ خالہ ذرا سا کام کر کے تھک جاتی ہیں، اسری تو پڑھائی میں غرق رہتی ہے۔"

زہرا نے باہر جا کر بات کی ہو گی، واپس آ کر کہا۔ "کام بن گیا، کوئی صاحب اوکاڑے جا رہے ہیں۔ ان کا ساتھ ہو جائے گا۔ بھائی میاں تمہیں خود بس پر بٹھانے جائیں گے۔"

"نہیں... نہیں، وہ کیوں تکلیف کریں۔" ہما گھبرا گئی۔

"منع کر دو، پلیز ڈرائیور کے ساتھ۔"

ذکیہ آپا اندر آ گئیں، معذرت کرنے لگیں کہ وہ

وصیت کے مطابق خود اسے چھوڑنے نہیں جاسکتیں۔ کراچی سے ان کی مدد آرہی ہیں کل۔

"اشفاق کے آفس کا لڑکا اپنی والدہ کے ساتھ جارہا ہے۔ اشفاق نے کہا کہ وہ تمہیں گھر تک پہنچا دیں گے۔ تمہیں آرام رہے گا۔ ہمیں اطمینان۔"

ہما نے شکر ادا کیا۔ ذکیہ آپا نے اسے بہت خوب صورت سوٹ بھی دیا۔ اور ہم رنگ چوڑیاں بھی۔ اس کے منع کرنے پر وہ خفا بھی ہوئیں۔ زہرا نے بھی اسے ملتان کی کڑھائی کا دوپٹہ دیا۔ جاتے وقت گلے لگایا اور بولی۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔ تم پھر کبھی آسکو تو ضرور آنا۔ میرا تو اوکاڑہ جانا ہو نہیں سکتا۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔" ہما نے گلے لگ کے کان میں سرگوشی کی۔ "اگر تمہاری سسرال اوکاڑے میں ہو۔"

"میرا تو امکان کم ہے۔ البتہ تمہاری سسرال لاہور میں ہو سکتی ہے۔ پھر ملاقات ممکن ہے۔" زہرا نے کہا۔

زہرا اپنے بھائی، بھتیجی کے ساتھ چلی گئی۔ ہما کا دل بہلانے ذکیہ آپا کے بچے تھے اب۔

☼ ☼ ☼

صبح ناشتے کے بعد وہ بالکل تیار تھی۔ آخر گیارہ بجے بوا نے آکر بتایا۔ "گاڑی آگئی ہے، چلو۔" ملازم نے بیگ اٹھالیا۔ ذکیہ آپا نے گلے لگایا۔ دعائیں دیں۔ وہ گیٹ پر آگئی بوا ساتھ تھیں۔ باہر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ ایک نوجوان باہر کھڑا تھا اندر برقعہ پوش خاتون بھی تھیں۔ ڈرائیور نے اس کا بیگ لے کر ڈگی میں رکھا۔ پیچھے بیٹھی خاتون کو سلام کیا۔ نوجوان اندر بیٹھ گیا۔ گاڑی نے بس اسٹینڈ پر پہنچا دیا۔ ٹکٹ لیے جا چکے تھے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئیں۔ اپنے ٹائم پر بس چل پڑی۔ خاتون ہما سے باتیں کرنے لگیں۔

ان کی بچی اوکاڑے میں رہتی ہے۔ بیٹا اشفاق صاحب کی کمپنی میں ملازم ہے۔ بیٹی نے [illegible] چلایا ہے۔ اماں جان اس لڑکی کو دیکھنے جارہی ہیں بیٹے کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اگر لڑکی ان کی مرضی کے مطابق ہوگی تو رشتہ دے کر جواب لے کر ہی لاہور جائیں گی۔ ہما کے بارے میں بھی انہوں نے معلومات لے لیں۔ وہ یتیم ہے، خالہ کے گھر رہتی ہے۔ بی اے کرلیا ہے۔ اشفاق صاحب خالہ زاد ہیں، وغیرہ۔

راستے میں بس دو تین جگہ رکی۔ ان کے بیٹے نے نیچے اتر کر اماں کو پھل لاکر دیے۔ جو انہوں نے ہما کو بھی باصرار کھلائے۔ اوکاڑہ آیا، ٹیکسی کر کے پہلے ہما کو پہنچانے خالہ کے گھر گئیں۔ ٹیکسی والے سے کہہ دیا۔

"ذرا بچی کو اندر پہنچا دوں، دس منٹ رکنا۔"

خالہ سے بھی سلام دعا، بلکہ اصرار نے چائے بھی پلائی۔ ان کے بیٹے اور ٹیکسی ڈرائیور کو بھی دروازے کی اوٹ سے ٹرے پکڑائی۔ پھر کسی دن آکر ملنے کے وعدے کے ساتھ خاتون رخصت ہوئیں۔ خالہ کو وہ بہت پسند آئیں۔ ان کا اخلاق اور احساس ذمہ داری، مگر ہما سے انہوں نے یہی کہا۔

"اتنی جلدی کیا تھی آنے کی؟ دو چار دن اور رہ لیتیں۔"

"مجھے سنیعہ یاد آرہی تھی۔" اس نے بھابھی کی گود سے سنیعہ کو لپک لیا۔

رات کو بھابھی نے اس سے پوچھا۔ "کیسی رہی لاہور کی سیر؟ اشفاق بھائی کیسے لگے؟"

"پتا نہیں۔ کل ذرا دیر کو دیکھا تھا۔"

"ان سے کوئی بات نہیں [illegible] تم سے مل کر کچھ کہا ہوگا۔"

"جی۔ کہا تھا [illegible] ہے۔" کہہ کر ہما کھلکھلائی۔ [illegible]

"اور [illegible] امید لگائے بیٹھی تھیں کہ شاید تمہارے ساتھ ذکیہ آپا آئیں گی منگنی کرنے۔"

"بس بھابھی، بھائی جان سے کہیں مجھے کوئی جاب دلوا دیں۔ بیٹھے بیٹھے بور ہوگئی ہوں۔"

"لو حد ہوگئی، جاب کیا اتنی آسان ہے۔ لاہور میں اشفاق بھائی سے کہتیں۔ ان کی کمپنی میں شاید مل بھی جاتی۔ رشتے داری کی مروت میں۔"

خالہ نے سنا تو شور کرنے لگیں۔ مگر ہما، خالہ کے بیٹوں کی شادی کے شوق کو پس پشت ڈال کر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی سعی کر رہی تھی۔

"کس نے کہا کہ تم بوجھ ہو، یا ہم تمہیں کھلا نہیں سکتے؟ لو اور سنو، فضول کی فرمائشیں۔"

بہو سے بھی شکایت ہوگئی۔ "لو جی، ہم لڑکی کی شادی کے لیے پریشان ہیں، یہاں تو منصوبے ہی اور بن رہے ہیں۔ بالا ہی بالا۔"

بے چاری بھابھی کہہ کر پچھتائیں۔

"اماں، اگر لاہور میں کوئی امید ہوتی تو وہ جاب کا نہ کہتی۔ آپ نے ذکیہ آپا سے بات کی؟"

"ہاں۔ خاص بات [illegible] خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی۔ پھر [illegible] بتایا کہ اشفاق نے ابھی جواب [illegible] دیا ہے۔" خالہ دائیں بائیں دیکھنے لگیں۔ ([illegible] کوئی امید نہ رہی۔)

"اب [illegible] مجھے تو یہ لالچ ہے کہ ایک تو اپنا [illegible] دولت کی ریل پیل۔ عیش کرے گی، سکھ [illegible] مجھے بھی تسلی ہوگی۔ اب غیر لوگ، جانے کیسے ہوں۔ کسی کے دل میں گھس کر پہلے سے تو پتا نہیں چلایا جاسکتا۔"

"ہاں، اشفاق [illegible] عمر کا فرق بھی تو ہے۔ آج کل تو اس پر بھی ریسرچ ہو رہی ہے، کم عمر لڑکی، بڑی عمر کے مرد کے ساتھ خوش نہیں رہتی۔"

خالہ چونک گئیں۔ "اس نے تم کو کچھ بتایا؟"

"نہیں، بتایا تو نہیں، میں نے خود پوچھا تھا۔ اشفاق بھائی کو دیکھا، کیسے لگے تو کہنے لگی ذرا دیر کو دیکھا تھا، وہ کمرے میں چلی گئی۔"

"پاگل کہیں کی، ذرا دیر سامنے بیٹھتی، کچھ بات کرتی، بچی سے مخاطب ہوتی، ہائے کیسے عقل سکھاؤں، جس کام کے لیے گئی تھی وہی نہ ہوا۔" خالہ سخت بدمزہ ہوئیں۔

"اماں، اس کی قسمت پر چھوڑ دیں، دس گھنٹے بھی سامنے بیٹھ کر جا چکی۔ کسی کا پتا نہ چلتا۔ وہ کوئی اتنی تجربہ کار بھی نہیں کہ اندازے لگاتی۔"

خالہ چپ ہو گئیں، ابھی ذکیہ کی طرف سے بھی تقاضا نہیں ہوا تھا۔

☼ ☼

بھائی جان نے [illegible] کمال کر دیا۔ اس کے لیے ایک جاب تلاش کر ہی لی۔

"بھئی واہ، کیا بات ہے ہما کی۔ ادھر میں نے عظمت صاحب سے ذکر کیا، انہوں نے کہا، ہماری فرم میں لیڈی ٹیلی فون آپریٹر کی ضرورت ہے۔ فرم کی پک اپ اسٹاف کو لانے لے جانے کی ذمہ دار ہے۔ مسئلہ ہی نہیں، ٹریننگ دو دن ہوگی، بس پھر کام شروع۔" بھائی جان بہت خوش تھے۔

عظمت صاحب پچھلی گلی میں رہتے تھے۔ عظمت صاحب اسے لینے اور ڈرائیور کو گھر بتانے آگئے۔ وہ بے فکری سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ آفس بہت بڑا نہ تھا۔ اسٹاف میں بھی زیادہ لوگ نہ تھے۔ ایک لیڈی آپریٹر موجود تھی۔ اس نے کافی کچھ سمجھا دیا۔ کام بہت مشکل نہ تھا۔ بس ذمے داری کا تھا اور دو دن میں وہ اچھی طرح سمجھ بھی سکتی تھی۔ جب چھٹی ہوئی وہ سب کے ساتھ باہر آرہی تھی۔ تو اسے احمر نظر آیا۔ ہم سفر۔ وہ ٹھٹک گئی۔ وہ بھی حیران سا تھا۔

"آپ یہاں؟ گئے نہیں؟" منہ سے نکل گیا۔

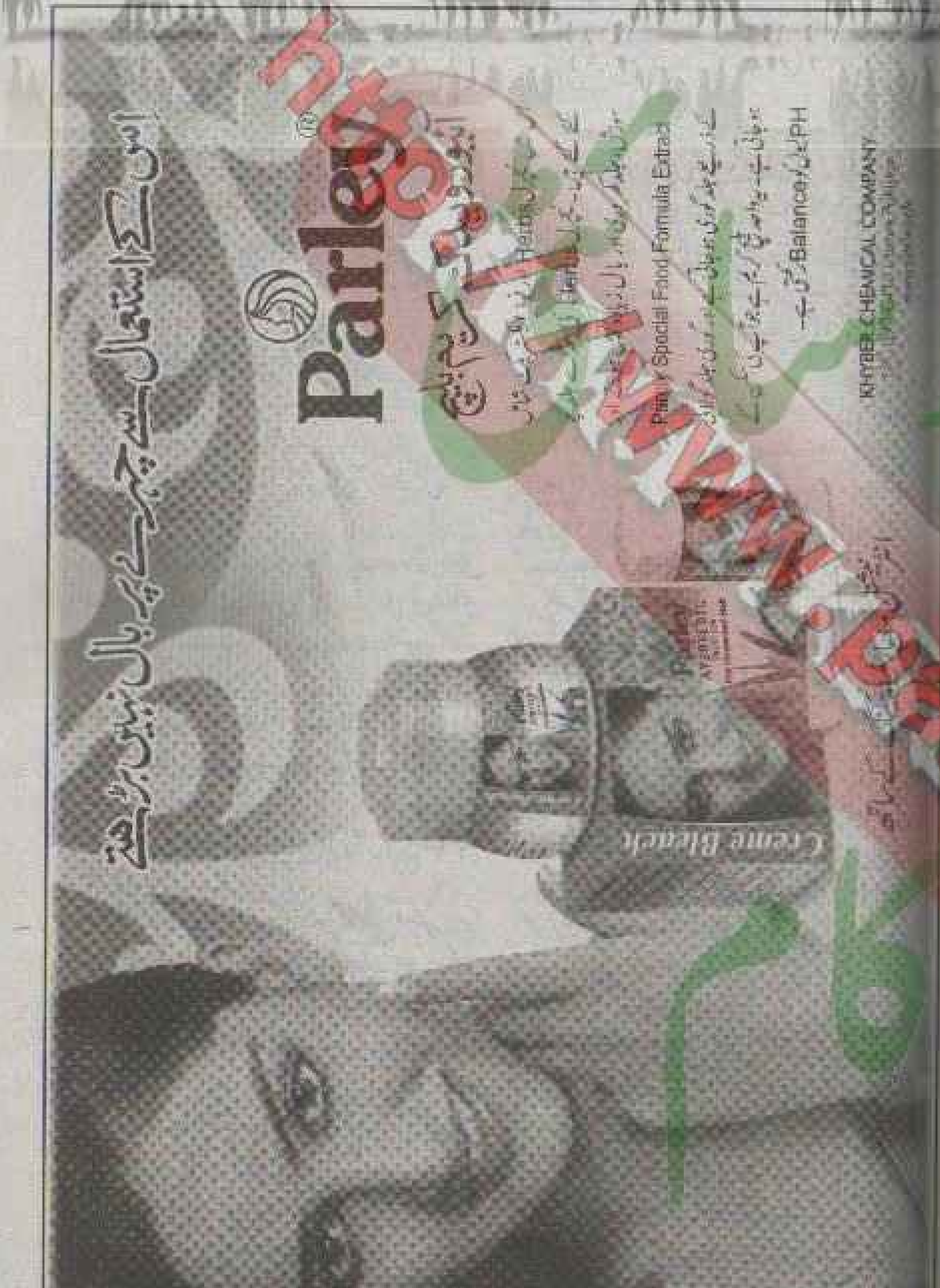
"ہاں بس۔ دو، چار دن اور رکنا ہے، ادھر۔ کیسے؟"

"وہ مجھے یہاں کام مل گیا ہے۔ ٹیلی فون آپریٹر کا۔" اس نے کچھ جھجک کر بتایا۔ اتنی بڑی پوسٹ نہ تھی کہ فخریہ بیان کرتی۔

"آپ کے اس کام کا کیا ہوا؟ خالہ جی جس کے لیے آئی تھیں۔" وہ گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"پتا نہیں، اماں کو ہی معلوم ہوگا۔" اور آگے بڑھ گیا، شرمیلا۔

"خالہ جی کو میرا سلام کہیں۔" آخر اس نے راستے میں خاطر تواضع کی تھی۔ اس کی اماں نے بھی اور اب اسے علم ہوا۔ وہ خود بھی اشفاق بھائی کی فرم میں ہی



جواب کر رہی ہے۔

وہ ہ چاہتی نہیں تھا کہ عظمت چاچا ان کی کمپنی کے اکاؤنٹنٹ ہیں۔ بھائی جان نے بھی نہیں بتایا۔ گھر آکر اس نے شکوہ کر ڈالا۔ اسریٰ نے تو خوب چیخ چلا کر مبارک باد دی۔ مگر خالہ۔ ناک پر انگلی رکھ کر اسے دیکھتی رہیں۔ پھر بیٹے سے کہا۔

"ائے... میں نے کہا۔ انصر۔ بھلا بتاؤ کوئی خوشی کی بات بھی ہو' ارے نوکری اور اشفاق کی کمپنی میں؟ ان کے آفس میں' معمولی سی نوکری' کیا سوچیں گے اشفاق۔"

"اماں... انہیں سوچنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ نہ ان کے پاس کچھ سوچنے کا ٹائم ہو گا۔"

"اے لو' یہ کیا بات ہے' اپنے آفس کی معمولی نوکر سے شادی کرنا اچھا لگے گا؟ اسے برا تو لگے گا ہی' دفتر والے بھی مذاق اڑائیں گے۔"

"تو نہ کریں شادی' بات ختم۔" انصر نے بات ختم کر دی۔

خالہ کو بیٹے کی بات پسند نہیں آئی۔ بڑبڑانے لگیں۔ "اب دیکھ' پوچھے گی' میں نے تو خود اس سے کہا تھا' کوئی لڑکا' کوئی رشتہ ہو تو یہ ہوا' بات ختم' ایسے کیسے ختم بھئی۔"

"اماں! آپ کو جلدی کیا ہے؟ ہما کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ ابھی اتنی عمر بھی نہیں ہے کہ کہیں بھی دھکا دے دیں۔ آپ اشفاق بھائی سے کب ملی تھیں؟ یاد ہے کچھ؟"

"پاکستان۔ بس یہ ہی کوئی اچھا خیر۔ ذکیہ صفیہ تو آئی تھیں نافرو کے انتقال پر۔ اشفاق۔ بس کوئی دس' بارہ سال کا تھا جب اسے دیکھا تھا۔" خالہ از سر نو مستعد ہو گئیں۔

"سن لو' یہ ہماری اماں ملے بغیر دیکھے بغیر ہی رشتے پر آمادہ ہیں' کیا بات ہے؟ واہ۔"

وہ اٹھے اور نکل گئے۔ خالہ بڑبڑا [illegible] اشفاق کی دولت' کاروبار کی وسعت [illegible] عیش آرام کی زندگی۔ "ان [illegible] نظر نہ [illegible]

تو بے "اس پر اعتراض تھا انہیں۔"

اگلے دن وہ مٹھائی لے کر آفس گئی۔ میز پر ڈبہ رکھ کر عظمت چاچا کو دعوت دی۔ انہوں نے سب کو بلا لیا۔ ڈبہ کھلا رکھا تھا اور سب اپنا حصہ اٹھا رہے تھے۔ کچھ دلچسپ فقرے بھی کان میں پڑے۔

"یار! خدا کا خوف کرو' شوگر کے مریض ہو' احتیاط لازم ہے' کہیں یہاں سے اسپتال نہ لے جانا پڑے۔"

"اوئے' پیٹ اپنا ہے کہ کرائے پر لائے ہو' رحم کرو اب۔"

"لگتا ہے آج بیوی نے ناشتا نہیں دیا' بھوکے پیٹ آ گئے اصغر صاحب۔"

احمر نے اپنی پسند کی مٹھائی چن کر نکالی۔ "تو ان کو دیکھو' جیسے شریک حیات پسند کر رہے ہیں' ارے اٹھا لو میاں کوئی سی بھی۔"

"لڑکیوں کے لیے کچھ چھوڑو گے کہ۔ مبارک باد بھی دو مس ہما کو اور شکریہ بھی۔"

پھر سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "مبارک ہو مس ہما اور تھینک یو' شکریہ' مہربانی۔" شام کو گھر پہنچی تو بہت خوش تھی۔ خالہ سے لپٹ گئی۔ انہوں نے ٹیڑھی آنکھوں سے دیکھا۔

"تو ہوا' ہو گئی نوکری کی شروعات' میں نے [illegible] لڑکیوں کو گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے اب۔"

"گھر میں رہتے بور ہوتے [illegible] نوکری کر لیں' گھر میں کیا فائدہ؟"

"ہزاروں فائدے [illegible] سیکھتی ہو' سلائی کڑھائی [illegible] ستارے ٹانکتے ہوں' آج جہیز [illegible] یہ سب کرتی ہیں۔ دفتر [illegible] نہیں ملتا۔" خالہ ہوتو بس شادی کی [illegible]

[illegible] گا' ہو جائے گا خالہ! میں کر لوں گی' جو [illegible] کی کر لوں گی' موتی' ستارے' کڑھائی' سلائی' بنائی' سب کر لوں گی' جہیز کی نوبت آئے تب نا' خوش؟"

"ہم تو چاہتے ہیں آج شادی ہو جائے گی' مگر بھئی

"ہم کون سا کچھ کہہ گئے۔"

"آپ تو میری سب کچھ ہیں۔" وہ ان سے لپٹ گئی۔ "خواہ مخواہ تو میں ہوں۔"

"چلی خوشامدی۔" آخر ہنسی آ گئی۔

شام کو کیا دیکھتے ہیں' جناب ہم سفر احمر سلطان مع والدہ اور بہن کے چلے آ رہے ہیں۔

"تمہاری خالہ سے وعدہ کیا تھا اس لیے آ گئی' یہ بیٹی ہے۔" انہوں نے تعارف کرایا۔ خالہ کو بتایا' وہ آ گئیں۔

ہما چائے بنانے کچن کی طرف دوڑی۔

اسریٰ نے کتاب پر سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ہما آپی لگتا ہے یہ لوگ آپ کا رشتہ لائے ہیں۔"

"ہیں؟" وہ چکرا گئی۔ "نہیں بس راستے میں بہت خیال رکھا انہوں نے۔"

وہ چائے لے کر اندر گئی تو خالہ سے وہ خاتون بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی بیٹی بھابھی سے' بھائی آ گئے تھے وہ احمر سے حالات حاضرہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ خاتون خوش تھیں کہ ان کی بیٹی کو ایک گھر مل گیا۔ ورنہ یہاں ان کے ملاقاتی بہت ہی کم تھے۔ سب کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو خالہ کچھ چپ چپ تھیں۔

"لو یہ ہوا۔" کہہ کر وہ کہیں چل دیں۔ غالباً بھابھی کے کمرے میں۔

"اچھے لوگ ہیں' احمر کے بہنوئی کا جنرل اسٹور ہے' میں اکثر وہیں سے سودا لیتا ہوں۔" بھائی کسی سے کہہ رہے تھے غالباً' خالہ ہی ان کی مخاطب تھیں۔

"بہنوئی سے کیا لینا ہے' لڑکے کی بات کرو۔" خالہ ہی تھیں متفکر سی۔

"لڑکا بھی ٹھیک ہے' ابھی کم عمر ہے' ترقی کے چانس ہیں۔" بھائی اطمینان دلا رہے تھے۔

"عظمت صاحب سے پوچھوں گا' لاہور ناظم بھی۔" وہ باتیں کرتے رہے ہما باہر آ گئی۔

اسریٰ کا اندازہ صحیح تھا۔ بڑی بی اشارہ دے گئی تھیں۔ بھائی احمر کے حق میں تھے' کم عمر

تعلیم یافتہ' شریف خاندان' چھوٹی فیملی' خالہ متامل تھیں۔ انھیں کوئی کمی لگ رہی تھی' رات کو ذکیہ آپا کا فون آ گیا۔

"میں نے بات کی تھی اشفاق سے' اصل میں بچی کی وجہ سے فکر مند ہیں کہ سوتیلی ماں آ کر نہ جانے کیسا سلوک کرے گی' اسی لیے کسی نیک خوخاندانی لڑکی کی تلاش تھی۔ ہما ہر لحاظ سے بہتر ہے کہ اپنی ہے اور خوش مزاج بھی ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں ایک سال ٹھہر جائیں۔ بچی بھی سمجھ دار ہو جائے گی' ہما بھی اچھی طرح سوچ لے۔"

خالہ نے بیٹے کو آگاہ کیا۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گئے۔ یوں تو اشفاق ہر لحاظ سے بہترین تھے۔ معاشی طور پر مضبوط' نگران کے ساتھ ان کی بچی تھی۔ سنا کہ وہ بہت جذباتی بھی ہیں۔ اس کے بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتے' ہر جگہ اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔

انصر ایک دن لاہور گئے۔ رات کو واپس آ گئے۔ اشفاق سے ملے گھر دیکھا' ان کا رویہ' اخلاق سے متاثر بھی ہوئے۔ بچی۔ ان سے الگ ہی نہیں ہوئی۔ یہ کچھ پریشان کن بات تھی۔ پتا نہیں' ہما معاملے کو سنبھال بھی سکے گی' وہ ایک بے فکر لاابالی سی لڑکی تھی۔ بچی یا شوہر کے ساتھ کس طرح کا واسطہ ہو گا' ان کی توقعات اور امیدوں پر پوری اتر بھی سکے گی یا نہیں۔

دراصل انھیں ہما کی خوشیوں کی فکر تھی' بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا تھا۔ بہت [illegible] کی ان پر۔

اسریٰ کے لیے [illegible] کا رشتہ آیا۔ احمر لندن پڑھنے [illegible] جواب مل گئی۔ انصر نے سوچا اسریٰ [illegible] کی شادی ساتھ کر دیں گے۔

اسریٰ نے [illegible] شور مچایا' وہ لندن جانا نہیں چاہتی تھی اور شادی کے لیے تو تیار ہی نہ تھی۔

"لندن بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے۔" وہ چیخی۔

"بس سیر کے لیے جاؤ اور آ جاؤ' کھلی ہے۔" انصر نے کہا۔ "چپ رہو' ورنہ میں اشفاق بھائی سے تمہاری شادی کرا دوں گا۔ وہ لندن جاتے رہتے ہیں' گرالا میں گے سیر و تفریح۔"

اسریٰ نے سریلی چیخ ماری۔ "ہائے نہیں' میں بڈھے سے تو کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

انصر نے ماں کو دیکھا' فیصلے کے لیے کسی اشارے کے منتظر۔ انصر نے فیصلہ کر لیا۔ احمر۔

"ہے بیٹا! انصر! کچھ عقل سے کام لے' کہاں اشفاق' اس کا محل' دولت کے انبار' اور کہاں یہ احمر' معمولی تنخواہ' لوگ کہیں گے' لڑکی بوجھ بنا رکھا ہے۔"

"اماں! لوگوں کو ابھی فرصت نہیں [illegible] پریشان نہ ہوں۔"

"ارے بھیا! اپنا خاندان [illegible] اور پیسے کی ریل پیل' عیش آرام [illegible]"

"خاندان [illegible] ضروری نہیں ہے' میں ہما کے کاندھوں پر [illegible] بھائی کی دولت کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر وہ [illegible] کو برداشت نہ کر سکی تو جھک [illegible] جائے گی۔ عمر کے فرق کی وجہ سے ذہنی [illegible] ہو سکی تو مرجھا جائے گی۔ احمر کے ساتھ کم از کم [illegible] عمر کی برابری تو ہو گی۔ اور احمر کا رزلٹ آ گیا ہے ایم بی اے میں پوزیشن لی ہے اس نے۔ ترقی کرے گا اور باقی سب قسمت پر چھوڑ دیں' اپنی طرف سے تو میں نے بہتر فیصلہ کیا ہے' دعا کریں کہ ہما بہت خوش رہے۔"

خالہ پر فکروں کا بوجھ لاد کر وہ بے فکر ہو گئے۔ انصر نے لاہور آفس اور عظمت صاحب سے بھی احمر کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ اور سادہ طبیعت کا ہے۔ دونوں طرف سے یہی اطلاع ملی تھی۔ ذکیہ آپا سے انصر نے ہی بات کی۔ معذرت اور جلدی شادی کا پروگرام' بہتر رشتہ ملنا ادھر سے بھی عجلت اور تقاضے' ذکیہ آپا کو مایوسی ہوئی۔ مگر کیا کہتیں' ہما سے بھابھی نے دونوں کے بارے میں رائے لی تھی۔ وہ کیا کہہ سکتی تھی' سوائے اس کے کہ خالہ اور بھائی کو اختیار ہے۔

☼ ☼ ☼

ہما کی شادی کے دن ہی اسریٰ [illegible] بارات بھی

تھی۔ دونوں کے نکاح ہو گئے۔ اسریٰ کی بیوٹیشن جاری تھی۔ یہاں [illegible] اسٹیج پر بھی اس نے اختر کو کئی بار [illegible]

"[illegible] کہیں بھاگی جا رہی تھی' اب چین آیا؟"

"[illegible]" اختر نے بھی کیمرے کی طرف مسکراتے ہوئے تصویر بنواتے ہوئے زیر لب کہا۔ "کیا بھروسا تھا تمہارا۔"

اسریٰ کے منہ سے حسب عادت چیخ نکلی۔ "پھر کیوں پیچھے پڑ گئے تھے؟ بھروسا نہیں تھا تو۔"

"عادت' ضرورت' محبت۔" اختر کھل کر ہنسا۔

بھابھی نے اسریٰ کو گھور کر دیکھا۔

"کیمرے کے سامنے تو تماشا نہ دکھاؤ اسریٰ۔ خاموش رہو' ہما کو دیکھا ہے' کیسے مشرقی دلہن کی طرح بیٹھی ہے۔ ایک تم ہو' ہاتھ کھلا' آنکھیں کھلی' منہ کھلا ہوا۔" انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

"مجھے ابھی رخصت نہیں ہونا۔ اس لیے بول رہی ہوں' بعد میں تو منہ بند کر کے کان کھولنے پڑیں گے سننے کے لیے' صرف۔"

"اچھا۔ تو میں ابھی اماں سے رخصتی کا کہتا ہوں۔"

اختر کی بن آئی۔ نکاح ہو چکا تھا اب کون اعتراض کرتا۔ بے چاری اسریٰ ہکا بکا سی اماں اور بھیّا کے مذاکرات کے نتیجے کا انتظار کرنے لگی۔ نتیجہ تو برعکس تھا۔ خاصی سراسیمہ ہو گئی اور وقت رخصت اس نے اختر کے کئی بار کہنی ماری۔ اور بازو پر چٹکی لی۔ وہ ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔

اسریٰ کی بے چارگی پر ہما کو ہنسی آ گئی۔ کس طرح مڑ مڑ کر دیکھتی ہوئی روتی ہوئی جا رہی تھی۔

ہما رخصت ہو کر لاہور آئی' ولیمے میں اشفاق بھائی اور زہرا آئے تھے۔ زہرا بہت خوش تھی۔

"دیکھا کیا کہا تھا میں نے' تمہاری سسرال لاہور میں ہو تو ملنا ممکن ہے اور وہ ہو گئی۔ دعا کریں وہ ہمیں اب میں تو روز آؤں گی' تنگ آ جاؤ گی۔"

ہما بھی اس سے مل کر خوش ہوئی۔ ذکیہ آپا کے شوہر بیمار تھے۔ اس لیے وہ نہیں آئیں۔ اوکاڑہ سے خالہ' بھائی بھابھی اسریٰ اور اختر بھی آگئے۔ ان کا ولیمہ ایک ہفتے بعد ہونا تھا۔ رخصتی ہو آنا" فانا" ہوئی تھی۔

ولیمہ کے لیے پروگرام بعد میں طے ہوا" اشفاق بھائی نے ہما کے جہیز اور دولہا کی سلامی کے نام سے پچاس ہزار کا چیک دیا۔

"یہ ہمارے ہنی مون کے لیے ہے۔" اس نے طے کیا اور احمر کو بتا دیا۔ اسے کیا اعتراض ہوتا۔ دس دن مری بھوربن نتھیا گلی' پتریاٹا' ایوبیہ کی سیر کرکے آئے تو فورا" اوکاڑے جانا پڑا۔ اسریٰ کا ولیمہ۔ اوکاڑہ میں سب سے مل جل کر اپنی سیر کی داستان سنا کر واپس لاہور آگئے۔ خالہ اسے خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

اسریٰ کو بھی اشفاق بھائی نے چیک دیا تھا۔ وہ اس نے بینک میں جمع کرا دیا اور اختر کے خرچ پر مری نتھیا گلی کی سیر کو چلی گئی۔

ہما اس کی ہوشیاری پر حیران ہو گئی۔

"ہائے مجھے یہ عقل کیوں نہ آئی۔ اچھی خاصی رقم ہوٹلوں کے کمروں اور ٹیکسی کے کرایوں میں پھونک دی۔ لیکن کچھ دن بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ احمر اپنے خرچ پر بھی نہ لے کر جاتا" چلو' رقم تو بچتی نہ جاتے اتنی لمبی سیر کو مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔"

احمر نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ مزے سے پیسہ اڑاتا رہا اور بھلا اسے اعتراض بھی کیوں ہوتا۔ کون سا اس کی جیب سے خرچ ہوا۔ اور وہ ویسے بھی اپنی کم حیثیتی کا رونا روتا تھا۔

ذکیہ آپا نے نئے دولہا' دلہنوں کی دعوت کی۔ اسریٰ کے ساس سسر' اختر کے علاوہ خالہ اور بھائی' بھابھی آئے۔ زہرا بھی میاں کے ساتھ آئی تھی۔ مستقل ہما کے ساتھ لگی رہی۔ ہما سب سے دوبارہ مل کر بے حد خوش تھی۔ اوکاڑہ جانے کو دل چاہتا تھا سب سے ملنے کے لیے۔ ذکیہ آپا کی بدولت سب سے مل لیا۔

☼ ☼ ☼

دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال گزر گیا۔ ہما کو بہت سی نئی باتوں کا ادراک ہوا۔ ساس اماں بے حد مہربان اور شفیق تھیں۔ خوش مزاج' احمر کا کچھ صحیح پتا نہ چلا' کبھی نرم' کبھی گرم' کبھی خاموش اور سنجیدہ۔ کبھی بہت خوش مزاج' ہما کو اندازہ تھا کہ اسے احمر کے ساتھ خاصی محنت کرنی پڑے گی۔ اسے دل کو سمجھانا ہو گا۔ ضبط سے کام لینا ہو گا۔ اپنے لاابالی پن کو خیرباد کہنا ہو گا۔

ایک سال بعد۔ ذکیہ آپا نے بھائی کو آخر کار سہرا بندھا دیا۔ ہما شادی میں شریک نہ ہو سکی۔ وہ اسپتال میں تھی۔ صبح اس کے لیے خوش خبری لے کر آئی تھی۔ وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی۔ تیسرے دن وہ بچے کو لے کر گھر آئی۔ سب بہت خوش تھے۔ احمر بھی۔ زہرا اسے مبارک باد دینے آئی تو اشفاق بھائی کی دلہن کی تصویر بھی لائی' بڑی عمر کی خاتون تھیں۔ مگر خوش نظر آ رہی تھیں۔

بعد میں کئی ماہ بعد پھر زہرا آئی تو اس نے بتایا۔

"بھابھی خود کو بہت بنا سنوار کر رکھتی ہیں مگر ہیں بہت معمولی شکل کی۔ مگر بچی کا خیال بہت کرتی ہیں۔ صرف اشفاق بھائی کے سامنے۔ تیز طرار ہیں۔ بھائی کو مٹھی میں لے لیا ہے۔ مگر خیر گھر سلیقے سے چلا رہی ہیں۔ بھائی مطمئن نہیں۔ انہیں کوئی کمی سی [illegible] ہے۔ پتا نہیں کیا؟ مزید خاموش اور سنجیدہ ہو گئے ہیں حالانکہ اتنے سنجیدہ تو وہ کبھی نہیں تھے۔"

"وہ پہلی بیگم کا خیال آجاتا [illegible] زندہ ہوتیں تو اب تو [illegible] وفائی ثابت کرنے کے لیے [illegible]"

ہما کو فکر لگی [illegible] زندہ [illegible] تو ثابت ہو' کہیں [illegible] تو؟ کیا ہو گا' اشفاق بھائی [illegible] گے۔ مگر بیگم؟ ان کا کیا بنے گا؟"

"[illegible] ہو گئی۔" "اوہ' تمہیں یاد ہے ارے وہ تو پرانی بات ہو گئی۔ اب تو ان کی ہڈیاں بھی گل گئی ہوں گی۔ بس ان دنوں کچھ ایسا شک ہوا تھا۔ حیرانی سی تھی' حالات ہی کچھ پراسرار تھے۔"

"فرض کرو وہ واقعی زندہ ہوں' آگئیں تو؟ ان تازہ [illegible] تانی بیگم کا جانا آسان تو نہیں ہو گا' دونوں ساتھ رہ [illegible] رہی تھیں؟"

"جس سے زیادہ محبت ہو گی اشفاق بھائی کو' اسے قربانی دینا پڑے گی' لگتا تو ہے ایسا۔"

"تو اور سنو' پھر تو پہلی کو ہی جانا ہو گا' یہ کیا بات ہوئی محبت کا قتل توبہ توبہ۔"

"اوہو' بھئی جب پہلی نے بے وفائی کر ہی لی' دوسری شادی کر کے تو دوسری ہی اہم ہوئی نا [illegible] پہلی تو یوں بھی [illegible] سے پارینہ [illegible] دھرائی بوسیدہ' ان کی کیا [illegible]"

"ہائے۔ [illegible] محبت تو [illegible] محبت جتنی پرانی ہو گی اتنی ہی مضبوط [illegible]"

"لب۔ زمانہ [illegible] چلو چھوڑو یہ محبت کا پرانا فارمولا [illegible] میاں صاحب کے کیسے مزاج ہیں۔" زہرا [illegible] پوچھنے لگی۔

"کیا مطلب [illegible] ویسے ہیں' اب تو بیٹا بھی [illegible] خوش ہیں۔" ہما اس کے سوال پر حیران [illegible]

"تو [illegible] بیٹا کیا سونے کے محل لے کر آیا ہے' جو خوش ہیں' پہلے خوش نہیں تھے؟"

زہرا عجیب سی باتیں کر رہی تھی' ہما سمجھی نہیں۔

"بھئی سننے میں آیا ہے کہ۔ معاف کرنا' تمہارے میاں کچھ اول جلول سی حرکتیں کرنے لگے ہیں' آفس والوں سے آئے دن بحث' فضول قسم کے جھگڑے۔"

"پتا نہیں' آفس کی باتیں وہ گھر میں نہیں کرتے۔"

"اچھا ہی ہے۔" زہرا اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بچے کے لیے بہت سے تحائف لائی تھی۔ کچھ ذکیہ آپا نے بھیجے تھے۔ زہرا کے جانے کے بعد وہ اس کی لائی ہوئی چیزیں ساس کو دکھانے لائی۔

احمر آیا تو اسے بھی دکھایا' اس کا موڈ خراب ہو گیا۔

"زبردستی کا احسان۔"

"احسان؟" وہ حیران ہو گئی۔ "احسان کی اس میں کیا بات ہے؟ میرے رشتے دار ہیں۔"

"رشتے دار؟ کبھی پہلے تو ملیں نہ دیکھا' اب اچانک رشتے نکل آئے۔" احمر کا موڈ شاید پہلے سے خراب تھا۔ ہما نے خاموشی [illegible] اماں نے مگر سمجھایا۔

"یہ احسان نہیں [illegible] محبت کا اظہار ہے۔ اپنے عزیز ہی نہیں [illegible] پڑوسی' ملنے جلنے والے بھی بچے کی [illegible] خوشی کے اظہار میں تحفے دیتے ہیں اور یہ تو [illegible] سگے والے ہیں۔ ہما کی خوشیوں میں حصہ دار' تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

احمر چپ رہا' اماں کے سامنے زیادہ نہیں بولتا تھا۔ مگر چہرے پر اعتراض کا بورڈ لٹکا رہا' ایک دن بڑے عجیب لہجے میں کہنے لگا۔

"بھئی واہ' اشفاق سر نے آخر شادی کر ہی لی' اب تم پچھتا رہی ہو گی کہ ایک سال اور کیوں نہ انتظار کر لیا۔"

"میں کیوں پچھتاتی؟ میرا کیا تعلق' وہ سال دو سال چار سال بعد کرتے یا نہ کرتے۔"

"کیوں۔ انہوں نے تم سے شادی کی درخواست کی تو تھی اور ان سے شادی کر کے تم خوب دولت مند ہو جاتیں۔ سونے میں پیلی' موتیوں میں سفید' دولت بہت بڑی طاقت ہے۔"

"میرے پاس اس سے بھی زیادہ دولت موجود ہے میرا بیٹا' مجھے سونے اور موتیوں کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا بیٹا سونے' چاندی اور جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے۔" اس نے بیٹے کو سینے سے لگایا اور اسے پیار کرنے لگی۔

"یہ بیٹا تو اشفاق سر بھی تمہیں دے ہی دیتے۔" احمر لاپروائی سے بولا۔

ہما چونک کر حیرت اور تاسف سے احمر کو گھورنے لگی۔ (کیا بکواس ہے؟)

"اوہو۔ یہاں تو نہ نوکر چاکر ہیں نہ ہی عیش آرام' وہاں تمہیں ہل کر پانی نہ پینا پڑتا۔"

ہما منہ بنا کر سامنے سے ہٹ گئی۔ جواب تو تھا اس کے پاس مگر وہ بات بڑھانے سے ڈرتی تھی۔

"ویسے انہیں ٹھکرا کر اپنے لیے کانٹے ہی بوئے

وہاں سے وہاں تو بیگم کے لیے نئی گاڑی بھی لی ہے' ٹھاٹھ ہیں نئی بیگم کے' موٹی موٹی اڑی بھری ہیں۔"

"تو؟ کیا کروں؟ میں بھی گاڑی میں ہر جگہ جاتی ہوں' پیدل نہیں پھرتی۔"

"اف وہ۔ سوزوکی کہاں اور ان کی وہ شان دار بی ایم ڈبلیو کہاں' خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی تم نے۔"

"میں ایسے فضول خواب نہیں دیکھتی۔" وہ چڑ کر باہر چلی گئی۔ احمر کا مزاج بدل سا گیا تھا۔ کچھ عجیب سا روکھا پھیکا' بے نیاز یا اس نے خود پر کوئی نقاب پہنا ہوا تھا۔ کچھ دن بعد پھر ٹھیک ٹھاک تھا۔ ہما رحمان بچے کو سیر کرانے لے جاتا' گھر میں دلچسپی لیتا اور کبھی پھر چپ کا دور' غلطی کی بارش۔

ہما کو زچ کرنے کے لیے اشفاق سر کا نام ہی کافی تھا۔ اور وہ واقعی ان کے نام سے بے زار ہو گئی۔ کچھ میں نہ آیا کہ یہ رقابت ہے یا پھر شک' بظاہر وہ شکی تھا ہی نہیں بس اشفاق سر کے لیے ہی مزاج برہم ہو جاتا۔

ایک دن تو وہ ساس سے شکایت پر مجبور ہو گئی۔ اماں نے احمر کو ڈانٹا' سمجھایا' احمر کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا۔

"کیوں کی شکایت؟" ہما پر چیخ چلا کر غصہ اتارا' اور کمرے کی ہر چیز ادھر سے ادھر کر دی۔ کچھ بھی جگہ پر نہ رہا۔ ہما ڈر گئی۔ احمر کی بدمزاجی اور پھر کمرے کی درستی' دن بھر بھی مصروفیت' گھر کے کام' کھانا پکانا' بچے کا خیال رکھنا' ساس کو بھی اس کی ضرورت تھی۔ اوپر سے احمر نواب صاحب کی تخریب کاری۔ تھک کر چور ہو گئی۔ کھانے کے لیے بھی اٹھا نہ گیا۔ بستر پر پڑی رہی۔

ساس نے احمر کے سامنے صفائی دی۔

"تم جو بکھیڑا پھیلا گئے تھے انہیں سمیٹا' کھانا پکایا' بچے کے لیے سیریلک بنا کر کھلایا' تھک گئی بچی' تم کس قدر بے حس ہو گئے ہو احمر۔ بغیر قصور کے سزا دینا گناہ میں شامل ہے۔ طاقت سے زیادہ [illegible] ہے۔ تمہارے گھر کو بنانے سنوارنے میں [illegible] مصروف رہتی ہے اور تم۔۔۔"

"کیا کروں میں؟" وہ چڑ گیا۔ "گولڈ میڈل پہناؤں' ایوارڈ سے نوازوں۔"

"یاد رہے یہ وہی گھر ہے' جہاں ہر چیز گرد میں اٹی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ فضول کاغذ' شاپر' کوئی چیز تلاش کے بغیر نہ ملتی تھی۔ تمہاری بہنوں کو گھر سے دلچسپی تھی' نہ صفائی سے' میں کیا بیمار ہوئی کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔ اب وہ ہی گھر آئینہ بن گیا ہے۔ ہر کام وقت پر اور سلیقے سے' کس کی وجہ سے؟ ہما کی محنت اور سلیقہ' میں تو اپنی بیماری سے ڈر گئی تھی۔ اسی لیے تمہاری شادی میں جلدی کی۔ یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہما اس گھر میں آئی۔ گھر کا حلیہ بدلا سو بدلا' میری بیماری بھی آدھی رہ گئی' بیٹا قدر کرنا چاہیے' خوش قسمتی ہے ہماری۔"

احمر چپ چاپ سنتا رہا' پتا نہیں اماں کی نصیحت نے کتنا اثر کیا تھا۔ ظاہر تو کچھ ہوا نہیں' ہما کی اداس صورت دیکھ کر اماں نے اسے بھی تسلی دی۔

"پریشان نہ ہو بیٹا! کبھی کبھی اس پر غصہ سوار ہو جاتا ہے' اب تو بہت دن کے بعد دورہ پڑا ہے' پہلے تو اکثر جنون سوار ہو جاتا تھا۔ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔"

دورے۔ آپے سے باہر' جنون' ہما چکرا گئی۔ "اماں تو۔ آپ نے علاج نہیں کرایا؟ کبھی اس [illegible] دورے سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ اکثر۔۔۔ وہ تو نقصان [illegible] میں اندھا دھند [illegible] بھی اپنا سر بھی دیوار [illegible] نقصان کی [illegible]" یہ تو بہت خطرناک بات تھی۔ [illegible] رہی تھی' کس قدر بے فکری [illegible]

"[illegible] آپ نے۔ علاج کیوں نہیں کروایا۔ یہ اچھی بات تو نہیں۔"

"علاج؟ ارے بیٹا۔ جیسے جنون چڑھتا ہے' اتر بھی جاتا ہے' علاج کیا ہوتا؟ اصل میں گھر کے حالات' باپ کے مرنے کے بعد کم عمری میں اس پر ذمہ داریاں پڑ گئیں گھر کی۔ پھر بہنیں لاپروا اور بے نیاز' میں بیمار' غصہ

آتا تھا' بڑھتا گیا' پھر جنونی کیفیت طاری ہونے لگی' فکر [illegible] ٹھیک ہو جائے گا۔"

اماں بڑی ہمت والی تھیں۔ مگر ہما کی جان پر بن گئی' جنون' خطرناک ہوتا ہے' اور اگر یہ صرف غصہ ہے تب بھی انتہا تک پہنچ کر جنون بن سکتا ہے۔ اسے معمولی سمجھنا غلطی ہے۔ وہ پہلے بھی محتاط تھی' اب اور بھی ہوشیار ہو گئی۔ احمر کو خوش کرنے کے سارے جتن کرتی' بس اسے غصہ نہ آئے۔

اب اماں کے سمجھانے کا اثر تھا' یا اسے احساس ہو گیا۔ وہ بالکل نارمل ہو گیا۔ بلکہ بہت خوش رہنے لگا۔ آفس کی باتیں بتاتا' دوستوں [illegible] جاتا' بچے کے لیے شاپنگ کرتا' [illegible] بھی خوش تھی کہ اس نے بھی مزاج اعتدال [illegible] دورے کا وقت مقرر نہیں ہوتا۔

✿

[illegible] زہرا آئی' کافی دن بعد آئی تھی' کچھ فکر مند' [illegible] باتوں کے بعد اس نے کچھ اگلتے ہوئے [illegible]

"اشفاق بھائی کی بیگم چلی گئیں' کافی کچھ لوٹ کر بور کر کے گئیں۔ ان کے جانے کے کئی دن بعد بھائی کو علم ہوا کہ وہ خاصی رقم اور مزید قیمتی اشیاء زیورات کے علاوہ لے گئی ہیں۔ بھائی نے انہیں طلاق دے دی' بہت پریشان رہے' اب کچھ اطمینان سے ہیں۔"

ہما کو افسوس ہوا' ہائے بے چارے اشفاق بھائی' کیسی قسمت ہے' زہرا کے جانے کے بعد وہ اماں کو سنانے آئی' ابھی پورا واقعہ سنایا بھی نہیں تھا کہ احمر آ گیا۔ وہ چپ ہو گئی مگر وہ سن چکا تھا' ایک دم چلانے لگا۔

"کیوں آتی ہیں یہ ہمارے گھر' ٹینشن پھیلانے' کیوں خبریں سناتی ہیں۔"

اماں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی تدبیریں کیں۔ ہما ٹھنڈا شربت بنا لائی۔

اس نے کہا۔ "ابھی فون کرو اور آئندہ ادھر آنے سے منع کر دو' چلو اٹھو۔"

جب تک اس نے اپنے سامنے فون کروا نہ لیا' اطمینان نہ ہوا' ہما [illegible] شرمسار تھی۔ کچھ زیادہ کہنے کا موقع نہ [illegible] بیٹھا گھور رہا تھا۔

"[illegible] گھر نہ آیا کرو۔" کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ [illegible] حیران اور پریشان ہوئی ہو گی۔ اگلے دن [illegible] میں جا کر زہرا کو فون کیا' اپنی مجبوری بتائی۔

زہرا آگ بگولا ہو گئی۔ "تمہاری مجبوری ہے میری نہیں' میں تو ملوں گی' آؤں گی' وہ ہوتا کون ہے منع کرنے والا' پاگل' اس سے خیریت پوچھوں گی اس کی۔"

ہما گھبرا کر اس کی خوشامد کرنے لگی۔

"کچھ نہیں سنوں گی' آؤں گی اور اس تک چڑھے جن کی خبر لوں گی۔"

ہما کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے' یہ کیا ہوا' زہرا سے بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ کیا فائدہ ہوا سب کچھ بتا کر اور اب' اگر وہ احمر کی موجودگی میں آ گئی' نہ جانے کیا ہوگا' احمر کو۔ زہرا کا سامنا کرنے سے کس طرح بچائے' کوئی تدبیر نہ سوجھی' عقل گم تھی' کئی دن گزر گئے۔

پھر اس شام اس نے زہرا کو آتے دیکھا۔ وہ کمرے میں تھی' پھرتی سے الماری کھول کر کھڑی ہو گئی اور کسی ان دیکھی چیز کو تلاش کرنے لگی۔ دل تھا کہ باہر نکلنے کو بے تاب' برآمدے میں احمر اخبار میں گم۔ زہرا خوش طبعی کا مظاہرہ کرتی' ہنستی بولتی آ رہی تھی۔

"ہائے۔ ہیلو ہیلو بھئی خوش نصیبی ہے میری' آج تو دولہا بھائی کی زیارت ہو گئی اور کہاں ہیں یہ ہمشیرہ صاحبہ' ذرا خبر لوں' کہہ دیا ہمارے گھر نہ آنا' کیوں بھئی؟ کوئی وجہ ہی بتائی ہوتی' کیا خطرے ہیں مجھ سے' چور ہوں' تخریب کار ہوں' دہشت گرد یا قاتل' ملزم کو صفائی کا موقع بھی ملنا چاہیے۔" وہ احمر کے کانوں میں گھس کر تقریر کر رہی تھی اور احمر اسے کچا چبانے کی خواہش میں حق بجانب ہو گا' ہما لپکتی آئی۔

"ارے' اپنی زہرا آئی ہے' بہت دن بعد آئی ہو' تو

بیٹھو۔"

"جواب اماں! وہ تو آ نہیں سکتی اور اب تو آپ کے بیٹے نے پابندی لگا دی ہے۔ اسی لیے آ گئی ہوں پوچھوں تو سمجھا کیا ہے انھوں نے یہ حکم دیں گے اور میں تعمیل کروں گی ہما سے ملنا چھوڑ دوں گی [illegible]۔"

بہت خفا تھی احمر سٹپٹا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں... کیوں؟ بھلا میں حکم کیوں دوں گا؟ بہت عزت کرتا ہوں آپ کی۔"

زہرا اماں کی جانب بڑھی۔ "دیکھیں اماں! انھوں نے ہمارے فون کروایا۔ صرف یہ کہنے کے لیے کہ میں یعنی زہرا ان کے گھر نہ آؤں؟ کوئی الزام تو لگایا ہوتا مگر بس ایک جملہ اور کھٹ سے فون بند۔ چلیں ان کا گھر ہے، جسے چاہیں بلائیں، نہ بلائیں، منع کریں۔ اچھا نہیں آؤں گی اب تو اب ہما آئے گی ہمارے گھر۔ ہم لوگوں کے سوا اور اس کا کوئی عزیز ہے بھی نہیں یہاں۔ آج تک ہمارے ہاں نہیں آئی کیوں؟ بندہ کسی سے تو ملے اور اچھا بھائی صاحب! آپ میری عزت افزائی نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ مجھ پر پابندی لگا کر اب ہما کو ملنے جلنے کی اجازت دے دیں کیونکہ رشتے داری کے علاوہ میری تو دوستی ہے ہما سے۔"

زہرا کی زبان بھلا کون روکتا، اماں بھی کچھ شرمسار تھیں۔ البتہ احمر جھٹکے سے اٹھا، اخبار میز پر پٹخا، غرا کر بولا۔

"تو ٹھیک ہے، لے جائیے اپنی رشتے دار کو، بے شک ہمیشہ کے لیے۔"

اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ اندر ہما الماری کھولے ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ ہونق چہرے کے ساتھ، اس کو سرخ آنکھوں سے گھورا، گرج کر بولا۔

"جاؤ، چلی جاؤ اپنی رشتے دار کے ساتھ اور پھر مت آنا۔"

غالباً اس کی اتری ہوئی صورت اور بھیگی [illegible] آنکھوں میں بے چارگی دیکھ کر کچھ ترس [illegible] کچھ نہیں بولا۔ دوبارہ جا کر زہرا کو ٹھنڈا [illegible]

کرنے لگی۔ اماں بھی زہرا سے معذرت کر رہی تھیں۔

"بس بیٹا غصے کا تیز ہے، سمجھاؤں گی اسے، آگے پیچھے کی کچھ سوچتا ہی نہیں۔"

"اماں! سوچیے کہ اس میں کون سی بات ہے۔ کیا رشتے داروں سے ملنا گناہ ہے؟ انھیں تو خود چاہیے تھا، وہ ہما کو لے کر آتے ذکیہ آپا کے گھر ہی لے جاتے، وہ تو کئی بار آ گئی ہیں یہاں۔"

زہرا شکوہ کرنے سے باز نہ رہ سکی۔ "اتنے قریبی رشتے، ایک شہر کی رہائش، آخر کیا اعتراض ہے؟ ہم سے کوئی غلطی، کوئی قصور ہو گیا ہے تو بتا دیں، ہم معافی مانگ لیں گے۔ میں تو ڈھیٹ بن کر آ جاتی ہوں کہ چلو بھئی ہما پر پابندی ہے تو میں تو مل لوں، تو لو جی مجھ پر پابندی لگا دی۔"

وہ آبدیدہ ہو گئی، ہما شرمندہ۔ اماں بھی اسے منانے لگیں، وعدہ کیا کہ وہ خود ہما کو لے کر ذکیہ آپا کے گھر آئیں گی۔

اس کے جانے کے بعد اماں نے احمر کی خوب خبر لی، ڈانٹ ڈپٹ کے علاوہ اسے اپنی شرمندگی کا احساس دلایا، وہ منہ پھلا کر بیٹھا رہا۔ اماں سے بحث کرتا بھی نہ تھا۔ شامت تو ہما کی آئی تھی، شاید وہ آسان ہدف تھی غصے اور جنون کے لیے۔

ہما بہت پریشان ہو گئی، ہمت پست ہو گئی [illegible] کب کس بات کو غبار بنا کر [illegible] ہنسنا بھول گئی، اس کی خوش مزاجی [illegible] ہو گیا۔ اماں نے بہت [illegible] اپنی [illegible] کے [illegible] انھیں [illegible] چکی تھی۔ فکر اور پریشانی نے [illegible] اعصاب [illegible] کمزور کر دیے۔ لیکن [illegible] وہ ایک ذمہ دار [illegible] حسن سے اس نے [illegible] اور گھر پر مرکوز کر دی۔ احمر کو کسی بات [illegible] نہ آنے دے، یہ کوشش بھی کرتی۔

احمر بھائی نے اپنے دوست کا ذکر کیا تھا۔ جو خاصا معقول آدمی تھا مگر غصہ اس کا جنون کی حد تک تھا۔ ایک بار اسی جنونی کیفیت میں اس نے بیوی کو قتل

کرنے کی کوشش کی، بچوں نے ماں کو بچانا چاہا تو اس نے بچوں کا لحاظ بھی نہیں کیا۔ انھیں زدوکوب کیا۔ بمشکل گھر والوں نے اسے قابو کیا، پھر اسے دماغی اسپتال میں داخل کیا گیا مگر اسے کوئی بیماری نہ تھی۔ چند دن نفسیاتی ڈاکٹر کے زیر علاج رہنے کے بعد وہ صحت مند ہو گیا۔ اس نے غصے کو پچھاڑنے کی تربیت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے غصے کو حرام کیا ہے۔ کسی بھی بڑے نقصان کا سبب بننے سے پہلے اس کا سدباب کر لیا جائے تو غصہ جنون نہ بنے۔ شروع میں ہی [illegible] سمجھا بجھا کر راہ راست پر لایا جا سکتا ہے، نقصان کے بارے میں خبردار کیا جائے یا نفسیاتی علاج کرایا جائے۔ ایک شخص کی غلط حرکت [illegible] کے لیے اذیت کا سبب ہوتی ہے۔

وہ اپنی پوری [illegible] فصاحت کلام میں لا رہی تھی۔ [illegible] نہ اماں نے لے جانے کا کہا [illegible] ایک بیٹی کی ماں بن گئی۔ دو بچے ان کی [illegible] احمر کی [illegible] برداری، اماں کی خدمت سب سابق [illegible] مگر احمر ان دنوں کچھ زیادہ ہی خوش [illegible]

ہما کے ذہن پر بیٹی کا بوجھ تھا، ایک اور عورت، قسمت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، نہ جانے وہ کون سی لڑکیاں ہوتی ہیں، جن کے نصیب روشن ستاروں کی مانند ہوتے ہیں، جگمگاتے، جھلملاتے، کرنیں بکھیرتے۔ ہما پہلے خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی تھی، ماں باپ کی اکلوتی، ماں باپ کی آنکھ کا تارا۔

پھر ماں باپ نہ رہے، تو خالہ خالو کی شفقت مل گئی۔ اسے کسی محرومی کا احساس ہی نہ ہوا۔ احمر کی صورت میں ایک رفیق حیات مل گیا۔ وہ کتنی خوش تھی۔ احمر کی محبت، رفاقت، ماں کا فرماں بردار سادہ طبیعت انسان، اپنی خوش نصیبی پر کتنا ناز تھا اسے۔

نہ جانے پھر کس کی نظر لگی کہ وہ تو بدل ہی گیا۔ اسے اشفاق بھائی کے ذکر پر پتنگے لگ جاتے، زہرا کی آمد پر مشتعل ہو جاتا، یہ کوئی وجہ تو نہ ہوئی۔ اگر ہما کوئی غلط حرکت کرتی، احمر کی مرضی کے خلاف، پھر وہ معترض ہوتا تو ہما کسی طور سمجھ بھی لیتی مگر۔ اشفاق بھائی کا نام لے کر خود ہی اسے جتاتا، عمران کی دولت ثروت کا ذکر کر [illegible] کسی طور [illegible] وہ اعتراف کر رہی ہے کہ یہاں اسے [illegible] اشفاق سے شادی کر کے [illegible] دولت [illegible] نہیں کرتی۔

ہما [illegible] یقین دلاتی کہ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ خود ہی تعریف بھیجا کرتی، کسی خوشی کی ترنگ میں اور [illegible] باتوں کے ساتھ اشفاق کا [illegible] رشتہ آنے کا ذکر کر بیٹھتی۔ ذرا بھی اس کے اس قسم کے مزاج سے آگہی ہوتی تو وہ ذکر کرتی ہی کیوں، جبکہ اس نے خود احمر کو ترجیح دی تھی۔

☆ ☆ ☆

زہرا نے آنا چھوڑ دیا، اگر احمر کی موجودگی میں اس کا فون آتا تو وہ ٹال جاتی۔ اب وہ احمر سے بھی مخاطب نہ ہوتی۔ اماں اس کی سنجیدگی اور رنجیدگی کو محسوس کر کے خود بے حد افسردہ ہو جاتی تھیں۔ ہما کا مسکراتے رہنا، گنگناتے ہوئے گھر کے کام کرنا، ہنس ہنس کر قصے سنانا، سب قصہ پارینہ بن گیا تھا۔ وہ حد درجہ احتیاط سے کام کرتی، کبھی اس سے کوتاہی ہو جاتی تو احمر اسی کو بنیاد بنا کر غصہ کرنے لگتے۔ دن بدن خاموش ہوتی جا رہی تھی۔ اماں نے ایک دن سمجھایا۔

"بیٹا! اتنی فکریں سر پر سوار نہ کرو، یہ فکریں انسان کو جونک کی طرح چمٹ کر خون چوس لیتی ہیں۔ اپنی جان پر ظلم نہ کرو، ہنسو بولو، وہ ہر وقت تو جنونی نہیں ہوتا۔ سال میں ایک بار ہی اسے غصہ چڑھتا ہے، تم تو احمر سے بھی بات نہیں کرتیں، مرد ہے، کسی دن یہ بات بھی اس کے لیے ناگوار ہو۔"

ہما بے چارگی سے انھیں دیکھنے لگی، اس کی کسی بات پر بھی تو بگڑ سکتا ہے، خاموشی زیادہ بہتر ہے۔ اس کے ذہن میں احمر کے دوست کا قصہ تازہ تھا۔ کاش کوئی احمر سے کہہ کر اسے نفسیاتی علاج کے لیے رضامند کر لے۔ مگر وہ کس سے کہے، خود ہی چپ رہ کر اس

ے کی نیند تو سو سکتی تھی۔

کچھ عرصے بعد پھر احمر کو اس سے شکایت ہو گئی کہ وہ احمر کو نظر انداز کر کے کاموں میں لگی رہتی ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ شوہر کے پاس کچھ وقت گزارے' اس کی بات ہی سن لے۔

ہما ڈر گئی' چلو تی' کب یہ بات بھی۔ اماں نے بیٹے کو سمجھایا۔

"ارے بیٹا! فرصت کب ملتی ہے بے چاری کو گھر کے سارے کام' چھوٹے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال' ان کی نگرانی' تمہیں بھی جو سنانا ہو' سنا ہی دیتے ہو' اتنا احساس نہیں کہ اس کی مشقت میں اس کی مدد کرو' کبھی بچوں کو سنبھال لو' تاکہ وہ سکون سے دوسرا کام کرلے' اس کی ہمت ہے کہ سارے کام وقت پر ہو جاتے ہیں' تمہیں اور مجھے وقت پر ناشتا کھانا مل جاتا ہے' گھر صاف' بچے صحت مند' اسی کی کوشش ہے' تھک جاتی ہے بچی۔"

"بس آپ کو موقع ملنا چاہیے' اس کی حمایت کا' سب عورتیں یہی کرتی ہیں' اس کا کیا کمال ہے۔"

"کمال ہی ہے کہ اکیلی عورت' جس کو شوہر کا ذرا سا تعاون بھی نصیب نہ ہو' وہ کس ہمت سے ہر قدم پر کامیاب ہوتی ہے' بیٹا جی! شوہر کی حمایت' محبت' تعاون ہو تو یہ کمال نہیں' بڑی طاقت ہوتی ہے مرد کی محبت' تم مگر اس احساس سے عاری ہو' مدد کرنا تو دور کی بات تعریف تک نہیں کرتے' اعتراض کروالو بس' بہت ہی خود غرض ہو۔"

"تم نہ کرتی مجھ سے شادی' میں بہت برا ہوں' کرلیتی اپنے امیر کزن سے' وہاں نہ کام کرنا پڑتا' نہ مشقت' نہ محنت' بس عیش۔"

احمر پر غصہ سوار ہونے ہی کو تھا کہ اماں نے زور کا تھپڑ رسید کیا' غصہ انہیں بھی آگیا۔

"خبردار' بکواس کی تو' ایک پاک دامن' حیا دار عورت جس کو سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں بیاہ کر لائے' اس سے اس طرح سلوک ہوتا ہے' کم بخت' نہ لے' برا انجام ہوگا' مجھے بھی شرمندہ کر رہے ہو' خدا کا خوف کرو۔"

اماں سے وہ ڈرتا تھا' چپ ہو گیا' مگر وہ جاتے تو نہیں' ڈرتا تھا۔ ہما نے بہت نرمی اور سنجیدگی سے اس کو سمجھایا کہ وہ یہاں بہت خوش ہے' اس نے اپنے میکے میں جو زندگی گزاری ہے' یہاں بھی اسی طرح کا ماحول ہے' اس کے میکے میں نہ ہی خالہ کے گھر نوکر چاکر تھے۔

"میں اس زندگی کی عادی ہوں' اور پھر یہ میرا گھر ہے' اپنے گھر میں گھر والی ملکہ ہوتی ہے' گھر اس کی راجدھانی ہوتا ہے' میرا اور تمہارا یہ گھر ہی ہماری سلطنت ہے احمر! پلیز دل سے سارے شک نکال دو' بچوں کو ہمارے پیار کی ضرورت ہے' ہم دونوں کی سرپرستی کی۔"

احمر پر بھلا کیا اثر ہوتا' وہ اسے بھی بناوٹ ہی سمجھا' جب آدمی ضد پر آجائے تو کوئی کیا کرسکتا ہے' بات جھگڑے تک پہنچ گئی تو ہما نے ساس کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش بہت مہنگی پڑی' نہ جانے اس سے کیوں غلطی ہو جایا کرتی تھی۔ لاکھ احتیاط کے باوجود زبان کھولنا جرم بن گیا۔

"میری ماں کو میرے خلاف ورغلاتی ہو۔"

کمرہ بند کرکے وہ اس کو اس جرم کی سزا دینے میں مصروف ہو گیا' تھپڑ' گھونسے' جھونٹا' ہما کی چیخیں [illegible] گئیں۔ بچے گھبرا کر رونے لگے تو بیٹے کو بھی [illegible] چیخا۔

"چپ ہو جا' تمہیں تو مار ڈالوں [illegible] نکلنے لگی۔"

باہر اماں دروازہ [illegible] ادھر احمر پر جنون طاری تھا [illegible] تنگ کر دروازہ کھولا اور اماں کو نظر انداز [illegible] گیا۔ حواس باختہ اماں اندر آئیں' تو [illegible] رو رو کر نڈھال ہو گئے تھے' ان کی ماں [illegible] پڑی کراہ رہی تھی۔ نہ جانے کہاں کہاں چوٹ لگی تھی' اماں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ [illegible] سے پانی پانی' منہ چھپا کر بیٹھ گئی' روتی رہی۔

"آخر آج کس بات پر دورہ پڑ گیا؟" اماں غصے میں بھی تھیں اور شرمندہ بھی۔ (دورے کے لیے کسی بات

کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔)

"ہما بلنہ تو یہی کیا کہ اماں کو ورغلاتی ہو' مگر۔ دراصل بات کچھ اور بھی' آفس میں کسی سے سن لیا تھا کہ اشفاق سر کے لیے ان کی بہنیں لڑکی تلاش کر رہی ہیں۔ کسی خاص لڑکی کی تلاش ہے' ہما سے کہہ رہا تھا اب بھی پچھتا رہی ہو گی کہ وہاں ہوتیں تو عیش کرتیں' انہیں شاید تمہاری ہی تلاش ہے۔ میں نے جل کر کہہ دیا' یہاں بھی عیش ہی کر رہی ہوں' زبان کھولنے کی سزا مل گئی۔"

"تو بیٹا! تم نہ بولتیں' ابھی تک چپ [illegible] بھی رہتیں' روز کی طرح۔" اماں بھی آخر اس کی ماں تھیں۔ سمجھ [illegible] اس کی حالت [illegible] تھیں۔

"اماں! آخر کب [illegible] بولوں' نہ بولوں تو جھگڑا' بولوں تو لڑائی' کس عذاب میں ڈال دیا ہے مجھے۔" [illegible] رونے لگی' اماں اسے سہلانے لگیں۔

[illegible] اماں نے اسے دودھ میں ہلدی گھول کر پلایا' [illegible] درد کی گولیاں کھلائیں' اس کا جسم درد سے [illegible] ہو گیا تھا۔ احمر حسب سابق پرسکون ہو چکا تھا۔ [illegible] سے تو اپنے اندر کا جنون نکالنا ہوتا تھا' احساس کس چڑیا کا نام ہے' وہ بھول چکا تھا۔

ہما اب اس سے خوف زدہ رہنے لگی تھی' ایک بار مرد کا ہاتھ اٹھ جائے تو پھر وہ نڈر ہو جاتا ہے اور اب وہ بہت بولنے لگا تھا' کبھی کہتا۔

"اماں! آپ کی بہو گھر سے جانے کے لیے پر تول رہی ہے۔ بھی یہاں ہے ہی کیا' جو اسے روک سکے' نہ دولت' نہ سیر تفریح کے مواقع' میرا تو کوئی کزن بھی اس کے کزن جتنا امیر نہیں۔"

وہ' وہ کہہ کر طنز کرتا' کچوکے لگاتا' اماں سر تھام کر رہ جاتیں۔

"وہ بچے ہیں اس کا سرمایہ' احمر ہوش میں آؤ' فضول بکواس نہ کرو' کہاں جائے گی وہ' سب کچھ تو اس گھر پر قربان کر دیا ہے' نہ رنگ روپ رہا' نہ صحت' ارے پاگل قدر کر اس کی۔"

"آج کل کی لڑکیوں میں وفا نہیں ہے اماں! انہیں خالی خولی قدر دانی نہیں' زر و جواہر بھی چاہئیں' کہاں سے لاکر دوں' دولت [illegible] سونا چاندی' جو میری قدر کرتے۔"

"[illegible] تمہاری محبت کی ضرورت ہے' صرف محبت اور [illegible] ذرا سی محبت دو' وہ تمہیں وفا کے [illegible] ستائے گی' وہ ایک وفا شعار بیوی ہی [illegible] ماں بھی ہے۔ بے وفا ہوتی تو کب کی سب کچھ چھوڑ کر چلی جاتی' تم سے ملا ہی کیا ہے اسے طعنے اور مار۔"

"واہ جی' یہ تو لولے بدلے کا سودا ہوا' پہلے میں محبت کروں گا تو یہ وفا کرے گی' ورنہ۔ چلی جائے گی۔" احمر کا ذہن اس کے چلے جانے کے خدشے میں الجھ گیا۔

"کہاں چلی جائے گی' اس کا تو میکہ بھی نہیں' اب تو ہم ہی اس کے سب کچھ ہیں۔"

"ہم ہی اس کے سب کچھ ہیں۔" احمر نے دہرایا۔

"وہ بھی تو ہماری بن کر دکھائے' تب جانوں۔"

اماں نے کس کس طرح سمجھایا' مگر ادھر تو رگ رگ زہر بھی ہوئی' وہ سیدھی نہ ہو سکی' ذہن میں جو بات جم گئی تھی وہ کیسے نکلتی۔

"ہاں بھئی' پھر کب جا رہی ہو اپنے سرمایہ دار کزن کے گھر۔"

ہما سر تھام کر رہ جاتی۔ "اماں' یہ سائیکو کیس ہے' خدا کے لیے کسی اچھے ڈاکٹر سے مشورہ کریں' کسی اچھے ڈاکٹر کو حال بتا کر اس سے پوچھیں' ہو سکتا ہے وہ کچھ علاج بتائے۔"

اماں کس سے مشورہ کرتیں' بیٹے کے سامنے اس کے علاج کا ذکر کر کے جنون کو آواز دینا' مگر دبی زبان سے اتنا کہا۔

"احمر! خود کو سنبھالو بیٹا! اپنی بدگمانی اور غصے پر قابو پاؤ' کہیں کچھ نقصان نہ ہو جائے' سنا ہے غصے میں پھر ٹھیک نہیں ہوتا' علاج ہوتا ہے اس کا۔"

پھر تو وہ ہنگامہ ہوا کہ۔۔۔ اماں کانوں میں انگلیاں ڈال



کر تیج انھیں احمر کی چیخ چنگھاڑ کی زد میں آگئی تھی۔

اسی دوران احمر کی چھوٹی بہن' بہنوئی آگئے۔ ان کے سامنے بھی احمر ہما پر برس پڑا۔ ہما کو سب کے سامنے اپنی ذلت کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ گھر سے بھاگ جانے کا سوچنے لگی' مگر جائے تو کہاں' اس نے کبھی خود کو بے آسرا یا مجبور نہ سمجھا۔ ماں' باپ سے محرومی کے بعد بھی خود پر ـــــ بے بسی یا لاچارگی کا احساس طاری نہ ہونے دیا۔ ہاں۔۔۔ مگر اب وہ سوچنے پر مجبور تھی کہ ان حالات میں ماں' باپ کی سرپرستی اس کی طاقت ہوتی' شادی کے بعد اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ مگر اب اسے ہر چیز کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ محبت' مروت' تحفظ' خوشی' اطمینان یا امید' کچھ میسر تھا نہ یقینی' شادی کیا عارضی سہارا ہوتی ہے؟ آخر کس طرح اپنا اختیار بحال کرے۔ احمر تو بدگمانی دور کرنے کو تیار نہ تھا۔ مگر آج اسے اپنا ہر جذبہ' احساس مروت آگ کے شعلوں میں گھرا نظر آ رہا تھا۔

اس نے بیگ میں چند جوڑے کپڑے رکھ لیے' کہیں بھی جانے کے لیے۔ وہ دیکھتا رہا اور تمسخر اڑاتا رہا' اماں ہی آگے آکر معافیاں مانگتی رہیں' قسمیں دیں' وعدے کیے' منت اور خوشامد کر کے اسے روکا' ورنہ۔۔۔ (کہاں جاتی؟)

وہ کوئی جذباتی الھڑ لڑکی نہیں تھی' خوش مزاجی' لاابالی پن' بے نیازی اس کی فطرت میں تھی مگر اب نہیں۔ بہت سمجھ داری سے حالات کا مقابلہ کر رہی تھی۔ بہت حوصلے کے ساتھ' مگر احمر نے اسے اندیشوں کا راستہ دکھا دیا تھا۔ وہ اب خوف زدہ تھی۔ احمر اتنا تو سمجھتا تھا کہ وہ بچوں کی زنجیر اسے کسی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے روکے گی' یہ سچ تھا مگر برداشت کب تک آزماتی' آج ہما کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے کسی بھی طرح قائل نہیں کر سکے گی' اپنی محبت کا یقین نہیں دلا سکے گی کیونکہ اس کی ضد بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی زبان کھلتی جا رہی تھی۔ اب تو اماں بھی اسے چپ نہیں کرا سکیں۔

بہن نے اس کی حمایت میں کچھ کہا تو الٹا گلے

نکلنے کا حکم سنا دیا۔ وہ روتی ہوئی چلی گئی۔ دوسروں کے سامنے بھی اس کے کردار پر چھینٹیں اڑاتا' ہما بیچاری کے دل میں کیا کتنا ہوگا' ہما کا دل چاہا' وہ ابھی مر جائے' مگر وہ بھی آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکی' اوپر سے اس کے طعنے۔

"ہاں بھئی کیا ہوا' کیا پروگرام ہے اب' اماں کے روکنے کا بہانہ بھی خوب ہے' چلو حوصلہ تو بڑھ گیا' اب کس دن بیگ تیار کرو گی؟ آخر ارادہ کر لیا تھا' پورا تو کر لیتیں' یہاں کی تکلیفوں سے نجات مل جاتی۔ کھانا پکانا' برتن دھونا' صفائی کرنا اور صاحب آئے گئے کی خاطر تواضع' اف کاموں کی زنجیر لمبی ہے اور وہاں۔۔۔ واہ مزے۔۔۔ بھئی عیش تو کزن کے گھر میں ہے۔"

کاموں کی زنجیر میں اپنی ناز برداری' بچوں کی نگہبانی کا نام ہی نہ لیا۔

"اماں تم لکھ کر رکھ لو' کسی بھی دن' نکل بھاگے گی' بہو آپ کی۔"

اماں بھی اب اس کی بکواس سے پریشان ہو گئی تھیں۔ بچپن میں ضدی تھا۔ مگر بڑے ہونے پر غصیلا بھی ہو گیا' جب تو اکلوتے بیٹے کے لاڈ اٹھائے جاتے رہے' اس کی ضدیں پوری کی جاتی رہیں' باپ کی وفات کے بعد' ذمے داریوں کا بوجھ ناقابل برداشت ہو جاتا تو بپھر جاتا' مگر اب تو حد سے آگے تک [illegible] گیا تھا۔

ہما کو بچوں کی فکر تھی' بھی [illegible] جانچا سکتا تھا مگر شاید کلی بحث [illegible] لیے پھر سے نازل ہو گیا [illegible] تکلیفوں کی حرکت [illegible] دھمکی سے ڈر گیا' لیکن جب [illegible] نہ ہو غصہ عروج پر جنون [illegible] تک ہما بھی عجیب مزاج لائی تھی' بہت جلد [illegible] جاتی تھی' طوفانی لہروں سے بچ نکلنے کے بعد [illegible] پھر پر امید ہو جاتی' اور نئی توقع کے ساتھ حوصلہ بلند ہو جاتا۔

اور اس بار تو کئی ماہ بہت اچھے گزرے' شاید وہ کچھ لاپروا ہو گئی' احتیاط کا دامن چھوٹ گیا' خوشیوں کا اعتبار

جاتا رہا۔ وہ سمجھ رہی تھی اماں کی دعائیں اور وظیفے احمر کو راہ راست پر لے آئے ہیں۔ پس اس نے بھی خدمت اور فرماں برداری کی انتہا کردی تھی اور احمر نے بھی۔ انتہا کردی' نبھا لے گیا ساری امیدیں' جلا دیں ساری خوشیاں' آتش فشاں پھٹ گیا' لاوا اگل رہا تھا اور کئی زندگیاں اس لاوے کی نذر ہو گئیں۔ اسی لاوے میں جھلستی جلتی ہوئی۔ خطرے کے آخری نشان تک پہنچ کر اسی منزل پر پہنچ گئی' جہاں سے چلی تھی' خالہ کے گھر تک۔ کئی ماہ کے بعد۔

پچھلے تین ماہ وہ ذکیہ آپا کے گھر رہنے پر مجبور تھی کہ اس اندھیری رات گھر سے نکل کر وہ اور کہیں جا بھی نہیں سکتی تھی' کچھ سوچنے کا موقع تھا ہی کہاں' فیصلہ ہو چکا تھا' تقدیر کا فیصلہ اور رات کا ڈر رہا نہ تنہائی کا خوف' پہلے سے تیار بیگ اسی طرح چھوڑ کر عزت اور انا کی خاطر' خودداری کی طاقت پر جب گھر سے نکلنے لگی' احمر نے کہا۔

"یہ پرس یہیں چھوڑ دو' اس کے اندر کی رقم بھی میری ہے اور میری کسی چیز پر اب تمہارا حق نہیں۔"

ہما کا خون کھول گیا۔ پرس کے اندر سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر پرس احمر کے منہ پر مارا جو واقعی اس کے چہرے سے ٹکرا کر گرا۔ گالیوں کا فوارہ اچھلا۔ وہ باہر آئی تو اماں سفید چہرے کے ساتھ برآمدے میں لاچار بیٹھی تھیں' وہ رک گئی۔

"خالی ہاتھ جا رہی ہوں۔" اس نے سپاٹ آواز میں اماں سے کہا۔ "کل کوئی یہ الزام نہ دھرے کہ گھر کے زر و جواہر چرا کر لے گئی۔" دم بخود اماں کو چھوڑ کر گھر سے باہر آگئی' نہ پیچھے یاد آئے' نہ گھر' رکشا مل گیا۔

اسے گلبرگ ذکیہ آپا کا پتا بتا کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی تو وہاں گئی نہ تھی' صرف دو یا تین مرتبہ' مگر زہرا اکثر ذکر کرتی تھی' گیٹ پہچان کر رکشا رکوایا' گارڈ سے اسے کرایہ ادا کرنے کا کہہ کر اندر آگئی' قدم سست ہو گئے تھے' کیوں کہ اس طرح رات کے دس بجے اکیلی [illegible] سوچنے کا وقت نہ تھا۔

اندر دروازے پر ذکیہ آپا حیران کھڑی تھیں۔ کارڈ نے فون کر کے بتا دیا تھا' وہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کے وقت تک تو ہوش میں تھی' پھر یورش افکار و جذبات' لاوے کی حدت کا احساس' بے خبر ہو گئی۔ ذکیہ آپا کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ گھبراہٹ میں زہرا کو فون کر دیا' وہ فوراً آگئی' کچھ نہ کچھ اطلاع تو زہرا انھیں دے چکی تھی' مگر انہوں نے اس کے گھریلو معاملات میں مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ زہرا کو بھی روک دیا تھا۔ لیکن آج اتنی رات کو اکیلی ہما کا خالی ہاتھ آنا' کسی بڑے حادثے کی خبر دے رہا تھا اور یہ حادثہ شاید پہلے ہی ہو جاتا' لیکن ہما کے ضبط' تحمل اور برداشت نے اسے دور تک کھینچا' اب شاید قدرت اس پر مہربان ہوئی تھی۔ احمر کی اماں سب سے بڑی جامی تھیں' انھیں بیٹا قصوروار نظر آ رہا تھا۔ مگر کچھ نہ کر سکیں۔

رات تک ہما کی طبیعت کچھ بحال ہوئی۔ اب بچوں کا خیال آیا' بچی بہت چھوٹی تھی' نہ جانے اماں انھیں کیسے سنبھال سکیں گی' ہائے' یہ کیا کیا میں نے' ساتھ ہی لے آتی مگر۔ جو شخص پرس کو اپنی ملکیت کے دعوے کے ساتھ لے سکتا ہے' بچوں کو بھلا کیوں آنے دیتا' یہ وقت' جو آج ایک عذاب بن کر اس پر نازل ہوا تھا۔ بچوں کی آمد سے پہلے آگیا ہوتا تو اتنی اذیت نہ ہوتی۔

وہ زہرا کو اپنی بپتا سنا رہی تھی' [illegible] اور سوگ کے [illegible] بات تو خاص [illegible] میں مجھ شاید احمر کے لیے [illegible] سمجھ سکی کہ [illegible] بعض اوقات [illegible] ماحول میں بھی کسی ذرا سی [illegible] ہو سکتا ہے کہ اس وقت [illegible] اصل وجہ بتاتے ہوئے شرم [illegible] رہی تھی۔

[illegible] غیظ و غضب' ہما کے جتنے ہوئے [illegible] سے تھما یا چھوٹے کے ہزارویں حصے میں [illegible] سے نیلا پڑ گیا۔ اچھل کر احمر نے اس کا بازو پوری قوت سے موڑا' چیخ نکل گئی' کس طرح اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کر کے وہ ساس کی حمایت حاصل کرنے ان کے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ وہاں بھی پہنچ گیا۔ اماں کی چیخ پکار کے باوجود اپنے طاقتور ہاتھوں سے اس کی چوٹی پکڑ کر کھینچی۔ "بال لگتا تھا جڑ سے اکھڑنے والے ہیں۔ وہ دانت پیس پیس کر آگ اگلتے لہجے میں اس کا وہ شرمناک سوال' وہ جواب میں اذیت کے باوجود نہیں' نہیں کوئی نہیں کے سوا کچھ نہ کہہ سکی' اماں الگ۔ "چھوڑ' چھوڑ دے' پاگل ہو گیا ہے' کیا جان سے مارے گا۔ احمر ہوش کر۔" چیخ رہی تھیں' بیچ بچاؤ کر رہی تھیں پھر اماں نے چیخ کر کہا تھا۔

"یہ پاگل ہے۔" "آج مجھے یقین ہو گیا ہے' اس کو پاگل خانے میں ہونا چاہیے تھا۔"

ان کی زبان سے سچائی [illegible] بار ہوا تھا۔ یا وہ ہما کی حالت [illegible] ابھرنا' آنکھیں جیسے وحشت [illegible] تھیں۔ اماں کی بات سنتے ہی احمر نے [illegible] چھوڑ دیا گیا بالکل چھوڑ دیا' [illegible] لگتی ہے۔ مگر وہ الفاظ کہتے ہوئے [illegible] دماغ لگ رہا تھا۔ غصہ' جنون کی کیفیت باقی نہ تھی۔ اماں سر تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔ [illegible] سے زرد ہو گئی۔ بے یقینی اور حیرت آنکھوں میں منجمد ہو گئیں۔

فیصلہ سنا کر احمر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اماں سے ہما کی صورت دیکھی گئی نہ آنسو۔ کچھ کہنے کی بولنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے فیصلہ قبول کر لیا تھا اور جب کمرے میں الماری سے اپنی چادر اور پرس نکال رہی تھی' وہ اسے گہری نظر سے لبوں پر طنز اور کڑواہٹ کی مسکراہٹ لیے گھور رہا تھا' گویا کہہ رہا ہو' یہ تھی تمہاری اوقات' پھر اس نے پرس احمر کو کھینچ مارا۔

اماں باہر بیٹھی رو رہی تھیں' اسے خالی ہاتھ جاتا دیکھ کر بھی کچھ نہ بولیں' تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ان کے بیٹے نے ان کو ذلیل کر دیا تھا۔ ہما اکیلی رات کے وقت خالی ہاتھ گھر سے جا رہی تھی' وہ تو دن میں بھی کبھی تنہا نہیں نکلی تھی پھر۔

☼ ☼ ☼

چند دن بعد ذکیہ آپا ان سے ملنے گئیں' انھیں یاد دلانے۔

"جب وہ آپ کے گھر آئی تھی' پچاس جوڑے کپڑے' جہیز' طلائی زیور اور بے شمار مختلف اشیا' آج [illegible] خالی ہاتھ تن کے کپڑوں میں گھر سے [illegible] کیسی عزت افزائی ہوئی اس کی۔"

وہ بے چاری خود نیم جان ہو رہی تھیں۔ بلبلا گئیں۔ ہاتھ جوڑ کر رو لیں۔

"بی بی! شرمندہ نہ کرو' جو چند چیزیں میرے پاس ہیں' وہ آپ لے لیں' زیور میں نے لاکر سے نکلوا لیا ہے' لے جائیے اور اس کے بچے بھی آپ لے جائیں ورنہ۔ اس کی ذہنی کیفیت سے کچھ بعید نہیں اور میں۔ اس قابل نہیں کہ انہیں پال سکوں۔"

ذکیہ آپا بچوں کو لے آئیں۔ اس کے لیے یہ سب سے بڑی خوشی تھی' خالہ آگئیں' تین ماہ گزار کر وہ پھر خالہ کے ساتھ آگئی۔ غم زدہ اور پریشان' ہر دم یہی خوف کہ وہ کسی دن آکر بچے چھین کر لے جائے گا۔ اعصاب کمزور ہو گئے تھے۔ ذہنی کیفیت بھی عجیب ہو گئی۔ ہر چیز جیسے نظر سے اوجھل تھی۔ کھانا کھانے یا کپڑے تبدیل کرنے کے لیے بھی خالہ اسے یاد دلاتیں۔ بس وہ بچوں کو اپنے آپ سے لپٹائے بیٹھی رہتی' اسریٰ آجاتی تو اس کو بہلانے کے لیے طرح طرح کی باتیں کرتی' ہنسانے کی کوشش کرتی' باہر لے جاتی' تو وہ وحشی ہرنی کی مانند گھبرائی رہتی۔ ہر دم یہ خوف کہ احمر آئے گا اور بچے لے جائے گا۔

اس کی کیفیت خالہ نے ذکیہ آپا کو بتا دی۔ وہ اکثر فون کر کے اس کا حال پوچھا کرتی تھیں۔ انہوں نے اشفاق کو مجبور کیا اور پھر انہوں نے احمر کی دماغی کیفیت کی بنیاد پر عدالت سے بچوں کو ماں کے سپرد کرنے کی درخواست کی۔ عدالت نے احمر کا دماغی ٹیسٹ کروایا۔ نفسیاتی ڈاکٹر نے اس کے لیے علاج تجویز کیا۔

عدالت میں خود احمر کی ماں کے بیان کے بعد آخر کار بچے قانونی طور پر ماں کے سپرد کیے جانے کے آرڈر دے دیے۔ یہ ایسا احسان تھا جس کے لیے ہما اللہ کے بعد اشفاق کی شکر گزار تھی۔ خالہ اکیلی تھیں' ہما کے

آنے سے ان کے گھر کی رونق بحال ہوگئی۔

افسر سعودی عرب میں تھے' اسریٰ' اختر کو مجبور کرکے واپس لے آئی تھی۔ اختر کے ماں' باپ بھی بڑھاپے میں تنہائی کے شکار تھے۔ وہ اسریٰ سے بہت خوش تھے۔ ان کے گھر بھی بیٹے' بہو' پوتوں کی رونق ہوگئی تھی۔ خالہ نے تنہائی سے گھبرا کر گھر کے ایک پورشن کو کرائے پر دے دیا تھا۔ رفتہ رفتہ ہما بھی نارمل ہوگئی۔ اب اسے دیگر مسائل' بچوں کے اور اپنے اخراجات کی فکر ہوئی۔ اس نے جاب کرنے کا ارادہ کیا تو افسر نے منع کردیا۔

"تم اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرو' بس یہ ہی تمہاری جاب ہے' انہیں احمر نہیں' انسان بنانے کی کوشش کرنا۔"

زندگی کے بھی کیا رنگ ہیں' کبھی دھوپ' کبھی چھاؤں' چڑھتی دھوپ میں روح تک جھلس گئی اور ڈھلتی چھاؤں اس کے تحفظ کی ضامن بن گئی۔

ذکیہ آپا ایک بار پھر ان کے گھر آئیں۔ دوسری بار اس کا رشتہ مانگنے' اشفاق کی بیٹی ان کے ہمراہ تھی۔ وہ ہما کو عجیب کھوجتی نظروں سے دیکھا کرتی' ہما کو گھبراہٹ ہوتی' وہ اس دن کہہ بیٹھی۔

"آپ میری ماما ہیں؟"

ہما چونک گئی' یہ کیسا سوال ہے۔ "ہاں... میں پہچان گئی ہوں' آپ ہی تو میری ماما ہیں۔"

ذکیہ آپا نے زمانے کے سرد گرم کا احوال ہما کو سمجھایا۔ بچے ان کی پرورش' اعلا تعلیم' کس طرح ممکن ہے' کوئی سرپرست ہو' دو بچوں کی موجودگی دوسری شادی میں رخنے ڈالے گی اور بچے رل جائیں گے۔ اب تو باپ بھی نہیں لے سکتا۔ اس کا تو دماغ ابھی تک درست نہیں ہوا۔ ماں سے آئے دن کے جھگڑے' کچھ صحیح ہوجائے تو ملوانے میں حرج بھی نہیں۔ ابھی علاج چل رہا ہے' مگر گھر کی ویرانی' اپنے عمل پر پچھتاوا اسے مل کر اسے اور بھی پاگل کردیتے ہیں۔ کوئی تو ہمدرد' ایسا تو ہو' جو بچوں کو وہ گھر نہ سمجھے' اپنا' بچوں کو صحت مند ماحول کی ضرورت ہوتی ہے' جو...

اشفاق سے زیادہ بہتر... کوئی دوسرا نہیں ملے گا' اشفاق کی بیٹی کو بھی ایسی ہی ماں چاہیے' جو اولاد کا درد' ان کی ضروریات' احساسات کو سمجھ سکے اور بھئی القمی نے تمہیں پسند کرلیا ہے۔ تمہارے بچوں کو قبول کرلیا ہے' دیکھو' کس طرح انہیں بہلاتی ہے' کھیلتی ہے' ابھی دو دن میں ہی اسے بچوں سے محبت ہوگئی ہے' مجھ سے کہہ رہی تھی' ماں کو گھر لے کر چلیں' ہما نے ان کی ہدایات سے اتفاق کیا' خالہ بھی ان کی ہمنوا بن گئیں۔

"مجھے تو پہلے ہی احمر پسند نہیں تھا۔ مگر میری کسی نے سنی نہیں۔" اور یوں' احمر کی پیشین گوئی کے عین مطابق' وہ کسی کے گھر میں سنوارن کر داخل ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

اب اسے صرف اپنی نہیں' بچوں کی بھی فکر تھی۔ دنیا والے کچھ بھی کہتے' وہ تو اس کی شادی نہ کرنے کے فیصلے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ کہتے' ساری عمر کہتے ہی رہتے۔ نکتہ چینی' اعتراض' الزامات' اسے ایک مضبوط سہارا' ایک محفوظ سائبان درکار تھا جو اشفاق کے سوا شاید نہ ملتا' اشفاق کی بھی مجبوری تھی۔ ایک کے بعد دوسری شادی' بچی کو ماں نہ دے سکی۔ کوئی ہمدرد' شریف خاندانی عورت ہی ان کی ضرورت تھی۔ بچوں کی ماں جو اپنے بچوں کی خاطر گھر بسائے' ان کی بیٹی کو محبت دے اور یہ بہتر فیصلہ ذکیہ آپا کی کوشش سے تکمیل کو پہنچا۔

ہما کا ڈر اور اندیشہ بھی غلط نکلا' اشفاق بے حد نرم دل' نرم گفتار' خوش مزاج انسان تھے۔ انہیں ہما سے ہمدردی تھی۔ کم عمری میں سنگین حالات کا بامردی سے مقابلہ کیا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر تحقیق کے بعد انہیں ... کی طرف سے عدالت کا رخ کیا تھا۔ احمر کے بارے میں اس کی ماں نے زیادہ معلومات پہنچائی تھیں۔ ان ہی کی مدد اور تعاون سے بچے ہما کو ملے تھے۔

ہما احمر کی ماں کے علاوہ اشفاق کی ممنون احسان تھی۔ بہرحال کوشش تو اشفاق نے کی تھی۔ اس گھر

میں محبت تھی۔ اتفاق اور تحفظ' اشفاق' ہما سے کافی بڑے تھے' اسی لیے وہ اسے کسی بچی کی طرح سمجھتے تھے اور بڑا مشفقانہ برتاؤ تھا اس کے ساتھ۔ وہ اکثر اس کو آرام کی تاکید کرتے۔

"ملیشہ جاؤ' سو جاؤ' آرام کرو۔" نوکروں کی وجہ سے اس کو کچھ کرنا نہ پڑتا۔ بچے بھی القمی کے ساتھ بہلے رہتے۔ نوکر ان کے سب کام کرتے۔ ہما کو ذہنی' اعصابی' جسمانی آرام ملا' فکریں دور ہوگئیں۔ دونوں بچے اسکول جانے لگے۔ بڑی آپا بھی ہما کا خیال رکھتی تھیں۔ زبیر اپنے میاں ... آجاتی' گھر میں گھما گھمی ہوجاتی' کسی نے احمر کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔ ... بیٹیں رہتی رہی ہے۔ اشفاق جب القمی کو ... میں لے کر جاتے' ہما کے بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے۔ ان کے لیے القمی ... اپنے کھلونے ڈھیر کردیے' اشفاق بھی بہت ... لے آئے۔

القمی ہما کے ساتھ ساتھ لگی رہتی' غرض ہر جانب سکھ تھا اور راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ اس گھر سے ان لوگوں سے اسے اتنا کچھ مل گیا کہ اب وہ پرانے فیصلے پر نادم ہوجاتی۔ کاش خالہ کی بات مان لی ہوتی۔ اک ذرا سی عمر ہی تو زیادہ تھی' باقی محبت اور اعتبار' قدر اور رواداری' اشفاق نے کہیں کمی نہ کی۔ جب وہ ان کے ساتھ ان کی قیمتی آرام دہ گاڑی میں کہیں جاتی' احمر کی طنزیہ باتیں یاد آکر اسے بے چین کردیتیں۔

ایسے ہی ہونا تھا۔ تب... پہلے کیوں نہیں' کاش کوئی پچھلا زمانہ واپس لاسکتا۔ تو وہ احمر کو مسترد کرکے اشفاق کی بن جاتی' لیکن ذہن میں ایک سوال کلبلاتا' ہمت نہ ہوتی کہ زبان تک لائے۔

☼ ☼ ☼

کافی عرصے کے بعد... جب اس کے قدم خاصے مضبوط ہوگئے۔ اس نے اشفاق کو ایک پیارا سا بیٹا بھی دے دیا۔ اشفاق کی محبت اس کو حاصل ہوگئی تھی۔

اس کے ذہن سے سوال نکل کر زبان پر آ ہی گیا۔
"بیٹے ایک بات [illegible] پوچھنی ہے' آپ [illegible] برا نہ مانیں تو۔"
"ہاں۔ پوچھو' تم تو کچھ سوال کرتی ہی نہیں جیسی یہاں ہی [illegible] کرتی ہو۔" اشفاق بڑے اشتیاق سے پوچھ رہے تھے۔ ان کی خواہش اور کوشش تھی کہ وہ ان سے بے تکلف ہو کر باتیں کرے۔ اس کے ذہن پر جو غبار ہے وہ کسی طرح صاف ہو۔ پچھلی زندگی اگر بالکل بھول نہیں سکتی' تو کم از کم اس کی یاد سے لاپروا اور بے نیاز ہو جائے۔ اکثر انہوں نے نوٹ کیا تھا وہ یک لخت گم صم اور اداس ہو جاتی تھی۔ یقیناً" کوئی تکلیف دہ بات یاد آئی ہو گی۔ انہوں نے کئی بار اس سے کہا۔
"میرا تمہارا اعتبار کا رشتہ ہے' تم اپنی ہر بات مجھ کو بتا سکتی ہو' اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اندر کے رازوں میں کسی اپنے کو شریک کرے۔ تم تو میری شریک زندگی ہو' میرے بچوں کی ماں اور میری خالہ کی بیٹی تو ہو ہی' اس لحاظ سے میری تم سے دوستی بھی ہو سکتی ہے۔"
وہ اس کے رویے سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ اس نے ان کی بیٹی کو بڑی محبت اور خلوص سے اپنایا تھا۔ گھر کے معاملات میں ذمے داری سے دخل دیتی تھی۔ نوکروں کی عزت کرتی تھی' ان کا ہاتھ بٹاتی تھی کام میں۔ بڑی آپا کی تو پوری ذمے داری سنبھالی ہوئی تھی۔
"وہ آپ کی پہلی بیگم تو سنا ہے کہ۔ شاید زندہ ہیں' یعنی کہ۔ ہو سکتا ہے کہ زندہ ہوں۔" وہ ہکلا گئی۔ "تو۔ پھر۔ اگر وہ آ گئیں تو۔ کیا ہو گا؟"
یہ سوال بھی دراصل اشفاق کے دیے اعتماد کا حصہ تھا۔ وہ اب بہادر ہو گئی تھی۔ پرانی کئی عادتیں' لاابالی پن' ہنستے ہوئے بات کرنا پھر سے لوٹ رہی تھیں۔
"اگر آ گئیں؟ کیا مطلب۔ آ چکی ہیں۔" اشفاق کا اطمینان اور بے فکر لہجہ' وہ ہونق چہرہ لیے بڑی آپا کی طرف مڑی' وہ مسکرا رہی تھیں۔
"ہاں بھئی۔ آ گئی ہیں' اور کیا سننا چاہتی ہو۔"
"ہائے اللہ۔ پھر۔ میرا کیا ہو گا۔" وہ رو دینے والی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ (پھر بھی وہ بدری بے چاری۔)
"ابھی بتاتا ہوں' کیا ہو گا' مل لو ان سے۔ آؤ نا' ملوا دیتا ہوں اور وہ بھی آج۔" "اسے کس سے [illegible]" دیکھ کر بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے کر چلے۔ وہ یک لخت خوف زدہ ہو گئی۔ (اب یہ مجھے ماریں گے؟ بے وقوفی کا سوال کرنے پر۔) وہ گھبرا گئی۔ مگر اشفاق کے چہرے پر کوئی تندی نہ تھی۔ مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں لب بھینچے ہوئے تھے۔ کچھ اطمینان ہوا۔
"آپ مردوں کی بس یہ ہی تو عادت۔" کہتے کہتے فوراً" رک گئی۔ (مردوں کا کیا بھروسہ؟) وقت پر عقل آ گئی۔ جملہ پورا کیا ہوتا۔ تو وہ بس نہیں رہی تھی' بالکل بھول گئی تھی کہ یہ احمر۔ وہ ہی احمر ہے' تند خو بد مزاج' غصیلا' جنونی۔ مگر اس وقت تو بے حد خوش مزاج اور محبت سے لبریز شوہر تھا۔ کس قدر خوش تھی وہ۔ (میری اور اماں کی نمازیں' دعائیں' اماں کے وظیفے احمر کو بدل چکے ہیں۔) اور اسی خوشی کی ترنگ میں اس کے کسی مطالبے پر اس نے ہنستے ہنستے کہہ دیا تھا۔
"آپ مردوں کی یہ ہی تو عادت ہوتی ہے' انگلی پکڑ کے پہنچا پکڑتے ہیں۔"
اور بس۔ پھر۔ قیامت آ گئی۔ بستر سے اچھل کر نیچے اترا' غضب ناک ہو کر اس پر حملہ آور ہونے کی دیر تھی۔ سارا منظر یک لخت تبدیل [illegible] چہرے کا رنگ' جسم' آنکھوں [illegible] تھے۔ آواز میں کسی جنگلی درندے [illegible] سے پوچھ رہا تھا۔
"بتا۔ بتا۔ [illegible] جانتی ہے تو' کس کس مرد کی عادتیں [illegible]۔ کون تجھ سے اتنا قریب [illegible]"
وہ [illegible] سے سوال کر رہا تھا' ہما کی جان نکلی جا رہی تھی [illegible] کی طرح اس کے چنگل سے آزاد ہو کر بھاگی [illegible] کی حمایت لینے۔ وہ وہاں بھی قلانچیں بھرتا آ گیا تھا اور ہاں کی چیخ پکار کی پروا کیے بغیر اس کی چوٹی سخت مضبوطی سے اپنے چنگل میں جکڑ لی۔ اس کے بالوں کی

جڑیں اکھڑنے کے قریب تھیں۔ لذت سے چونکا رہنے لگا۔ اماں بیٹے کو دھوکے رسید کر رہی تھیں' چیخ رہی تھیں' مگر وہ اس کو چوٹی سے پکڑ کر کھینچ رہا تھا اور شرم و حیا کے منافی وہ سوال' اس کی پاک دامنی پر حملہ۔
"بتا' مجھ سے زیادہ اور کون کون۔"
وہ نیم مردہ ہو کر لڑکھڑا رہی تھی۔ تب اس نے [illegible] نوچتے کھسوٹتے پر اس نے اس کو چھوڑ [illegible] زندگی سے خارج۔ تین لفظ کہنے میں ہو کوئی مہارت ہوتی ہے نا' اماں سر پکڑ کر رہ گئیں [illegible] میں باہر نکل گئی [illegible] وہ بڑے سکون سے [illegible] اپنے کمرے میں جا کر [illegible] چکا تھا۔ جیسے کوئی نئی بات [illegible]۔
تمام گزرے [illegible] کے ذہن میں کسی فلمی سین کی [illegible] اس رات وہ یک بیک خوف زدہ [illegible] اس مقام تک پہنچ گئی تھی۔ جہاں [illegible] آ گئے۔ مگر پھر فوراً" آزادی کے انجانے احساس نے نہ جانے کتنی طاقت بحال کر دی کہ۔ نہ رات کا اندھیرا۔ نہ تنہا گھر سے نکلنے کا خوف رہا۔
اب۔ وہ بہت طاقت حاصل کر چکی تھی۔ اور اشفاق اسے کھینچے لے جا رہے تھے۔ (کہیں یہ کتنی زور سے ماریں گے؟) (خدشہ) سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ مار سے بچنے کے لیے ایک کمزور مدافعت کے طور پر۔ مگر یہ کیا وہ اسے قد آدم آئینے کے سامنے لے جا کر کھڑے تھے۔
"لو بھئی۔ ان سے ملو' یہ ہیں میری بیگم ہما سلطانہ۔ زندہ سلامت ماشاء اللہ۔" شرارت لہجے میں تھی۔ "پسند آئیں؟"
آئینے میں خود کو دیکھ کر کھسیانی ہو کر اس نے بڑی آپا کو دیکھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھیں۔
"یہ ہی ہیں میری بیگم' پہلی بھی۔ آخری بھی۔ ماشاء اللہ ہما سلطانہ صاحب۔"
"مگر۔ آپ۔ تو۔" وہ ہکلا گئی۔ پھر یک بیک کتنے ورق گرنے لگے۔ [illegible] آ گئے۔ زہرا اس کا شوہر ذکیہ آپا ان کے بچے [illegible] مظفر اور رعنا ہما کے بچے سب کو بڑی آپا [illegible] سے آگاہ کر رہی تھیں۔ سب ایک [illegible] ہنسنے لگے۔ زہرا نے اس کے [illegible] میں سرگوشی کی۔
"بچپن [illegible] تو اس لیے ذکیہ آپا اسی کو اپنی بھابھی بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔ آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں۔"
جب وہ خفگی سے اپنا منہ سجائے بجائے کمرے سے جانے لگی تو سب ہنس رہے تھے۔ غصہ اور کھسیانا پن' کمرے کے دروازے پر پہنچتے ہی بازو اس کو اپنے حصار میں لے چکے تھے۔ اشفاق کی گرفت سب سے زیادہ نرم گرم اور مضبوط تھی۔ ان ہی کا قہقہہ سب میں بلند تھا۔ سب نے اسے خوب بے وقوف بنایا تھا۔ اشفاق کی پہلی بیگم ہما سلطانہ تھیں۔ اب وہ کھسیانی ہو کر ہنسنے کا حق ادا کر رہی تھی۔ کبھی معلوم ہی نہیں کیا۔ نام کی مناسبت۔ واہ' اچھا لطیفہ تھا' مگر اب وہ خوش مطمئن تھی۔ اس کے بچوں کا مستقبل محفوظ تھا۔ افشی کو اس نے پورے خلوص اور محبت سے اپنی بیٹی بنایا تھا' بڑی بیٹی۔
افشی خوش تھی کہ اسے اس کی اصل ماں مل گئی تھی۔ ہما سلطانہ' جو زمانے کے سرد گرم تجربات کی بھٹی میں تپ کر کندن بن چکی تھی۔ وہ اللہ کی شکر گزار تھی جس نے اس کو آزمائش کے بعد اس کے صبر کا بہت بڑا اجر دیا تھا۔ اشفاق کی محبت' گھر کا سکون' تحفظ' اشفاق کی ممنون تھی۔ جو اس کی مجبوریوں کو اپنی محبت بنا کر بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ وہ پہلی اور آخری بیوی ہی نہیں' آخری محبت بھی تھی۔

رابعہ افتخار

جب چاند نظر آئے

وہ پہلی بار پاکستان آرہا تھا۔ گھر کے سب ہی افراد کو اس سے ملنے کا اسے دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ خصوصاً ساری لڑکیاں تو اس کی آمد کی شدت سے منتظر تھیں۔ گھر بھر میں رنگ و روغن کا کام جاری تھا۔ صفائیاں کی جارہی تھیں۔ نئے نئے کپڑے سلوائے جارہے تھے۔ گروسری کا سامان' بیکری کا سامان وافر مقدار میں آرہا تھا۔

"روحیلہ خالہ کا بیٹا شاہکار اکیلا ہی آرہا ہے ناں یا ساتھ بھتیجوں کی فوج لے کر آرہا ہے۔"

نائمہ نے صائمہ کے کان میں سرگوشی کی جو دادی اماں نے با آسانی سن لی۔

"کتنی مرتبہ کہا ہے کہ خالہ نہیں' تائی ہے وہ تمہاری... اور دوسری بات یہ ہے کہ خبردار کسی نے شاہکار کے بارے میں کوئی غلط قسم کی بات کی۔ میرا اکلوتا پوتا پہلی مرتبہ پاکستان آرہا ہے۔"

دادی اماں اس کے واری صدقے جانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔

"ویسے موصوف آکب رہے ہیں؟" حلیمہ اپنی ننھی منی کرن کو سنبھالتی سب کے پاس آبیٹھی۔

"کل رات دس بجے پہنچ جائے گا' ان شاء اللہ۔"

دادی جان نے اس کے لیے سلوا کر رکھے ہوئے جدید انداز کے شلوار کرتوں کو ایک مرتبہ پھر گننا شروع کیا۔

"کتنی بار گنیں گی دادی! پورے بارہ جوڑے ہیں۔" کچن سے باہر نکلتی عکس ماہ نے دادی کو مسکراتے ہوئے جوتوں کی تعداد بتائی تو وہ رہ گئیں۔

"ابھی تو اس کے لیے جوتیاں بھی منگوانی ہیں۔"

"کھلائیں گی کیا؟" نائمہ کی زبان پھسلی تھی۔

"چپ بدتمیز۔ ذرا تمیز نہیں ہے ان لڑکیوں کو نہ عقل نہ شعور۔" دادی کا غصہ دیدنی تھا۔

"رمضان کا مہینہ آنے والا ہے پھر عید بھی آئے گی گرمی کا موسم ہے' جتنی چیزیں ہوں کم ہیں۔ ابھی تو اس کے کمرے کا اے سی بھی ٹھیک کروانا ہے اور پردے' بیڈ کی چادریں۔"

بڑی بہو نے کہا بھی تھا کہ حلیمہ کو ساتھ لے کر بازار کا چکر لگا آؤ' لیکن ان کا تو بی پی ہی کنٹرول نہیں ہو رہا شاہکار کے لیے شاپنگ دیکھ کر... دے دیتی مجھے پوتا تو اس کے بھی ایسے ہی ناز نخرے اٹھاتی میں۔

دادی نے واقعی بی پی ہائی کرنے والی باتیں کرنا شروع کردی تھیں۔

"جیسے جن کی جان طوطے میں ہوتی ہے اسی طرح دادی کی جان شاہکار میں اٹکی ہوئی تھی۔"

اس مرتبہ دادی کا دھیان شاپنگ کی دوسری لسٹ کی طرف تھا۔ عکس ماہ نے ان کو لسٹ میں چند ہی چیزوں کا اضافہ کرتے دیکھا تو سر جھٹک کر رہ گئی۔

"بیچارے دادی' وہ بھلا دادی کی یہ سب چیزیں استعمال کرے گا' وہ تو اپنے ساتھ امپورٹڈ کپڑے' جوتے لے کر آئے گا۔" وہ سوچتے سوچتے مسکرادی۔

شب برات سے دو دن پہلے اس کی آمد ہوگئی' وہ اپنے گلاب کے پھولوں کا ہار لیے کھڑی تھیں۔

"میرا شاہکار آرہا ہے۔" ان کی زبان بار بار اسی ایک جملے کا ورد کررہی تھی' اور پھر واقعی ان کا "شاہکار" آگیا۔ ان کے ہاتھ دھرے گئے۔

"ہائے گرینی! ہاؤ آر یو؟ (آپ کیسی ہیں؟)"

وہ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے' ایک کان میں بالی ڈالے' شرٹ کے کھلے بٹنوں کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ہی تھا "شاہکار علی خان" جس کے لیے انہوں نے مہنگی اور اعلا ترین شاپنگ کی تھی۔

"ہائے گرینی!" اب وہ سب لڑکیوں کی طرف متوجہ تھا۔ دادی کی نظر اس کی ٹانگوں پر گھٹنوں تک جاکر ٹھہر گئی۔ گھٹنوں سے اس کی پتلون غائب تھی۔ نہ جانے پتلون ہے یا نیکر' پتلون ہے پھٹی ہوئی ہے یا چھوٹی ہوگئی ہے۔

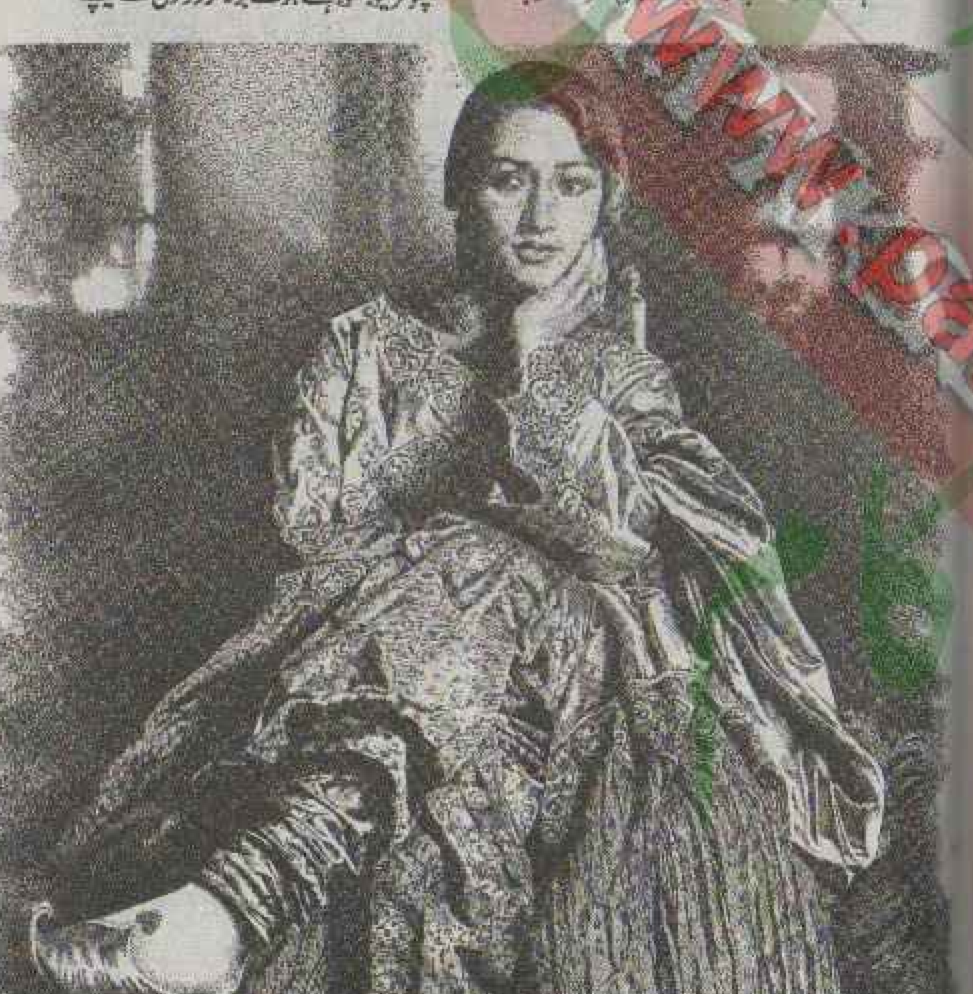
"شاہکار پتر!" دادی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

"شاہکار... ہاؤ فنی گرینی! کال می "شا" اونلی شا۔"

اس کی باتیں ان کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

"چلو لڑکیو... چلو۔" وہ واپسی کے لیے مڑ گئیں۔

"چلو لڑکیو!" وہ ہنستے ہوئے بولا اور دادی کے پیچھے



چل دیا۔

"ویسے یہ شاہکار صاحب ہماری کوئی "انسلٹ بازی" لگ رہا ہے۔" نائمہ نے عکس ماہ کو سرگوشی کی، اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اتنی مدھر ہنسی پر شاہکار نے گردن گھما کر دیکھا، وہ کتنی معصوم سی تھی۔ سانولے سلونے چہرے پر ہنستے ہوئے ڈمپل پڑ رہا تھا۔

"یہ یقیناً "عکس ماہ" ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

"لو جی! گھر آگیا۔" سارا راستہ سب خاموش ہی رہے، شاہکار کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے بیٹھا سر دھنتا رہا۔

"اوئے شاہکار۔ گھر آگیا۔" دادی نے اس کا شانہ ہلایا۔

"واٹ۔ واٹ آر یو سے انکل۔" وہ انجان تھا۔

"گھر آگیا ہے شاہکار پتر۔" ساری لڑکیاں یک زبان ہو کر بولی تھیں۔ دادی نے ان سب کو گھورا اور گاڑی سے باہر نکل گئیں۔

"اوف۔ میں نے سنا نہیں، گھر آگیا۔" وہ بھی دادی کی پیروی میں باہر نکل گیا۔

"یہ کیا چیز آگئی ہے انگلینڈ سے ہمارے گھر، کون کہتا ہے کہ مائیکل جیکسن کا انتقال ہو گیا؟ اس کی روح یقیناً شاہکار علی خان میں حلول کر گئی ہے، جب ہی تو ہر وقت ہلتا رہتا ہے۔"

نائمہ کا تبصرہ شروع ہو چکا تھا، سب لڑکیاں تائیدی انداز میں سر ہلا رہی تھیں۔

دادی کے تو جیسے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ شاہکار کے آنے سے پہلے وہ جتنی پرجوش تھیں، اب اتنی ہی غمگین ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ لڑکیاں ان کی طرف دیکھتیں تو وہ شرمندگی سے اپنا چہرہ ادھر ادھر کر لیتیں، مبادا کہ نظریں ملیں اور انہیں طنز کرنے کا بہانہ مل جائے۔

"ہائے گرینی! کیا ہو رہا ہے؟" وہ ہاف پتلون، بغیر آستینوں کی شرٹ میں ملبوس دادی کے پاس آیا۔ لڑکیاں تو لڑکیاں، دادی شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔

"ہائے لڑکے! کچھ شرم حیا کیا کرو۔ جوان جہان بہنوں والا گھر ہے اور تم ایسے فرقیموں والے لباس پہن کر گھومتے ہو۔ وہ جو میں نے تمہارے کمرے میں کپڑے رکھوائے ہیں، کتنے اچھے ہیں وہ پہنا کرو۔"

دادی نے اسے سمجھانا چاہا۔ اس نے ناک سکیڑ کر دادی کی سمت دیکھا۔

"وہ۔ اوہ گاڈ۔ دادی وہ شلوار قمیص میں پہنوں گا میں؟" اس نے اتنی حیرت سے دادی کی سمت دیکھا جیسے دادی اسے ساڑھی باندھنے کو کہہ رہی ہوں۔

"تو کیا میں وہ درجنوں کپڑے الماریوں میں ٹھونسنے کے لیے لائی تھی؟" دادی کو اچھا خاصا غصہ آگیا تھا۔

"آپ کو پہلے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا دادی جگہ میں کس طرح کے کپڑے پہنوں گا، خیر وہ سب کپڑے آپ ان سب کے دولہوں کے لیے رکھ دیں۔" اس کا جواب سن کر دادی کے ماتھے پر مزید بل پڑ گئے۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔ اسی بہانے فیشن بدلنے سے پہلے پہلے ہماری شادیاں تو ہو جائیں گی نا۔" نائمہ کی خوشی دیدنی تھی۔

"ارے ہاں۔ یہ شاہکار تو ہمارا ہمدرد نکلا بھئی۔" صائمہ بھی خوشی سے چیخ اٹھی۔ دادی نے گھور کر سب کو دیکھا۔

"تم سب کے ماں باپ تو آنکھیں [illegible] ہیں۔ میری آنکھیں تو کھلی ہیں [illegible] میں تو سمجھی تھی کہ شاہکار کی [illegible] بہت اچھی کی ہو گی لیکن [illegible] میرے خاندان کے اکلوتے [illegible]۔" دادی کراہنے لگیں۔

[illegible] عکس ماہ نے ان کی یہ بات بہت غور سے [illegible] تھی، اسی لمحے اس کی نظر شاہکار پر پڑی، وہ اسی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں عکس ماہ کو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے عجیب سے رنگ دکھائی دیے۔ اس کا دل ایک انوکھے انداز سے دھڑکنے لگا۔

☆ ☆ ☆

رات کے کھانے کے بعد سب ایک بار پھر چھت پر موجود تھے۔ ساری چھت موم بتیوں کی روشنی سے چمک رہی تھی، وہ بھی نائمہ، صائمہ اور حلیمہ کے ساتھ موم بتیاں جلانے میں مصروف تھی، جب شاہکار کے موبائل کی بیپ بجنے لگی اور وہ ان سب سے ہٹ کر ایک طرف کو ہو گیا۔

"مجھے یاد ہے مام کہ آپ نے مجھے [illegible] لڑکی پسند کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نائمہ اور صائمہ تو یہاں ہیں میرے سامنے اور حلیمہ [illegible] شادی شدہ ہیں۔ رہ گئی عکس ماہ [illegible]" بات کرتے کرتے گردن گھمائی [illegible] اسی کی سمت دیکھ رہی تھی۔ [illegible] میں سانولا سلونا چہرہ بہت معصوم [illegible]۔

"[illegible] عکس ماہ سے مجھے محبت ہو گئی ہے۔" [illegible] بہت سکون سے کہا۔

"[illegible] سے پہلے ہی میں اسے اپنا بنانا چاہتا ہوں، لیکن پتا نہیں مام وہ مجھے اپنا بنانا چاہے گی کہ نہیں؟" شاہکار بہت آہستگی سے بولا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد صائمہ اور نائمہ نیچے چلی گئی تھیں۔ حلیمہ بھی کرن کو لیے نیچے اتر گئی، وہ بھی ان سب کو جاتا دیکھ کر نیچے کی طرف اترنے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی جب شاہکار اس کے سامنے آرکا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"کیا؟" اسے حیرت ہوئی۔ بھلا شاہکار کو اس سے کیا بات کرنا تھی۔

"عکس ماہ! تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔" وہ بہت اسٹریٹ فارورڈ تھا یا پھر اس نے جان بوجھ کر کوئی تمہید نہیں باندھی تھی۔ "محبت ہو گئی ہے تم سے۔"

"کیا؟" اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ اس وقت بھی اسی فضول سے حلیے میں تھا، ہاف پتلون پر بغیر آستینوں کی قمیص پہنے۔ کان کی بالی اب غائب تھی، اس کی جگہ ننھا منا سا ٹاپس چمک رہا تھا۔ عکس ماہ کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

"میرے [illegible] میرے خاندان کے اکلوتے سپوت [illegible]" دادی کا جملہ اس کی سماعت میں بازگشت [illegible]۔

"لیکن آپ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔" اس نے [illegible] کہہ دیا۔ شاہکار کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"کیوں کیا کمی ہے مجھ میں؟ ابراڈ میں لڑکیاں مرتی تھیں مجھ پر۔" اسے اپنی توہین محسوس ہوئی تھی۔

"کمی تم میں نہیں، تمہارے حلیے میں ہے۔ مجھے تمہارا یہ حلیہ قطعی پسند نہیں۔" وہ الفاظ جو دادی نہ کہہ سکی تھیں اس نے کہہ دیے۔ شاہکار کے چہرے پر خفگی اور غصے کا عنصر نمایاں تھا لیکن وہ خاموش رہا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم، میرا حلیہ کیسا ہو؟" وہ جاننا چاہ رہا تھا اس کے لیے عکس ماہ کے دل میں کیا ہے۔

"تم اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو پھر اپنا حلیہ بھی میری مرضی کا بنانا ہو گا۔ اگر محبت کرتے ہو تو اتنا چھوٹا سا کام کر ہی لو گے تم۔" وہ شاید اس کی محبت کا امتحان لینے جا رہی تھی۔

"تم کہو۔ آئی ایم لسننگ۔"

"تمہیں اپنے یہ بال کٹوانے ہوں گے۔ ہاتھوں سے یہ لڑکیوں کی طرح ڈھیروں ڈھیر انگوٹھیاں اور بریسلیٹ بھی اتارنے ہوں گے۔ اس ہاف پتلون کی جگہ فل پتلون شرٹ یا پھر شلوار قمیص پہننا ہو گی اور سب سے بڑی بات یہ کہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنا ہوں گی، وہ بھی مسجد جا کر۔ رمضان شریف کا مہینہ شروع ہونے والا ہے، سارے روزے رکھنے ہوں گے۔ منظور ہے تو مجھے یہ محبت دل و جان سے قبول ہے۔" وہ بڑے دھڑلے سے وہ سب کچھ شاہکار سے کہہ گئی جو دادی کے دل میں تھا۔

"مشکل ہے۔ اور محبت۔ اس کا کیا ہے تم نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی۔ اب میں ایک لڑکی کی خاطر اپنا لائف اسٹائل تو چینج نہیں کر سکتا نا۔ جب میں نے اپنی ماں کی نہیں مانی تو تمہاری

"کیا باتوں گا۔" وہ بے حد سنجیدگی سے کہتا وہاں سے ہٹ گیا۔

"اف دنیا کی سب سے چھوٹی پریم کہانی۔" کسی فلم میں سنا ڈائیلاگ دماغ میں گونجا اور وہ بھی جھٹک کر سیڑھیاں اتر گئی۔

☆ ☆ ☆

رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا' وہ اپنی امی اور تائی امی کے ساتھ کچن میں سحری اور افطاری کی مختلف اشیا بنانے میں مصروف تھی۔ ثانیہ اور صائمہ کو کچن کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں کوئی میگزین کھولے بیٹھی تھیں۔ حلیمہ اپنے گھر واپس جا چکی تھی۔ دادی جان کا شاہکار ہیڈ فون چڑھائے کارپٹ پر لیٹا سر دھن رہا تھا' ساتھ ہی ساتھ کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بھی بھرے جا رہے تھے۔

"کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ لیٹے ہوئے کچھ نہیں کھانا چاہیے' لیکن اس لڑکے کی سمجھ میں کبھی کوئی بات نہیں آئی۔ اب دیکھو کل سے رمضان شریف شروع ہے' لیکن اس کے کھانے پینے پر کوئی اثر ہی نہیں۔" دادی کی بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔

کچن سے باہر کا منظر دیکھتی عکس ماہ کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی۔ گزشتہ کئی دنوں سے وہ شاہکار کی آنکھوں میں اپنے لیے جو رنگ دیکھ رہی تھی' وہ کتنے کچے نکلے تھے۔ شاہکار نے جس محبت کا دعویٰ کیا تھا وہ کتنی بودی محبت تھی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ محبت۔ محبت ہوتی ہے' اس کا دل سے نکلنا اذیت ناک ہوتا ہے' جان لیوا ہوتا ہے' لیکن شاہکار کی محبت نہ جانے کیسی تھی جس نے اسے اتنا مطمئن اور پرسکون رکھا ہوا تھا۔ خود عکس ماہ کا برا حال ہو رہا تھا' اس کے دل میں شاہکار کی محبت اچانک ہی پھوٹی تھی اور اس کا دل اس محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ ایک لمحے کو شاہکار کی نظریں اس سے ٹکرائی تھیں' اس کی آنکھوں [illegible] شاہکار نے دیکھ لی تھی' اسی لیے نظریں [illegible] بھلا اس جیسے لڑکے محبت کر سکتے [illegible]

پاس کرتے ہیں' اس کا حلیہ ہی اسے فلرٹی ظاہر کرتا تھا۔" اپنی اس سوچ کو اس نے سحری کے وقت شاہکار کے گوش گزار کر دیا' جب وہ اسے سحری کے لیے بلانے گئی۔

"یہ تم منہ لٹکائے کیوں گھوم رہی ہو؟ کہیں تمہیں بھی تو مجھ سے محبت نہیں ہو گئی؟" شاہکار کے "بھی" پر تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

"میرے پاس ان فالتو باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ تمہاری اصلیت میں اچھی طرح جانتی ہوں' تم جیسے لڑکے ٹائم پاس کر سکتے ہیں' محبت نہیں کر سکتے' ارے تمہارا کردار کیا ہو گا' یہ تو تمہاری ظاہری حالت سے پتا چل جاتا ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے واپس پلٹ گئی اور شاہکار اس کی پشت پر لہراتی چوٹی کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا۔

پہلا روزہ سب نے ہی رکھا تھا سوائے شاہکار کے۔ وہ سارا دن منہ چلاتا رہا' نہ اس نے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی روزہ رکھا۔ دادی کا غصہ دیدنی تھا۔

"اتنے بڑے ہو گئے تم اور کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ جان بوجھ کر روزہ چھوڑنا کتنا بڑا گناہ ہے۔"

"آپ نے بتایا تھا دادی۔ یہ میرا اور اللہ کا معاملہ ہے' پلیز آپ مت بولیں۔" وہ انہیں ٹالنے کے انداز میں بولا۔ وہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

افطاری کے وقت سب ہی افراد [illegible] شاہکار بھی وہیں موجود تھا۔ افطاری [illegible] جان نے رمضان کے مہینے [illegible] کے لیے [illegible] عکس ماہ [illegible] شاہکار کے سدھر جانے کے لیے [illegible] وہ اس خاندان کا اکلوتا لڑکا تھا' اس [illegible] سب کے لیے ناپسندیدہ تھیں' لیکن [illegible] تصور کر کے کوئی بھی اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔

"دادی یقیناً شاہکار کے لیے دعا کر رہی ہوں گی۔ بے چاری دادی' ایک انڈا وہ بھی بے حد گندا۔" ثانیہ نے سرگوشیانہ انداز میں کہا تو عکس ماہ خاموش ہی رہی' وہ تو خود شاہکار کے لیے دعا گو تھی۔

افطاری کے بعد سب نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئے۔ وہ وہیں بیٹھا رہا' رات ہوئی تو ابو اور تایا تراویح کے لیے گئے' وہ اپنے بیڈ روم میں گھس گیا۔

☆ ☆ ☆

دادی نے ہی روحیلہ خالہ کا فون سنا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ عید کے تین دن بعد شاہکار واپس [illegible] ہے۔

"روحیلہ نے اسے یہاں شادی [illegible] بھیجا تھا۔ اسے یہاں کوئی لڑکی پسند [illegible]" دادی افسردگی سے بولیں۔ پکوڑوں [illegible] اچانک عکس ماہ نے نظریں اٹھا کر [illegible] شاہکار کو دیکھا' وہ بھی اسی کی سمت دیکھ رہا تھا' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے نگاہیں [illegible]

دادی بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں' اسے واقعی کوئی لڑکی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ بات جو اس نے عکس ماہ سے کہی تھی' وہ بھی ایک خواب تھا۔ شاید شاہکار کو وہاں موجود سب لڑکیوں میں سے وہ کچھ بہتر لگی ہو' لیکن محبت۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کسی سے محبت کریں اور اتنی جلدی اس محبت سے دستبردار ہو جائیں' یہ دستبرداری کا کام دنیا کا سب سے مشکل کام ہے اور وہ بھی محبت کو چھوڑنا ہو تو یہ مرحلہ جان لیوا ہوتا ہے' لیکن شاہکار پر تو کوئی اثر ہی نہیں تھا' البتہ اس لمحے جب اس نے شاہکار کی چوری پکڑی تھی' اسے محسوس ہوا جیسے وہ اب بھی اس کے لیے اپنے دل میں کوئی جذبہ رکھتا ہے۔

شاید وہ اپنی محبت کو پہچان نہیں پایا تھا۔

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ گزر چکا تھا۔ ان ہی دنوں حلیمہ عکس ماہ کے لیے اپنے دیور کا رشتہ لے کر آئی۔ گھر میں سب ہی افراد نے اس رشتے کو پسند کیا تھا۔ دادی نے پھر بھی سوچنے کے لیے وقت مانگ لیا۔

"بھئی عکس ماہ سے تو پوچھیں' وہ کیا کہتی ہے۔" اس سارے معاملے میں وہ پہلی بار بولا تھا۔

اس نے شاہکار کی سمت دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"وہ کیا کہے گی بھلا؟ اگر بڑے راضی ہیں' بہتر سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے۔" حلیمہ نے رائے دی۔

"یعنی جس کو زندگی گزارنی ہے' اس کی کوئی مرضی ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے عکس ماہ کو اس کے بات کرنے کا انداز ہی پسند نہ آئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے لباس' اس کے حلیے میں ہی کوئی ناپسندیدگی والی بات ہو۔" وہ جو بات کر رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے' وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ماہ کو وہ بہت پسند آئے گا۔" حلیمہ کسی صورت اس رشتے کو ہاتھ سے نکالنا نہیں چاہتی تھیں۔

"بعض دفعہ جو کچھ دکھائی دے رہا ہوتا ہے' حقیقت وہ نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے وہ لڑکا تمہیں اپنے حلیے سے بہت اچھا دکھائی دے رہا ہو' لیکن اس کا کردار اچھا نہ ہو' خیر تم سب بہتر سمجھ سکتے ہو۔" وہ ذو معنی بات کر رہا تھا۔

عکس ماہ نے اس کی آنکھوں میں ایک سچے جذبے کے عکس دیکھے تھے۔ اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ دادی نے ابھی تک ان لوگوں کو کوئی جواب نہیں دیا' بقول ان کے ہر بار استخارے میں کچھ خاص سمجھ میں نہیں آیا۔ گھر میں سب ہی افراد عید الفطر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بس ایک وہ تھی جس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔

دادی نے شاہکار کے لیے بھی کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ ان کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے کچھ نہیں پہنے گا۔ لڑکے والوں نے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ سو دادی نے کچن میں گھسی افطاری کا سامان تیار کر [illegible]

بڑے' فروٹ چاٹ' قیمہ بھرے رول' شامی کباب اور اس کے علاوہ کھانے کی تیاری الگ تھی۔ وہ نہ جانے کس کام سے کچن میں آیا تھا' اسے اپنے کام میں الجھا دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"اگر تم کہو تو میں کچھ ہیلپ کروا دوں تمہاری۔" اس نے کبابوں کے قیمے والے برتن کو اپنے آگے کھسکایا۔

"نہیں' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔ تم بہت دنوں سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کر رہیں۔ شاید تم اپنے رشتے سے خوش نہیں ہو۔" وہ اس کے منع کرنے کے باوجود کباب [illegible] بنانے لگا۔

"نہ تو میں تم سے ناراض ہوں اور نہ ہی مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے۔ وہم ہے تمہارا۔" اس نے شاہکار سے زیادہ خود اپنے آپ کو تسلی دی۔

"تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتیں ماہی۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور جس سے محبت ہو جائے اس کے دل کا حال زبان سے نہیں' آنکھوں سے سمجھ لیا جاتا ہے۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔ عکس ماہ نے تڑپ کر اس کی سمت دیکھا۔

"محبت... یہ کیسی محبت ہے [illegible] تمہاری ذات میں [illegible] کیا۔ میں نے تمہاری محبت [illegible] بھی محبت میں ایک فرمائش کی [illegible] دنوں سے جو بات کہنا چاہ رہی [illegible] زبان سے پھسل گئی۔ شاہکار [illegible] تے چھوا تھا۔

"[illegible] کو تو تم سے کہہ دیا تھا کہ تم نہیں اور [illegible] اور سہی' لیکن نہیں عکس ماہ... تم نہیں [illegible] کوئی بھی نہیں... اور یہ بات میرے دل نے اسی رات [illegible] تھی جب میں نے تم سے یہ الفاظ کہے تھے۔" وہ اعتراف کر رہا تھا۔

"پھر میری بات پہیلیوں میں کیوں سنا تھا؟ تمہیں اچھا نہیں لگا تھا؟" وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں برا لگا تھا' مگر تمہارا یوں کتنا برا نہیں لگا' بلکہ اتنی جلدی کتنا برا لگا۔ تم نے تو میرے اعتراف محبت کرتے ہی... خیر تھوڑا انتظار کرو۔" وہ آہستگی سے مسکرایا۔

"لیکن وہ لوگ جو آج آ رہے ہیں۔" اس کا دل ذرا [illegible] کے مارے دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"فکر مت کرو' وہاں بات نہیں [illegible] دادی ہر بار استخارہ کر لیتی ہیں اور [illegible] بس تم چاند نظر آنے کا انتظار [illegible] محبت تمہاری ہو کر رہے گی۔"

وہ [illegible] کر کے باہر نکل گیا۔ عکس ماہ کے دل [illegible] دھڑکا تھا۔

"[illegible] ان لوگوں کو دادی نے انکار کر دیا۔ وہ [illegible] تھیں۔

"چاند نظر آ گیا۔" عکس ماہ چاند نظر آ گیا۔"

وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ شاہکار کی واپسی کے دن قریب آتے جا رہے تھے اور ابھی تک اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی رو حیلہ [illegible] نے دادی سے یا اس کی امی سے کوئی بات کی تھی۔

"چاند نظر آ گیا۔" نائمہ نے چھت سے دوبارہ آواز دی۔ وہ سوچوں کے بھنور سے نکلی تو آسمان پر نظریں دوڑانے لگی۔

"چاند مبارک ہو ماہی!" عقب سے شاہکار کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اور اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

سفید شلوار قمیص میں ملبوس' کٹے ہوئے بالوں کو سلیقے سے سجائے' وہ بھرپور مردانہ وجاہت کا نمونہ لگ رہا تھا' شاہکار علی خان۔ عکس ماہ اسے یک ٹک دیکھے گئی۔

"ارے کوئی ہے جو میرے خاندان کے اکلوتے سپوت کو سنوارے۔" دادی کے الفاظ کان میں گونجے

اور وہ جو پہلی مرتبہ اسے اتنے غور سے دیکھ رہی تھی' شرما کر سر جھکا گئی۔

"[illegible] نام بھی نہ کر سکیں' وہ تمہاری محبت [illegible] میں نے اپنا حلیہ بدلنے کے بارے میں [illegible] اسی رات سوچ لیا تھا جب تم نے کہا تھا' لیکن میں اس چاند کے نظر آنے کا منتظر تھا۔ کہو تمہیں کون سا چاند اچھا لگا؟" وہ بات کے آخر میں شوخی سے بولا۔

"جس کا میں عکس ہوں' وہ اچھا لگا۔" وہ بھی بہت سوچ سمجھ کر بولی تھی۔ شاہکار اس کی بات سمجھ کر مسکرا دیا۔

"اندر ہمارے نکاح کی تیاری ہو رہی ہے۔ جلدی چلو' ماما اور ڈیڈ بھی پہنچنے والے ہوں گے اور دادی تو میرا حلیہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ابھی ان کے ہوش میں آنے کے شکرانے کے نفل بھی پڑھنے ہیں۔" وہ اپنی ہی کہے جا رہا تھا اور عکس ماہ حیرت اور خوشی سے اپنے چاند کو دیکھ رہی تھی۔

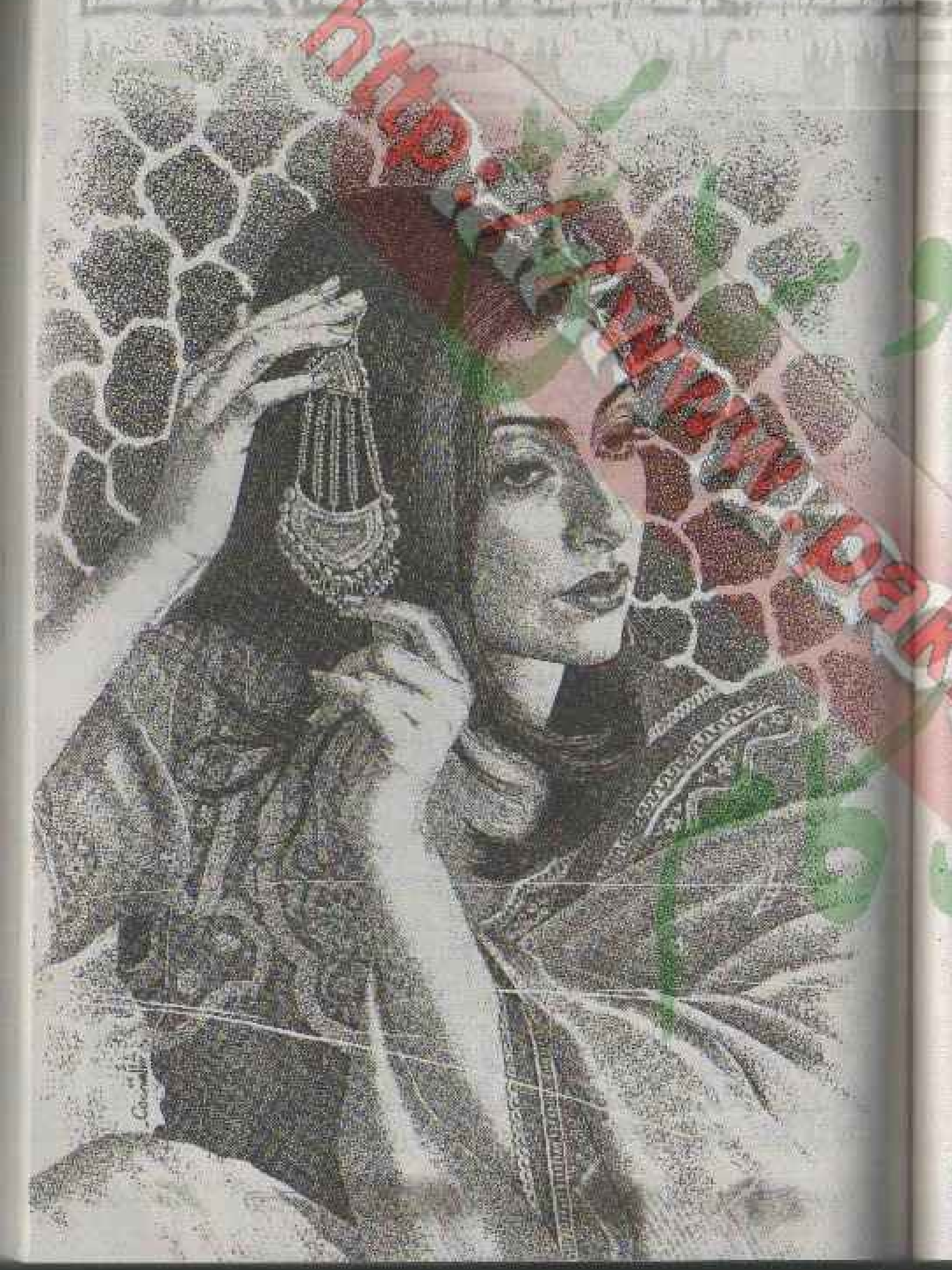
"وعدہ کرو اگلے سال سارے روزے رکھو گے۔"

"رکھوں گا۔ نماز بھی پڑھوں گا' جو تم کہو گی وہ کروں گا' کیونکہ میں جانتا ہوں' تم میرا اچھا ہی سوچو گی' میرا عکس جو ٹھہریں۔" وہ مسکرا دیا۔ اندر سے ان کے نام کی پکار اٹھی تو وہ اندر کی طرف بھاگی۔

"چاند رات مبارک ہو عکس ماہ۔" وہ بلند آواز سے بولا تھا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اندر بھاگ گئی۔

آسمان پر عید کا چاند یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگا۔



نایاب جیلانی

سنہری دھوپ کا موسم

اتنا بڑا بنگلہ نما یہ مکان آرٹسٹک ذہن رکھنے والے آرکیٹیکچر — اور محنت کش معماروں کی ذہانت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بہت وسیع سرسبز و شاداب گھاس سے سجا لان نما صحن .... جس کی تینوں بیرونی دیواروں کے ساتھ شاہ بلوط، زرتن، جوت، بڑ کے درخت، ناریل، شہتوت اور صندل کے گھنے اونچے درخت شان سے کھڑے تھے۔

لوہے کے پھاٹک کے سامنے بنی بنفشی، پتھریلی روش کے ارد گرد موتیا، گیندا، گل لالہ، گل بنفشہ کوکنار، گل خیر، گل داؤدی کے پودے ایک قطار میں ترتیب سے لگائے گئے تھے۔ گول برآمدے کے بائیں جانب باغیچے کے عین وسط میں اخروٹ کی لکڑی کا منقش جھولا تھا۔ موتیا کے پھولوں سے لدے پودے کے دائیں جانب لوہے کی ارغوانی پینٹ شدہ دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں۔

بھاری مخملی پردے کو دو انگلیوں سے پکڑے وہ تھکی تھکی نظروں سے نیم تاریکی میں درختوں کے جھنڈ کو بغور دیکھتے ہوئے آخری سرسری سی نظر سے لان کا جائزہ لینے کے لیے قدرے رخ موڑ کر کھڑی ہوئی تو اس کا دل لمحہ بھر کے لیے دھک سے رہ گیا۔

منقش جھولا اس وقت جگمگ کرتی اس بے تحاشا دودھ جیسی سفید عورت کے وجود سے جگمگا اٹھا تھا۔ کم از کم رخشندہ نے اپنی اب تک کی زندگی میں ایسا حسن اور اس قدر تازگی و تمنا کی نہیں دیکھی تھی۔ سفید

مکمل ناول



لباس میں اس کی گلابی نازک سفید رنگت چمک رہی تھی۔ سفید موتیا کے پھولوں کے گجرے ہاتھوں اور کانوں میں پہن رکھے تھے۔ اس کے بال بے تحاشا لمبے اور چمکیلے تھے اور اس نے بڑی نزاکت سے انہیں اکٹھا کر کے دائیں شانے پر منتقل کیا تھا۔

"نجانے کون ہے حیام کی کوئی کزن یا پھر۔" وہ سر جھٹک کر اس حسین عورت کے سحر سے خود کو آزاد کرنے کی سعی کرنے لگی۔ اس کی نظریں بے ساختہ بھٹک کر منقش جھولے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ رخشندہ نے پردے کو پکڑے پکڑے سر گھما کر دیوار پر لگے کلاک کی طرف دیکھا اور ایک مرتبہ پھر اس کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔ چار بجنے میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ دور کہیں موذن فجر کی اذان سے پہلے درود پاک کا ورد کرنے لگا تھا۔

رات بیت چکی تھی۔ کچھ ساعتوں بعد صبح کی سپیدی نے نمودار ہو جانا تھا۔ رخشندہ نے پوری رات اس کھڑکی میں کھڑے سوچتے گزار دی تھی۔ درختوں، پھولوں، پودوں اور اس ستائیس اٹھائیس سالہ عورت کو دیکھتے اور سوچتے وہ لمحہ بھر کو بھول چکی تھی کہ وہ اس وقت کہاں کھڑی ہے؟

اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ پیروں میں گویا ورم آ گیا تھا اور سر بھی درد سے پھٹنے لگا تھا۔ آنکھیں الگ جل رہی تھیں۔ بھاری لہنگا سنبھال کر بمشکل سج سج چلتے ہوئے سامنے لگے آئینے کو دیکھ کر وہ کچھ پل کے لیے ٹھٹک کر رک گئی۔

خلاف معمول اس بار سنگھار اور بھاری زیورات نے اسے بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ کانچ جیسی رنگت میں کھلی گلابیاں بھی میک اپ کی مرہون منت تھیں۔ چھوٹی سی ناک میں لونگ چمک رہی تھی اور ہلکی بھوری آنکھیں خوشنما خوابوں کے بوجھ سے گلابی تھیں۔

وہ بہت حسین نہیں تھی۔ قبول صورت [illegible] درمیانے قد اور صاف رنگت والی معمولی سی لڑکی تھی۔ اس کا تعلق سفید پوش گھرانے سے تھا۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی مگر نہ تو وہ بھائیوں کی لاڈلی تھی اور نہ ہی بھابھیوں کی دلاری۔

اماں اور ابا نے اسے بے تحاشا محبت دی تھی مگر ان کی زندگی کے بعد رخشندہ پر بھی زندگی کے دروازے تنگ ہوتے چلے گئے تھے۔

یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی جو اس نے جیسے تیسے ہی سہی اکنامکس میں ماسٹرز کر لیا تھا۔ حالانکہ اس کی بھابھیوں نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ وہ نہ ہی پڑھ سکے۔ اس کوشش کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے مسائل کے پہاڑ بھی کھڑے کرنا چاہے تھے مگر بھیا کی مہربانی سے وہ اپنی اس واحد خواہش کو پورا کر چکی تھی۔

وہ چاروں بھابھیوں کی مشترکہ ہیلپر (مددگار) تھی۔ مہذب لفظوں میں ہیلپر کہنا ہی مناسب ہے ورنہ دوسرے الفاظ میں میڈ (خادمہ) بھی کہا جا سکتا ہے۔ بیک وقت اسے سب کی خدمت کے لیے خود کو تیار رکھنا پڑتا تھا۔ کسی بھی وقت اوپر، نیچے، دائیں، بائیں کسی طرف سے بلاوا آ سکتا تھا۔

رخشندہ کے ابا واپڈا میں ملازم تھے۔ انہوں نے بیٹوں کی تعلیم پر خوب توجہ دی تھی۔ اس [illegible] بھائی تعلیم یافتہ تھے اور اچھے اداروں [illegible] وہ اچھے کمانے والے خوش شکل تھے مگر اس [illegible] نے سرکاری ہسپتال میں [illegible] تھیں۔

سب سے [illegible] تھے۔ پھر عقیل شرجیل اور [illegible] تھے۔ رخشندہ کا نمبر آخری تھا اور اس [illegible] نے اپنی بیویوں اور بچوں کی [illegible] سے آخری تجربہ رکھا ہوا تھا۔

اس کی زندگی عام لڑکیوں سے مختلف نہیں تھی۔ [illegible] دن کاموں کے گرد گھومتے ہوئے رات کی آغوش میں سو جاتا تھا مگر رخشندہ کی رات بارہ، ایک بجے کے بعد شروع ہوتی تھی۔ یعنی اسے سونے کے لیے بارہ بجے کے بعد نوشابہ بھابھی کی طرف سے اجازت ملتی تھی۔ چونکہ وہ گھر کی پہلی اور بڑی بہو تھیں۔ سو انہوں نے از خود اپنے "بڑے پن" کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ گھر پر اپنا راج چاہتی تھیں۔ سو ان کی چھوٹی بہن ریحانہ بھی جو کہ خیر سے چھوٹے بھائی کی زوجہ محترمہ تھیں، اپنی آپا کی ہم خیال تھیں۔ آسیہ بھابھی گو یہ دونوں کسی گنتی میں شمار نہیں کرتی تھیں۔ ناعمہ بھابھی، بڑی بھابھی کی خالہ زاد بہن تھیں۔ سو ان تینوں کے مزاج میں [illegible] اکثر چاروں کی آپس میں [illegible] کی بات تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر [illegible] نکال لینے کے بعد پھر سے [illegible] ہونے لگتے تھے۔ اکثر [illegible] ہوتی۔ جس کی شادی چاروں بھابھیوں [illegible] کے لیے مسئلہ کشمیر بنی ہوئی تھی۔ [illegible] اپنی نند انہیں بیالیس سالہ [illegible] لگی تھی۔ جس سے جلد از جلد [illegible] کی اولین آرزو تھی۔

بڑی بھابھی رخشندہ کو جلد از جلد اس لیے ٹھکانے لگانا چاہتی تھیں۔ کیونکہ ان کی لائبہ رخشندہ سے صرف ایک سال چھوٹی تھی اور قد کاٹھ میں وہ اپنی نازک سی پھوپھی سے تین سال بڑی دکھائی دیتی تھی۔ انہیں رخشندہ کو بھگتا کر اپنی لاڈلی کے لیے بھی سوچنا تھا سو اسی لیے وہ وقتاً فوقتاً نوراں آپا کی خدمات حاصل کرتی رہتی تھیں۔

"رخشی! آپا کے لیے گاجر کا حلوہ اور دودھ پتی بنا کر لے آؤ۔" نوراں آپا کو دیکھتے ہی نوشابہ پرجوش ہو جاتی تھیں۔

"نہ میں نہیں چائے پی کر کلیجہ ساڑتی۔ دودھ میں بوتل ڈال کر لانا رخشندہ!" آپا بے تکلفی سے ہانک لگاتی تھیں۔

"آج تو تمہارا دل خوش ہو جائے گا نوشابہ!" وہ جگ اور گلاس ٹرے میں سجائے اندر داخل ہوئی تو نوراں آپا کھلی کھلی مسکراہٹ سجائے کہہ رہی تھیں۔

"اکلوتا لڑکا ہے۔ پھوپھی نے ہی پالا پوسا ہے۔ وہ بھتیجے کے لیے کوئی سیدھی سادی شریف اور اچھے گھرانے کی لڑکی چاہتی ہیں۔ میں نے رخشندہ کا نام لے دیا، سیرت بھی بھلا اور صورت بھی بے مثال۔ تم راضی ہو تو رشتہ کرا دو۔ وہ دھوم دھام اور شور و غوغا نہیں چاہتے۔ بس سادگی سے نکاح کریں گے۔ دو چار لوگ آئیں گے۔ ویسے بھی توقیر بیگم (حیام کی پھوپھی) بہت مذہبی خاتون ہیں۔ پردے کی پابند۔ شرعی طریقے سے سنت کے مطابق نکاح کریں گے۔ جہیز وغیرہ کی انہیں طلب نہیں۔" نوراں آپا باقی تفصیلات اسی جوش و خروش سے نوشابہ کے گوش گزار کر رہی تھیں۔

"راحیل کی طرف سے ہاں ہی سمجھو آپا!" وہ جلد از

جلد رخشندہ کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتے ہیں۔ "بھابھی پر اس کی شادی کر دینے کی دھن سوار تھی۔ ان کی اپنی اولاد بھی جوان ہو چکی تھی۔ سو اس جلد بازی میں انہوں نے سرسری سی چھان پھٹک کے بعد متفقہ طور پر ہاں کر دی۔

اور باقی کے معاملات بہت تیزی سے نمٹتے چلے گئے تھے جس کے نتیجے میں آج وہ اس پراسرار گھر کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ یہ گھر اور اس کے مکین بے حد پراسرار تھے۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے جو وہ ایک عجیب سا خوف محسوس کر رہی تھی۔ یہ خوف اس وقت شدت اختیار کر گیا تھا جب اس نے لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی سے ایک عجیب، بے حد عجیب منظر دیکھا۔

داخلی دروازے کے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک پچیس سال کا خوبرو نوجوان باہر نکلا اس نے پیچھے مڑ کر کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں آنکھیں موندے چلا جا رہا تھا۔ رخشندہ کا دل گویا سکڑ کر سمٹنے لگا۔ ایک خوف کی برقی لہر نے اس کے پورے وجود کو جھٹکے لگانے شروع کر دیے تھے اس کا عروسی لباس لمحہ بھر میں پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ پورے وجود پر گویا لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اس کے کمرے کی ایک کھڑکی لان کی طرف کھلتی تھی اور دوسری لاؤنج میں۔ وہ اس وقت لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی کا پردہ ہاتھ میں دبوچے کھڑی تھی اور اس کی نظروں نے پھر سے ایک عجیب اور انوکھا منظر دیکھا۔

وہ نوجوان آنکھیں موندے چلتا ہوا لان کی طرف جانے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ نیند کی حالت میں چل رہا ہے۔ اسی پل تک سی گیلری کے جالی دار دروازے کو کھول کر وہ حسین و جمیل عورت اندر داخل ہوئی۔ وہ عورت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس نوجوان تک پہنچ گئی تھی وہ عورت لالہ رخسار تھی۔ لالہ نے اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر جانے سے روک لیا تھا۔ اس نوجوان کی آنکھیں بند تھیں۔ اب وہ [illegible] ہوئے مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ لالہ اس کا ہاتھ پکڑے ایک اور کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ عورت ایک کیف آگیں، ایک سرور بھری خواب کی کیفیت میں ہے۔ اس کا چہرہ جوش و جذبات سے دہک رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ اپنے ساتھ ایک قیمتی خزانے کو لے کر جا رہی تھی اور وہ خوبرو نوجوان ایک معمول کی طرح اس عورت کے ساتھ آنکھیں موندے چل رہا تھا۔ لالہ پراسرار انداز میں مسکرا رہی تھی۔ وہ نوجوان بھلا کون تھا؟

"حیام واثق۔۔۔" اس کا دل گویا وحشت کے عالم میں چلا اٹھا۔ اور وہ بھاری عروسی لباس کی پرواہ کیے بغیر ٹھنڈے ٹھار فرش پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

اس گھر میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلی قیامت تھی۔ جو اس کے دل پر اچانک برپا ہوئی۔

اس گھر سے لے کر اس گھر تک اس نے عذاب ہی عذاب تو دیکھے تھے۔ خوابوں کا ذائقہ تو چکھا ہی نہیں تھا۔ مگر اس لمحے گویا ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ اس کا وجود اور اس کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ عزت، وقار، انا سب کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔ اس کے دل میں صف ماتم بچھی تھی۔ اس کا شوہر شب عروسی کا ایک ایک پل اور لمحہ کسی اور کی جھولی میں ڈال رہا تھا۔ ٹھنڈے فرش سے لپٹ کر تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے [illegible] آنکھیں خون بہا رہی تھیں۔

اور وہ درد کی آخری منزل کو [illegible] کے پہلے گھاؤ کو یاد کر رہی [illegible] بابل کے آنگن سے پیاری اماں [illegible]

☆

[illegible] رخشندہ کی جاگی ہوئی آنکھیں نجانے کس پل خود بخود بند [illegible] اماں کی بیماری سے لے کر وفات تک رخشندہ [illegible] پاؤں پہ تو چلتی رہی تھی اور جاگ جاگ کر تھکی تھکی [illegible] دکھوں نے تھمانے چھوٹ پڑے تھے۔

مہمانوں سے بھرا گھر آہستہ آہستہ خالی ہو گیا تھا۔ سب لوگ گھڑی دو گھڑی افسوس کے چار لفظ بول کر اپنے اپنے آشیانے کی طرف لوٹ گئے تھے۔ جانے والوں کو بالآخر لوٹنا ہی تھا۔

عجیب سی دھاڑ نما آواز پر اس کی بند آنکھیں ایک دم کھل گئیں۔ کچھ دیر تو اس کے حواس ہی قابو میں نہیں آئے تھے۔

پھر رخشندہ نے پھرتی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔ سامنے لائبہ کھڑی تھی۔ ناک چڑھائے۔

"کب سے دروازہ بجائے جا رہی ہوں۔ اتنی گہری نیند میں سوئی تھیں کیا۔" لائبہ نے [illegible] میں جتا کر کہا۔ رخشندہ [illegible] عمر میں اس سے [illegible] کی زحمت گوارا نہیں [illegible]

"بس آنکھ لگ گئی تھی۔" وہ شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

"ذرا کچن [illegible] صاحب تشریف لائے ہیں۔ ماما کہہ رہی ہیں۔ [illegible] کر لیجیے۔" لائبہ کا انداز تحکم [illegible] رک گئی۔

[illegible] لمبی سنہری رنگت اور نیلی آنکھوں والی لائبہ کی [illegible] دیکھنے والی تھی۔

"بھابھی سے مینیو کا بھی پوچھ آئیں؟" رخشندہ نے سلیپر پیروں میں اڑسے اور باہر نکل گئی۔

"وہ چکن کے علاوہ کچھ بھی بنا لو۔ دادو کے دسویں تک چکن ہی پکتا رہا ہے۔ اب تو مرغی کے نام سے بھی چڑ ہو گئی ہے۔ مٹن، چائنیز رائس، اٹالین سیلڈ اور کھیر چاندی کے ورق سے سجی۔" لائبہ نے پوروں پر گننا شروع کیا تو رخشندہ کھیر پر پریشان ہو گئی۔ باقی سب تو ٹھیک تھا مگر کھیر کے لیے تو ڈھائی، تین گھنٹے سے بھی زیادہ وقت چاہیے تھا۔ مینیو سن کر ہی اس پر تھکن سوار ہو گئی تھی۔

"کھیر کے بجائے ٹرائفل بنا لیتی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہائے کیوں؟ غنی کو ٹرائفل نہیں کھیر پسند ہے؟" اس کی توقع کے عین مطابق لائبہ چیخ پڑی۔

"وہ اماں کا افسوس کرنے آیا ہے یا پھر دعوت اڑانے۔" رخشندہ کو بھی ایک دم سے غصہ آ گیا۔ اب تین چار ڈشز کے ساتھ میٹھے میں سب سے وقت طلب کام یعنی کھیر [illegible] تھوڑی تھا۔ مگر آرڈر پاس کرنے والے ان باتوں کی طرف دھیان کہاں دیتے تھے۔

"افسوس [illegible] کی جگہ۔ اب کیا اس نے بھوکا مرنا ہے۔ ویسے بھی [illegible] سے آیا ہے۔ جہاز سے اتر کر سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔"

لائبہ ہمیشہ کی طرح برا مان گئی۔ رخشندہ نے بمشکل ضبط سے کام لے کر کچن کا رخ کیا تھا۔ بھابھی کے میکے والوں کی تعزیت اور افسوس کا حال تو وہ دیکھ ہی چکی تھی۔ سوائے کھانے پینے کے کوئی دوسرا کام انہیں آتا ہی کہاں تھا۔ دسویں تک ان لوگوں نے ادھر ہی ڈیرا لگائے رکھا تھا۔ سارا دن شربت، دودھ سوڈا اور بوتلیں ہی چلتی رہتی تھیں اور رخشندہ تن تنہا مہمانوں کی اس فوج کو بھگتاتے ہوئے تھک چکی تھی۔ اس نے شکر کیا تھا کہ گھر مہمانوں سے خالی ہوا ہے اور اب غنی صاحب کی آمد کا اعلان ہو چکا تھا۔

غنی کی میزبانی کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلا کا نخریلا اور موڈی تھا۔ ابھی اسے فرنچ آملیٹ چاہیے ہوتا اور کچھ دیر بعد وہ فرائی انڈے کی فرمائش کر دیتا۔ چائے کے بعد ملک شیک مانگ لیتا اور کبھی آئس کریم کھا کر اسے کافی کی طلب ہونے لگتی تھی۔

اس وقت بھی رخشندہ کلاک کی طرف دیکھنے کے بعد کام میں جت گئی تھی۔ باقی سب تو ہو گیا تھا۔ کوکر میں گوشت بھی گل گیا۔ چاول بھی تیاری کے قریب قریب پہنچ گئے تھے۔ سیلڈ بھی فریج میں رکھ دیا تھا۔ البتہ کھیر ابھی چولہے پر رکھی تھی۔

وقت تنگ تھا۔ دو بجے تک میز پر کھانا ہر صورت لگانا ہوتا تھا اور ابھی روٹی بھی نہیں بنائی تھی سو وہ کچھ سوچ کر آنچ دھیمی کیے آسیہ بھابھی کے پورشن میں چلی آئی تھی۔ کچھ سال پہلے برابر کے دو پلاٹ مزید خرید کر بھائیوں نے اپنے اپنے پورشن الگ کر لیے تھے۔ رخشندہ بڑی بھابھی کے ساتھ ہی رہتی تھی تاہم ضرورت کے وقت اسے چاروں طرف سے پکار لیا جاتا

تھا۔

ان کی ملازمہ۔ کشور کو تندور سے روٹی لانے کو کہا اور بھاگتی ہوئی اپنے پورشن میں آگئی۔ وہ کچن میں پہنچی تو لائبہ کو موجود دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کہاں گئی تھیں؟" لائبہ بھلا تفتیش کیے بغیر رہ سکتی تھی۔

"بھابھی کی طرف۔" وہ مختصر بتا کر کھیر میں کفگیر چلانے لگی۔ اللہ کا شکر تھا۔ کھیر لگنے سے بچ گئی تھی۔

"مٹن تو بہت اچھا بن گیا ہے۔" وہ علوتاً وہ تین بوٹیاں چکھ کر بیٹھی تھی۔ "ویسے یہ کھیر اتنی جلدی ٹھنڈی نہیں ہوگی۔ نکال کر فریزر میں رکھ دو۔ رات کو کھائیں گے۔"

"بتانے کا شکریہ۔" رخشندہ کلس کر بولی۔

"ویسے چاچی کی طرف کیا کرنے گئی تھیں؟"

"تم ایک کام کرو گی؟" رخشندہ اس کا سوال نظر انداز کرکے تحمل سے بولی۔

"میں نے ٹیبل پر برتن نہیں لگانے۔" وہ فوراً بدک کر پیچھے ہٹی۔

"نہیں۔ یہ میں خود کرلوں گی۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔

"تو پھر؟"

"تم ذرا دیر کو کچن سے باہر چلی جاؤ۔"

"جاتی ہوں۔" لائبہ کو غصہ آگیا۔ "ماما کہہ رہی ہیں کھانا جلدی سے لگا دیں۔ کب سے کچن میں گھسی ہیں اور ابھی تک میز خالی پڑی ہے۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ سجا کر باہر نکل گئی تھی۔ جبکہ رخشندہ کا میٹر گھوم کر رہ گیا۔

"کچن میں گھس کر آرام فرما رہی ہوں۔ اسی لیے ابھی تک میز خالی پڑی ہے۔" وہ سلگتے ہوئے شو کیس سے برتن نکال کر میز پر رکھ رہی تھی۔ اسی پل کشور بھی آگئی۔

"یہ لو باجی! پوری آٹھ روٹیاں ہیں۔"

"شکریہ کشور! تمہیں نیند سے جگا [illegible]" [illegible] آنکھوں میں واضح تشکر تھا۔

"کوئی بات نہیں باجی! شکریہ کیسا۔" رخشندہ میز پر کھانا لگا کر ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ غنی جو زور و شور سے کسی بحث میں الجھا ہوا تھا اسے اندر آتا دیکھ کر ایک دم چپ ہوگیا۔

"اس گھر میں مہمانوں سے ملنے کا کوئی رواج نہیں۔" اس کا خاموش رہنا صرف چند سیکنڈ پر محیط ہوتا تھا اور جب وہ بولنے لگتا تھا تو پھر اسے کوئی چپ کروانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"رخشندہ سو رہی تھی۔ اسے خبر نہیں ہوئی تھی کہ تم آئے ہو۔" نوشابہ نے مسکرا کر جھوٹ بولا تھا اور پھر مزید اسے بولنے کا موقع فراہم کیے بغیر جلدی سے اٹھ گئیں۔

"غنی! پہلے کھانا کھالو۔"

"آپ تو کہہ رہی تھیں، رخشندہ سو رہی ہے۔ پھر یہ کھانا کس جن نے فٹافٹ بنا دیا۔" وہ بھی تو غنی تھا۔ بال کی کھال اتارنے والا۔ رخشندہ سلاد کی پلیٹ اٹھائے کھانے والے کمرے میں داخل ہوئی تو غنی کی آواز سن کر پل بھر کے لیے اس کے قدم رک گئے تھے۔

"کیا لائبہ نے کوکنگ کی کلاسز لینا شروع کردی ہیں۔" "ایسے ناک تاک کردار کرتا [illegible] تو بولنے کی یا کچھ وضاحت دینے کی مہلت [illegible] تھی۔

"ایسی امید تو نہیں نظر آتی [illegible] مارنے کی عادت تھی۔ آخر [illegible] لاڈلا اکلوتا بھتیجا تھا۔

"اب لائبہ [illegible] بھی لینے لگی ہے۔ ابھی کل اس [illegible] خوان [illegible] گئے تھے۔"

نوشابہ [illegible] کی کوشش کی تھی۔

"[illegible] فرق نہیں پڑنے والا۔" وہ دائیں بائیں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "لائبہ اینڈ ایپل [illegible] بھی [illegible] بات ہے۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" رخشندہ کے سامنے نوشابہ جزبز ہو کر رہ گئی تھیں۔ "تم کھانا تو کھاؤ۔" وہ ابھی تک میز پر دونوں ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ سو

نوشابہ نے اسے کھانے کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"میں اتنا بھوکا نہیں ہوں کہ ابھی پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں۔ ابھی دو گھنٹے ہوئے ہیں جہاز سے اترے ہوئے۔ معدہ جو تک میرا اپنا ہے۔ سو میں اس پر ظلم نہیں کر سکتا۔"

وہ کچھ لگی لپٹی رکھنے کا قائل ہرگز نہیں تھا۔ ہربات فٹ سے منہ پر مار دیتا۔ چاہے اگلے بندے کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرتی۔ اسے جھوٹ اور منافقت سے نفرت تھی اور خوشامد سے سخت ترین چڑ۔

"اچھا یہ چاول تو لو۔ [illegible] سے ہیں۔" [illegible] لگاوٹ سے کہا۔

"مجھے ایپل جوس بنادو [illegible]" [illegible] والے نخرے شروع ہوگئے [illegible] شدید غصہ آگیا۔

"جاؤ لائبہ! [illegible] جوس نکال کرلے آؤ۔"

نوشابہ [illegible] طرف متوجہ لائبہ کو آنکھ سے اشارہ کیا [illegible] جھٹ سے اٹھ گئی۔ رخشندہ بھی [illegible] کے پیچھے کھسکنے لگی تھی جب غنی نے گردن [illegible] مخاطب کیا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟ کھانا تو کھالو۔ کیا پکا پکا کر ہی بھوک کا خاتمہ ہوگیا ہے؟" وہ غنی تھا یا کا بے تکلف بغیر جھجکے ہربات صاف صاف کہہ دینے والا۔ جہاں رخشندہ گھبرا کر پلٹی تھی۔ وہیں نوشابہ کچھ سنبھل کر بولیں۔

"رخشی! کھانا کھالو۔ پھر سو جانا۔ بے چاری تھک کر ٹوٹ چکی ہے۔ اماں کی وفات کا صدمہ ہی ایسا بھاری تھا۔" انہوں نے آواز میں حتی المقدور رقت بھری تھی مگر غنی پر کم ہی ان لفظوں کا اثر ہوتا تھا۔

"ظاہر ہے جس کی ماں تھیں۔ صدمہ بھی تو اسی کے لیے ہوگا۔" وہ تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈال کر چکھ رہا تھا مگر سارا دھیان اس کا رخشندہ کی طرف تھا۔

"رخشی! کھاؤ نا۔ بہت اچھا کھانا بناتی ہو۔ کبھی اپنے پکائے کھانوں کی لذت خود بھی محسوس کرلیا کرو۔"

"تم بھی تو کھالو۔ ابھی آدھے گھنٹے بعد تمہیں زوروں کی بھوک لگ جائے گی۔" نوشابہ بھی اس کی پھوپھی تھیں۔ بھتیجے کی رگ رگ سے واقف۔ وہ

جانتی تھیں۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اس نے بھوک بھوک چلانا شروع کردینا تھا۔

"میری والی [illegible] کس قدر میری مزاج آشنا [illegible] چکر چکر کرتی آنکھیں رخشندہ [illegible] پر مرکوز ہوئے تھیں۔

"[illegible] نہ لگاؤ۔" نوشابہ نے لاڈ سے کہا۔ سچ تو [illegible] اپنے اکلوتے بھائی کے اس اکلوتے بیٹے سے ان دونوں بہنوں کو بے تحاشا محبت تھی۔ ان کے سب سے بڑے بھائی عرصہ دراز سے آئرلینڈ میں مقیم تھے۔ غنی ان کا آرش بیوی میں سے اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کے بھائی اور بھابھی بہت عرصہ ہوا وفات پاگئے تھے۔ اب میکے کے نام پر صرف غنی ہی بچا تھا۔ سال میں دو مرتبہ پاکستان کا چکر لگاتا تھا۔ سو وہ دونوں بہنیں خوشی کے مارے بے حال ہوجاتی تھیں۔ نوشابہ کی خواہش تھی کہ غنی پاکستان میں شفٹ ہوجائے۔ مگر فی الحال اس کا پاکستان میں ہمیشہ کے لیے قیام کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اکثر وہ سیاحت کے لیے دوستوں کے ہمراہ پاکستان آتا تھا۔ مگر جب بھی آتا۔ اپنی پھپھیوں سے ضرور ملتا تھا۔

"پھوپھو! لگتا ہے، آپ کی بیٹی سیب توڑنے باغ میں چلی گئی ہے۔"

"زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں۔" اسی پل لائبہ اندر داخل ہوئی۔ ہاتھ میں جگ اور گلاس پکڑ رکھے تھے۔

"ہائیں۔ تم جوس لے آئیں؟ مگر بلینڈر چلنے کی آواز تو نہیں آئی۔" غنی کے دل میں جو بات ہو وہ بھلا کیسے دل کے اندر رہ سکتی تھی۔ یہی بات تو رخشندہ بھی سوچ رہی تھی۔

"میں نے مارکیٹ سے منگوایا ہے۔ فی الحال ریڈی میڈ ملا ہے۔ بغیر نخرا کیے پی لو۔" لائبہ نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ ریڈی میڈ جوس تم خود ہی پیو۔ مجھے تو فریش جوس چاہیے۔" وہ بھی تو غنی تھا۔ ہمیشہ کا نخریلا۔ کھانے پینے کے معاملے میں تو تنگ کر کے رکھ دیتا تھا۔

"تو تم بچو میں پی لیتی ہو نا۔" وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔ دونوں کے درمیان تکرار شروع ہو چکی تھی۔ اسی لیے بیچ میں نوشابہ کو بولنا پڑا۔

"فریج میں سیب تو رکھے ہوئے تھے۔ تم بھی ہاتھ ہلا لیا کرو۔" انہوں نے لائبہ کو ڈپٹ کر کہا۔

"رہنے دیں پھوپھو! لائبہ کی ننھی سی جان کو زحمت (مشکل) میں کیوں ڈالتی ہیں۔ اپنی رخشندہ ہے نا۔ مفت میں روٹیاں توڑتی ہے۔ کوئی کام ہی کر دیا کرے۔" اس کی چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں شرارت بھی لگی تھی۔ ادھر نوشابہ بھی اس کے لہجے میں شرارت کو سمجھے بغیر تائیدی انداز میں بولیں۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم، جاؤ رخشندہ! تازہ جوس نکال کر لاؤ۔"

"جی۔" وہ جو خود ہی یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی، اجازت ملتے ہی گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

لائبہ اور غنی باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ نوشابہ اپنی نیند کا کوٹہ پورا کرنے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ اس نے جوس نکال کر فل سائز مگ میں ڈال کر فریج میں رکھا تھا۔ اب وہ میز پر سے برتن اٹھا کر سنک میں رکھ رہی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ برتن دھو کر ہی کچن میں سے نکلے گی۔ پھر چھ بجے تک چائے کے برتن بھی اکٹھے ہو جانے تھے۔ سو وہ جلدی جلدی برتن دھو رہی تھی۔ جب اپنے بالکل پیچھے غنی کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

"لوگ خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔" وہ اچک کر کچن سلیب پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ رخشندہ نے بغیر مڑے ایک دفعہ پھر برتنوں کو صابن لگانا شروع کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب غنی اسے بولنے پر مجبور کرنے کے لیے الٹی سیدھی ہانکتا رہے گا۔

"کچن میں کیا لینے کے لیے آئے ہو؟" وہ تلملا کر بولی۔

"تمہیں دیکھنے۔" غنی نے برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

"اب دیکھ لیا ہے تو پھر جاؤ۔"

"دیکھا کہاں ہے۔ رخ [illegible] کر کے ہو۔ ذرا ورنہ شروع تو کرواؤ۔" لہجے میں مصنوعی التجا بھری گئی تھی۔

"غنی! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے پلیٹ غصے سے سنک میں پٹخی۔

"اب آئی ہو اپنے اصل رنگ میں۔" وہ گویا سرشار ہو گیا۔ "ویسے میں اتنی آسانی سے دفع نہیں ہونے والا۔"

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔ سچ بتاؤ، کتنے دن کا قیام ہے؟" وہ آنکھیں سکیڑے پوچھنے لگی۔

"دن نہیں، مہینے، پورے دو مہینے شرف میزبانی بخشوں گا۔" غنی کھلکھلایا۔

"ہمیشہ کی طرح بلائے جان بن کر آئے ہو؟" اس نے گویا دانت کچکچا ڈالے۔

"تم تو یہی کہو گی۔ کبھی ذرا میری پیاری پھوپھو اور پیاری لائبہ سے ذرا پوچھنا۔ وہ تو کہیں گی۔ میں ہمیشہ کے لیے یہیں رہ جاؤں۔" وہ دلار سے بولا۔

"پیاری لائبہ کا بھی تمہارے کاموں سے متھا جو نہیں لگا۔ ورنہ کان سے پکڑ کر تمہیں باہر نکال دے۔" رخشندہ نے ہاتھ دوپٹے سے خشک کیے اور فریج کھول کر جوس کا گلاس نکال کر غنی کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ یوں کہ تھوڑا سا جوس چھلک کر اس کے [illegible] بھی گر گیا۔

"ہر وقت مرچیں کیوں چبائے رکھتی ہو [illegible] حسرت ہے۔ تم دن میں صرف ایک [illegible] مسکرا دیا کرو۔" اس نے ایک ہی [illegible] جوس چڑھا لیا۔

"اگر تمہیں [illegible] سے گزرنا پڑتا تو پھر پوچھتے؟" رخشندہ [illegible] آنکھوں میں اتری نمی کو چھپا گئی [illegible] کا دکھ پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"[illegible] پھوپھو نے بتایا تھا۔ آنٹی کی ڈیتھ کے متعلق سو میں نے سوچا ایک چکر پاکستان کا لگا آؤں۔ مگر ادھر تو لوگوں کو فوراً روٹیاں گننے کی پڑ گئی ہے۔" وہ پھر بھی جتانے سے باز نہیں آیا تھا۔

"تم بھی صبر شکر کر کے کھا لیا کرو۔ نخرے مت دکھایا کرو۔" رخشندہ نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کر کے تلخی سے کہا۔

"تمہارا [illegible] بھی عجیب غریب پر ٹکا ہے۔" وہ بسورا۔

"پیاری لائبہ کا بھی کبھی دماغ چاٹ لیا کرو۔" وہ جھنجھلائی۔ "اب دو مہینے میرے سر پر سوار رہو گے۔"

"نہیں، بیچ کے دنوں میں اپنے یاروں کو بھی شرف میزبانی بخشوں گا۔ تم غم نہ کھاؤ۔" غنی اسے تسلی دے رہا تھا۔

"اب پھوٹو یہاں سے۔" اس کا [illegible] جواب دے گیا۔ "باتوں میں لگائے رکھتے ہو۔"

"اچھا ایک کپ چائے بنا دو [illegible]" [illegible] اضطراب کی بات پر آ گیا۔

"جس قسم کی چائے [illegible]۔ وہ میں نہیں بنا سکتی۔" اس نے ہاتھ [illegible] کہا۔

"جس [illegible] ہی بنا دو۔"

"میں تو جوشاندہ ہی پیتی ہوں۔" اس نے زچ ہو کر [illegible]

"مجھے بھی جوشاندہ بنا دو۔" وہ اطمینان سے پیر جھلا رہا تھا۔ رخشندہ نے پلٹ کر برنر آن کیا۔ چولہے پر پانی رکھا اور پھر ریک کیبنٹ سے پیکٹ نکال کر جوشاندہ گھولنے لگی۔ ایک کپ میں گرما گرم جوشاندہ ڈال کر سلیب پر اس کے قریب پٹخ کے بولی۔

"اب پی کر دکھاؤ۔"

"آدھا تم پیو گی آدھا میں۔ یہ تو پکڑو۔" وہ زبردستی رخشندہ کے ہاتھ میں کپ پکڑا رہا تھا۔ "پہلے تم پیو گی۔ تاکہ تمہارا جھوٹا پی کر میں امر ہو جاؤں۔"

"بکواس نہیں کرو۔ بنوایا کیوں ہے؟" رخشندہ اس کی ان ہی عادتوں سے خار کھاتی تھی۔ "اب آرام سے پی لو۔ ورنہ تمہارے اوپر گرا دوں گی۔" اس کا انداز صاف دھمکانے والا تھا۔

"پہلے تم پیو۔" وہ بھی اپنی ضد پر اڑ چکا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا اور اسی طرح سے دماغ چاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ یوں کہ بندہ اپنا ہی سر پھاڑنے پر مجبور ہو جاتا۔

رخشندہ کے ساتھ اس کی بے تکلفی بھی ہنوز تھی۔

بہت بچپن سے جب [illegible] زندہ تھے۔ تب سے ہی وہ ان کے گھر پر چھٹیاں گزار جاتا تھا۔ تین تین ماہ پھپھوں کے لاڈ اٹھوانے آ جاتا تھا۔ اور ایسے ہی لاڈ وہ زبردستی رخشندہ سے بھی اٹھوا لیتا تھا۔ اور وہ پھوپھو تو [illegible] بھابھی کے خیال سے غنی کے نخروں کو برداشت کر جاتی تھی۔

گرما گرم کپ اس کے منہ سے لگا چکا تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھ جکڑنے کے بعد وہ کچھ جوشاندہ اس کے حلق میں انڈیل کر اب اطمینان سے کپ منہ سے لگا کے پی رہا تھا۔ جبکہ وہ جلتے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے کفگیر اٹھا رہی تھی۔ اور چونکہ غنی الرٹ کھڑا تھا سو کپ سلیب پر پٹخ کر باہر کی طرف بھاگ گیا۔ جبکہ رخشندہ کفگیر اٹھائے اس کے پیچھے تھی۔

"اب آئی ہو نا اپنی اصلی حالت میں۔ مجھ سے تمہاری یہ سنجیدگی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔" وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک ماہر سائیکاٹرسٹ ہے۔

☼ ☼ ☼

بہت بچپن میں غنی، لائبہ اور وہ ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ لائبہ اس کے بغیر سانس بھی نہیں لیتی تھی۔ کھانا، پینا حتیٰ کہ سونا تک اکٹھے ہوتا تھا۔ اکثر لوگ ان دونوں کو جڑواں بہنیں سمجھتے تھے۔ لائبہ کچھ اس طرح سے رخشندہ کے ساتھ اٹیچ تھی۔ اور یہی حال غنی کا بھی تھا۔ وہ ہر چھٹیوں میں پاکستان آتا تھا اور اپنی پھوپھو کے گھر ساری چھٹیاں گزار جاتا تھا۔ اس کی لائبہ سے بھی زیادہ رخشندہ کے ساتھ بنتی تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس کے بے تحاشا ستانے، چڑانے پر لائبہ واک آؤٹ کر جایا کرتی تھی تاہم رخشندہ کا غنی کے ساتھ دوبدو مقابلہ ہوتا تھا۔ وہ ہرگز بھی ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اور غنی کو اس کی یہی عادت بہت اچھی لگتی تھی۔

بچپن میں ایک ساتھ لڑتے، جھگڑتے شرارتیں

کرتے وقت کے بچپن سے شعور کی منزل کے حوالے کیا گیا۔ رخشنہ خود بخود سنجیدگی کی چادر اوڑھ گئی تھی۔ لائبہ قلبی طور پر ہی نہیں، ذہنی اور روحانی طور پر بھی اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔ ایک تو اسے اپنے اکلوتے پن پر بھی بہت مان تھا۔ دوسرے وہ حسین بھی بہت تھی۔ سو اس کا رویہ رخشنہ سے بہت بدل گیا تھا اور کچھ رخشنہ کو اماں کی بیماری نے دنیا کی ہر رنگینی سے دور کر دیا تھا۔

کتابوں کے علاوہ اماں کی دیکھ بھال اور گھر کی ذمہ داریوں نے اسے خاصا خاموش طبع بنا دیا تھا۔ پھر بھائیوں کے روکھے رویوں نے اسے بہت حساس کر دیا تھا۔ ایسے میں غنی کی آمد ایک خوشگوار جھونکے کی مانند لگتی تھی۔ مگر یہ غنی بھی بلا کا کمینہ تھا۔ ابھی تک ستانے اور چڑانے سے باز نہیں آتا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ زرگون غنی کی آمد کے ساتھ ہی چاروں پورشنز میں ہر تھلی مچ جاتی تھی۔ وہ بیک وقت رخشنہ کے چاروں بھائیوں اور چاروں بھابھیوں کا چہیتا تھا اور گھر کے نونہال تو غنی کے دیوانے تھے۔ اور غنی کی آمد کے دن گن گن کر گزارتے تھے۔ کیونکہ غنی اپنے ساتھ لائے بھاری بھرکم بیگز اور سوٹ کیس میں ننھی پلٹون کی ضرورت کے متعلق ہر چیز لے کر آتا تھا۔

غنی کا قیام دو ماہ تک تھا۔ وہ اپنی حرکتوں سے رخشنہ کو عاجز کر کے رکھ دیتا تھا۔ جیسا کہ اس وقت صبح صبح محترم نے انڈوں کے حلوے اور قیمہ بھرے پراٹھوں کی فرمائش کر دی تھی۔ رخشنہ کو اس کی فرمائش پوری کرنا برا نہیں لگتا تھا مگر جو کچھ وہ ان فرمائشی لوازمات کا حال کرتا تھا اس پر رخشنہ کو حد درجہ تپ چڑھ جاتی تھی۔

"کیا ابھی تک پراٹھا نہیں بنا؟" وہ تیسری مرتبہ کچن میں جھانک کر بولا۔

"توبہ ہے غنی! تھوڑا صبر کرو ابھی بنا جاتا ہے۔" وہ احتیاط سے پیڑا بنا رہی تھی۔

"تمہیں گیارہ بجے تک بھوکا [illegible] پوچھتا تم سے۔" غنی مسلسل [illegible] رہا تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ؟" رخشنہ نے اچھالے توے پر روٹی ڈالی۔ دراصل قیمہ بھرے پراٹھے بنانے اسے ابھی تک نہیں آئے تھے۔ عموماً روٹی توے پر پہنچتے ہی پھٹ جاتی تھی۔

"پوچھو؟" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"تم اپنی دوسری پھپھو کے پورشن میں کب جاؤ گے؟"

"بڑے افسوس کا مقام ہے۔" وہ کچھ کر تاسف سے بولا۔ "مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟"

"مگر تم مہمان کہاں ہو۔"

"ہاں ہاں... میں تو بلائے جان ہوں۔ ابھی بتاتا ہوں پھپھو کو، لوگوں کو میرا قیام خاصا کھٹک رہا ہے۔" وہ سچ مچ اسٹول سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا یوں کہ رخشنہ فوراً گھبرا اٹھی۔

"غنی! انسان بنو، خبردار اگر بھابھی کو کچھ الٹا سیدھا بتایا۔"

"اب تو ضرور بتاؤں گا۔" اس کا انداز دھمکانے والا تھا۔

"جاؤ، جا کر بتاؤ۔ اپنا شوق پورا کر لو۔ پھر [illegible] کسی اور سے کروانا۔" رخشنہ بھی [illegible] میں بولی تھی اور یہ تو ان کا معمول تھا۔ [illegible] تکرار، بحث مباحثہ [illegible]

"[illegible]" اسٹول [illegible] کے بیٹھ گیا۔ [illegible] ضروری ہو گئی ہے۔ ورنہ [illegible] کی کوکنگ سے تو اللہ بچائے۔"

"[illegible] کرتی ہوں بھابھی کو۔ غنی ان کی برائیاں کر رہا ہے۔"

"تو بتا دو۔ میں سچ بولنے میں جھجکتا نہیں ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"اچھا، دماغ مت چاٹو میرا۔ یہ پراٹھا پکڑو اور نکلو یہاں سے۔" اس نے پلیٹ زبردستی غنی کے ہاتھ میں تھمائی۔

"مجھے بھی گرمی میں پکنے کا شوق نہیں۔ تمہیں کمپنی دینے کے خیال سے بیٹھ گیا تھا؟"

"شکریہ جناب کا۔" وہ عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"وعلیکم شکریہ۔ ابھی ڈیڑھ گھنٹے بعد پھر سے کچن کو رونق بخشیں گے تب تک کے لیے اللہ حافظ۔" وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا جبکہ رخشنہ نے ہنستے ہوئے جلدی جلدی کچن میں بکھرا پھیلاوا سمیٹنا شروع [illegible] بھابھی اور لائبہ تو ناشتہ کرنے کے بعد [illegible] تھیں۔ ادھر رخشنہ کو دوپہر کے کھانے کی [illegible] تھی اور جب وہ [illegible] تب بھابھی اور لائبہ بھی [illegible]

"تم ابھی تک [illegible]" بھابھی نے لاؤنج میں داخل ہوتے [illegible] کیا تھا۔ جب وہ گھر سے [illegible] کہیں نکلنے کو تیار تھا۔ مگر اس وقت [illegible] گھر میں دیکھ کر انہیں اچھا خاصا شاک [illegible] اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر اس نے گھر میں ہی رہنا تھا تو پھر لائبہ کو بازار نہیں جانا چاہیے تھا۔ مگر اس بے صبری شاپنگ کی شیدائی لائبہ کی ضدی طبیعت کا بھلا کیا کرتیں۔ وہ ہر جگہ جانے کے لیے فوراً تیار ہو جاتی تھی کہ گھر میں رہ کر رخشنہ کا ہاتھ نہ بٹانا پڑ جائے۔

غنی نے سنی ان سنی کر کے ہانک لگائی تھی۔

"رخشی! اسکواش کا جگ تو بنا لاؤ۔ پھپھو بے چاری گرمی میں ہلکان ہو کر آئی ہیں۔"

"خود اٹھ کر بنا لو۔ پھپھو کے ہمدرد کو تو دیکھو ہونہہ۔" وہ گویا سنی ان سنی کر کے اپنے کام میں لگی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خود چلا آیا۔

"چینی اور اسکواش کی بوتل کہاں رکھی ہے۔ ہم خود ہی اپنی پھپھو کی خدمت کر لیتے ہیں۔"

"یہ لو۔" اس نے لحاظ مروت ایک طرف رکھ کر ساری چیزیں میز پر سجا دیں۔ غنی نے فوراً اٹھ کر پورا جگ بھر کر بنایا تھا۔ ایک گلاس اسے بھی عنایت کیا گیا تھا۔ اس نے بھی جھجک ایک طرف رکھ کر پورا گلاس پی لیا۔ آج گرمی بھی بلا کی تھی۔ سورج گویا آگ برسا رہا تھا۔

"یہ لو [illegible]" غنی نے ایک اور گلاس بھر کر اس کی سمت بڑھایا [illegible]

[illegible] نے کفران نعمت کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ جب وہ گلاس رکھنے کے لیے پلٹ کر [illegible] آئی تو حیران ہی رہ گئی۔ پھپھو کے وارے تے جگ کو منہ لگا رکھا تھا۔ وہ سرے ہی پل جگ خالی ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"بھابھی کو کیا دو گے؟"

"وہ حافظ سوڈا واٹر سے یہ لمبے لمبے گلاس مینگو شیک کے پی کر آئی ہوں گی۔ اب اسکواش پی کر منہ کا ذائقہ خراب کرنا ہے کیا۔" وہ مزے سے بولا تھا۔ رخشنہ کو ہنسی آگئی۔ چالاکیاں ساری زرگون غنی پر ہی تو ختم تھیں۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی اور وہ گنگناتا ہوا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

بہت دن کی حبس اور گھٹن کے بعد گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ کل رات بے حد طوفانی بارش ہوئی تھی۔ درختوں کا سارا پھل ٹوٹ ٹوٹ کر گر گیا تھا۔

صحن کی صفائی رخشنہ کے ذمے تھی۔ حالانکہ صحن تو ان چاروں بھائیوں کا مشترکہ تھا۔ اس وقت بھی وہ لمبی سی جھاڑو پکڑے پھولوں اور پھلوں کے ڈھیر کو اکٹھا کر رہی تھی۔ پائپ بھی لگا رکھا تھا۔

صرف آدھے گھنٹے میں پورا صحن دھل دھلا کر چمک اٹھا تھا اور وہ بھی گویا تھک ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ وائپر، جھاڑو اور پائپ کو ٹھکانے لگا کر وہ ایک طائرانہ سی نگاہ صحن پر ڈالنے کے بعد اندر جانے ہی لگی تھی جب اوپری منزل کی ریلنگ سے ناعمہ بھابھی نے جھانک کر آواز لگائی۔

"رخشی! ذرا اوپر آنا۔"

"یا اللہ خیر۔" رخشنہ نے تھکی تھکی نظر سے ریلنگ کی طرف دیکھا تھا۔ بھابھی صاحب اوپر آنے کا

حکم سنا کر واپس جا چکی تھیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے پرانی سیڑھیوں کی طرف آ گئی تھی۔ وہ کول زینہ عبور کرکے ٹھنڈے ٹھار لاؤنج میں داخل ہو گئی۔ سامنے ہی بھابھی عروبہ کو کندھے سے لگا کے تھپک رہی تھیں۔

"کبھی اوپر کا چکر بھی لگا لیا کرو۔ یہ بھی تمہارے بھائی کا گھر ہے۔" ناعمہ اسے دیکھتے ساتھ ہی شکوے شکایات کے اوراق پلٹنے لگی تھیں۔

"بس بھابھی وقت ہی نہیں ملتا۔" وہ بھلا اس کے علاوہ کہتی بھی کیا۔

"بیٹھ جاؤ' کچھ دیر ہمارے پاس بھی۔"

"بھابھی! ابھی کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔" رخشندہ کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"لائبہ سے کہا کرو۔ اس طرح کے کام وہ کر لیا کرے۔ تم کچن بھی تو سنبھالتی ہو۔ بھابھی تو کب سے جان چھڑا چکی ہیں ہر کام سے۔" ناعمہ نے سرگوشی نما آواز میں کہا۔

"آپ کو کچھ کام تھا؟"

"وہ دراصل تمہارے بھائی کے کچھ کپڑے رکھے تھے۔ استری کر سکتی ہو تو کر دینا۔ عروبہ نے مجھے صبح سے اپنے ساتھ باندھے رکھا ہے۔ اب لائٹ آئی ہے مگر مجھے ابھی ہانڈی بھی چڑھانا ہے۔"

"کر دیتی ہوں۔" اس نے گہری طویل سانس کھینچ کر کہا۔ "ویسے کتنے سوٹ ہیں؟"

"صرف تین۔" وہ خوشی خوشی اٹھ کر کپڑے نکال لائیں۔ رخشندہ نے استری لگا کر ابھی کپڑے پریس کرنا شروع کیے ہی تھے جب بھابھی دو تین اپنے بھی سوٹ نکال لائیں۔

"رخشندہ! انہیں بھی بس ہلکا ہلکا پریس کر دو۔ زیادہ جما کر پریس کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے بھابھی!" وہ چپ چاپ سر جھکائے کپڑے استری کرتی رہی تھی۔ اسی دوران بھابھی کچن میں چلی گئیں۔ شاید کھانا بنانے گئی تھیں۔ کپڑے پریس ہو چکے تو وہ تھک [illegible]

بھابھی بھی کچن سے فارغ ہو چکی تھیں۔ اب ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آ رہی تھیں جب اسے جاتے دیکھا تو چونک اٹھیں۔

"کھانا تو کھا لو رخشی!" انہوں نے زور کی ہانک لگائی تھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ منع کر دے مگر پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئی۔

"کیا پکایا ہے؟"

"چکن اور چٹنی۔" وہ فریج سے ٹھنڈی بوتل پانی کی بھی نکال لائیں۔ رخشندہ نے سر ہلا کر کھانا شروع کر دیا تھا۔ ایک بات تو ٹھیک تھی کہ ناعمہ بھابھی کے ہاتھ میں ذائقہ کمال کا تھا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ ٹھنڈی ٹھار پرائیٹ پی اور اللہ کا شکر ادا کرتی نیچے چلی آئی۔

جوں ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو گویا بھونچال آ گیا۔ بلکہ بھونچال تو پہلے سے ہی آیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے، رخشندہ اتنی دیر سے غائب تھی اور بھابھی کو آج کچن میں جھانکنا پڑ گیا تھا۔ انہیں تو مسالہ جات ملنا بھی جان جوکھوں کا کام لگ رہا تھا۔ پورے گھنٹے میں تو دال چاول کے کنکر چنے گئے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل کچن میں کھڑے ہونا پڑا تھا۔ بھابھی کا مزاج برہم تھا [illegible] صاحبزادی کے تیور بھی خاصے خطرناک لگ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا محترمہ [illegible] کچن میں موجود رہی ہیں۔ یقیناً" بھابھی [illegible] کچھ کام وغیرہ کروایا تھا۔

"اوپر والوں کی خدمت [illegible] تشریف لے آئی ہیں۔" لائبہ [illegible] اسے دیکھ کر فوراً اٹھ بیٹھی۔

"ہم [illegible] کے لیے ہی تشریف لائے ہیں۔ آپ [illegible]" رخشندہ نے بھی ادھار رکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ویسے بھی شکم سیر تھا۔ طبیعت بحال [illegible] سو جوابی گولہ باری کے لیے وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔

"چاچی نے کیا کچھ خاطر داری کی ہے؟" لائبہ کا انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

"تم خود ہی پوچھ آؤ۔"

"آپ ہی بتا دیں۔ ورنہ ہم بھی تو جائیں اوپر کون سی دعوت شیراز تیار ہوتی ہے۔ کچھ دیر پہلے۔" لائبہ نے طنزیہ مسکان لبوں پر سجائے سجائے کہا۔

"دعوت شیراز کا آپ کے نزدیک نجانے کیا مفہوم ہے۔ ہم تو پیار بھرے اصرار اور عزت کی روٹی کو پرتکلف ڈنر سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔" رخشندہ نے اس کے طنز کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

"ہائے' اس انکساری پر کون نہ مر جائے؟ [illegible] نے ہی تو لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔" [illegible] نے بھرے طنز انداز اپنایا۔

"ہم نے تو آج تک [illegible] گرویدہ [illegible] نہیں دیکھا۔ بھلا اس سے بڑا مذاق [illegible]" رخشندہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔ اسی پل غنی [illegible] کمرے سے نکل آیا تھا۔

"وہ [illegible] بات پر بحث و مباحثے میں مصروف [illegible]"

"[illegible] گرویدہ تو سامنے ہی ہیں۔" لائبہ نے مذاق [illegible]

"کون کس کا گرویدہ ہے؟" غنی نے پوچھا۔

"تم گرویدہ ہو رخشندہ کے۔" لائبہ اطمینان سے بولی۔

"کیا بکواس ہے یہ۔" رخشندہ نے دانت پیس کر لائبہ کو گھورا تھا۔ جو مسلسل مسکراتے ہوئے پیر جھلا رہی تھی۔

غنی کی کوئی فون کال آ گئی تھی اور وہ اٹھ کر فون سننے چلا گیا تھا۔ غنی کے اٹھتے ہی اس نے منہ پھٹ سی لائبہ کو بری طرح سے گھورنا شروع کیا۔

"کون سی بکواس؟"

لائبہ کا موڈ بے انتہا خوشگوار ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلی بھنی بیٹھی تھی مگر اس وقت گویا مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔ اور وہ چپکے چپکے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون پر بھی انگلیاں چلا رہی تھی۔ یعنی خوشگوار موڈ کا اور ہونٹوں کی شگفتہ مسکان کا تعلق موبائل فون سے تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب لائبہ کچھ نہیں کہے گی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

لائبہ [illegible] ہر وقت موبائل فون کے ساتھ ہی [illegible] ہر وقت انہیں سیل کی اسکرین کے ساتھ [illegible] تھی۔ یہاں تک کہ اسے غنی کے ساتھ [illegible] جھگڑنا بھی بھول گیا تھا۔ غنی ویسے بھی ان دنوں اپنے کسی دوست کی شادی میں شرکت کرنے کی غرض سے مظفر گڑھ گیا ہوا تھا۔ سو فی الحال رخشندہ بھی فری تھی۔ ورنہ تو سارا دن کچن کی نذر ہو جاتا تھا۔

ان دنوں اسے ایک پرائیویٹ اسکول سے جاب کی آفر بھی آئی ہوئی تھی۔ اور یہ مسئلہ عقیل بھیا کی عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ حسب معمول بھیا نے اس کیس پر غور کیے بغیر جھٹ سے انکار کر دیا تھا اور رخشندہ ہمیشہ کی طرح دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ بھابھی نے بھی دبے دبے لفظوں میں اس کی جاب کے بارے میں حمایت کرنا چاہی تھی مگر وہ بھیا ہی کیا جو مان جاتے۔

گھر کے کام کاج نجانے کیوں مختصر ہوتے چلے گئے تھے۔ شاید اس لیے بھی کہ لائبہ بھی اب کوئی فرمائش نہیں کرتی تھی۔ اسے کھانے پینے کا بھلا ہوش ہی کہاں رہتا تھا۔ ہر وقت تو انگلیاں موبائل کے بٹن پر چلتی رہتی تھیں۔ بھابھی زیادہ تر بیرونی دوروں پر نکلی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ پھر سے ان کے سر پر رخشندہ کی شادی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ نوراں آپا کے ساتھ نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر آتی تھیں۔

پھر ایک دن نوراں آپا مٹھی بھر چینی نجانے کس بابے سے دم کروا کر لے آئی تھیں۔ بھابھی نے خوشی خوشی چینی کے ننھے سے شاپر کو مٹھی میں دبوچا۔

"یہ غنی کے لیے ہے نا۔" وہ دبی آواز میں نوراں آپا سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں' رخشی کے لیے۔ جلد از جلد اس کی کہیں بات بن جائے۔ تمہارے سر کی بلا ٹل جائے۔ چائے

میں گھول کر پلا دیتا۔"
"اور غنی کے لیے نہیں لائیں؟" نوشابہ نے بے قراری سے پوچھا۔
"لائی ہوں۔ یہ نمک ہے۔ سالن پر چھڑک دینا۔ ان شاء اللہ اس کا دھیان لائبہ میں ہی اٹکا رہے گا۔"
نوراں آپا نے ایک اور پڑیا بھابھی کی طرف بڑھا دی تھی۔ رخشندہ جالی دار دروازے سے سارا منظر دیکھ چکی تھی۔ اس کا دل گویا دھک سے رہ گیا تھا۔ بھلا بھابھی کن چکروں میں پڑ رہی تھیں۔ یہ جادو ٹونے، عمل۔ بھلا ان چیزوں سے کیا ہو سکتا تھا جب تک اللہ کی طرف سے راستے کشادہ اور دل نرم نہ ہو جاتے۔ اس چینی کو رخشندہ کے لیے منگوا کر وہ اس کے لیے اچھے رشتے کی امید باندھ رہی تھیں اور غنی کے دل کو لائبہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں نجانے کیوں بھٹکنے لگی تھیں۔
اگر لائبہ کے نصیب میں غنی کا ساتھ لکھا جا چکا تھا تو پھر اس نصیب کے لکھے کو بھلا کوئی مٹا سکتا تھا۔ یا رد بدل کر سکتا تھا۔
رخشندہ کا ذہن بری طرح سے الجھ کر رہ گیا تھا۔
نوراں آپا آج پھر آئی ہوئی تھیں اور کچھ ہی دیر بعد بھابھی بھی ان کے ساتھ کہیں چلی گئیں۔ رخشندہ کو قوی امید تھی کہ پھر کسی بابے کے آستانے پر گئی ہوں گی۔ دراصل بھابھی کا پہلے بھی ان بابوں پر خاصا اعتقاد رہا تھا۔ لائبہ کی دفعہ بھی وہ نجانے کہاں کہاں سے تعویذ لیتی رہی تھیں۔ تاہم یہ کام بھیا سے چوری چھپے کیے جاتے تھے۔ بھابھی کے چلے جانے کے بعد وہ لائبہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔ لائبہ حسب معمول فون پر مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے مزید دس منٹ بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔
"آیئے جناب!" لائبہ کا موڈ بے حد شگفتہ تھا۔ اس نے جلنا کڑھنا ترک کر دیا تھا۔ آج کل تو وہ خوب چہک بھی رہی تھی۔
"کس سے بات کر رہی تھیں؟"
"غنی سے۔"
"کب آئے گا؟"
"تمہیں بھی انتظار ہو رہا ہے؟" لائبہ شرارت سے چہکی۔
"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ ابھی دو چار دن نہ ہی آئے تو بہتر ہے۔ میری تو ریپیٹ کروا کر رکھ دیتا ہے۔"
ان دنوں تو لائبہ نے سفارتی تعلقات بھی اس کے ساتھ بحال کر لیے تھے۔ کافی بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ ورنہ تو پچھلے چند سالوں سے وہ ضرورت کے تحت اس سے بات کرتی تھی۔ اپنی ہی دنیا میں مصروف رہتی۔
"یہ بھی ٹھیک کہا۔" لائبہ بغیر برا مانے کھلکھلائی۔
اس کی بات بے بات کی کھلکھلاہٹوں نے رخشندہ کو چونکا تو دیا تھا اور وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کے خوشگوار موڈ کی ہر کڑی غنی کی طرف سے کسی "اقرار" سے جا ملتی تھی۔ اور یہ بات بھی چند دن بعد کھل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن صبح صبح لائبہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شاید بہت سالوں بعد لائبہ نے اس کے کمرے میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ ورنہ تو دروازے میں ہی کھڑے کھڑے سوال جواب کرنے لگتی تھی۔ وہ اپنا [illegible] سمیٹ رہی تھی جب لائبہ وہب وہب کرتی [illegible]
"خیریت۔۔۔" وہ تعجب کر رہی [illegible]
"مجھے ثانیہ کے گھر جانا ہے۔ [illegible] چلیں گی؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ [illegible] التجا کر رہی تھی۔
"مگر کیوں؟ [illegible] ثانیہ کے گھر نہیں لے کر [illegible] تھا۔
"[illegible] بات ہے۔" وہ مسکرائی۔
"[illegible] پوچھا ہے؟"
"[illegible] ہے۔" وہ مطمئن تھی۔
"ٹھیک ہے۔" رخشندہ نے سر ہلا دیا۔
سر حفیظ کے پرائیویٹ اسکول کے سامنے پارک بنا ہوا تھا۔ یہ اسکول ان کے گھر سے کچھ ہی دور تھا۔ وہ

ثانیہ کے گھر کے بجائے اسی پارک میں چلی آئی تھیں۔ وہ راستہ بھر لائبہ سے پوچھتی رہی۔
"یہاں کیوں آئی ہو؟"
"صبر تو کرو۔" وہ موبائل پر مصروف تھی۔ کچھ دیر بعد اس سے مخاطب ہوئی۔
"وہ آ رہا ہے۔"
"بھلا کون؟" خوف کے مارے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جبکہ لائبہ کو کوئی پروا نہیں تھی۔
"طلاب۔" اس کے گالوں پر گلاب کھل اٹھے تھے۔
[illegible]
"ہائے یہ کون ہے؟" وہ چیخ [illegible]
"ثانیہ کا کزن ہے۔ [illegible] کیسا ہے۔" لائبہ کی آنکھوں میں بھی [illegible] رہی تھی۔
"اچھا تو [illegible] ہے۔" وہ گویا سب سمجھ گئی تھی۔ [illegible] کیا ہو گا۔" کچھ دیر بعد وہ [illegible] تو بول اٹھی۔
"[illegible] غنی۔" اسے بے انتہا دکھ ہو رہا [illegible] بھابھی کے غنی اور لائبہ کے حوالے سے [illegible] سپنے بھی ٹوٹنے کے قریب تھے۔
"بے چارا ابھی یتیم ہی ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "غنی کی مجھے فکر نہیں۔ اس کے لیے تم جو ہو۔"
"کیا مطلب؟" وہ خاک بھی نہیں سمجھی تھی۔ اسی پل طلاب بھی آ گیا تھا۔ اور گفتگو کا موضوع خود بخود بدل گیا۔ طلاب ان ہی کا ہم عمر تھا۔ مگر بلا کا معصوم اور شرمیلا۔ سچی بات تو یہ تھی۔ رخشندہ کو یہ سلجھا ہوا تمیزدار شریف لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ بہت اچھی جاب سے بھی منسلک تھا۔ اپنا ذاتی گھر اور تنہائی کے علاوہ اس کا پاس کچھ نہیں تھا اور جو سب سے اہم بات تھی۔ وہ طلاب کی لائبہ کے لیے محبت تھی۔ وہ سچ مچ طلاب تھا یعنی لائبہ کی خواہش کرنے والا۔ امنگ اور آرزو کرنے والا۔
"تم اپنے کسی بڑے کو ہمارے گھر بھیجو۔"
"ثانیہ کی امی آئیں گی۔ وہ میری امی کی کزن ہیں۔ میں انہیں اپنی ماں کی طرح ہی سمجھتا ہوں۔"
اس نے نظر جھکا کے جھکا کے جواب دیا تھا۔ وہ صرف دس منٹ کے لیے آیا تھا اور پھر چلا بھی گیا۔ مگر یہ دس منٹ ان [illegible] قیامت بن کر ٹوٹے تھے جب ان [illegible] بھیا پہنچ گئے۔ رخشندہ کے تو [illegible] تھا انہوں نے اگرچہ طلاب کا چہرہ [illegible] مگر ایک نوجوان مرد کو پلٹتے ہوئے ان کے [illegible] وہ دیکھ چکے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے گھر سے دور ایک سنسان پارک میں موجود تھیں۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ بھیا اپنے کسی دوست کی عیادت کرنے یہاں آئے ہوئے تھے اور انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔
"بابا!" بھیا کے خونخوار تیور دیکھ کر لائبہ کی روح بھی فنا ہو گئی تھی۔ بھیا نے دو تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔
"کیوں آئی ہو یہاں؟" وہ پھنکار کر بولے۔
"بھیا! میں اسے لائی تھی۔" رخشندہ کے منہ سے اچانک نکلا۔ بالکل "غیر ارادتاً"۔ وہ بولنا کچھ اور چاہتی تھی اور منہ سے کچھ اور نکل گیا تھا اور جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے بالکل اسی طرح اس کے منہ سے یہ چند الفاظ نکل گئے تھے۔ یکایک بھیا کی آنکھوں نے پھر سے رنگ بدل لیا تھا اور رخشندہ کی زبان بھی گویا ایک معمول کی طرح خود بخود چلنے لگی۔ اگر اسے خبر ہوتی کہ لائبہ اسے طلاب سے ملوائے گی تو وہ بہت طریقوں سے اسے سمجھا دیتی۔
"بھیا! یہ سر حفیظ کے اسکول میں جاب کرتا ہے۔ وہی اسکول جہاں میں نے اپنی سی وی بھجوائی تھی۔ میری سی وی گرو کیمپس کے مین آفس میں تھی جبکہ ہم لوگ غلطی سے ادھر آ گئے ہیں۔ میں اس سے اسی بارے میں پوچھ رہی تھی۔" اس کی زبان نے سلیقے سے ایک جواز تراش لیا تھا۔ وہ لائبہ کے لیے ڈھال بن گئی تھی اور یہ سب "غیر ارادتاً" ہوا تھا۔ ادھر لائبہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھے جا رہی تھی۔
بھیا کے تاثرات نارمل ہو گئے تھے۔ یعنی انہیں اس کے بیان پر یقین آ گیا تھا۔ وہ قیامت کے تل

جانے بھی شکر ادا کر رہی تھی اور ساتھ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ لائبہ کو سمجھانے کی کوشش کرے گی۔

اپنے بزرگوں کی عزت کا کانچ پارکوں اور بازاروں میں نہیں رولتے۔

محبت کرنا غلط نہیں ہوتا۔ اس کے حصول کے لیے غلط راہوں کا انتخاب غلط ہوتا ہے اور وہ سوچ رہی تھی کہ طلاب سے کہے گی۔ سیدھے اور صاف طریقے سے اپنا پرپوزل بھجوائے۔ مگر اس سے بھی پہلے ایک اور واقعہ رونما ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

یہ غنی کے واپس چلے جانے کے بعد کی بات ہے۔ اسے وہ واقعہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ حادثہ تھا۔

وہ اور لائبہ گھر آچکی تھیں۔ بھیا نے مزید کوئی باز پرس بھی نہیں کی تھی۔ یعنی انہیں رخشندہ کی ہر بات کا یقین تھا۔ جہاں اسے اپنے بھائی کے اعتماد اور یقین پر بے تحاشا خوشی ہوئی تھی۔ وہیں اس کے مان اور اعتبار کی دھجیاں بکھر گئی تھیں اور رشتوں سے اس کا ایمان ہی اٹھ گیا تھا۔

اس رات وہ معمول کے مطابق نماز عشاء پڑھ کر لیٹی ہی تھی، جب چپکے سے دروازہ کھول کر لائبہ چلی آئی۔ اسے خبر تو تب ہوئی تھی۔ جب اس نے لائبہ کے بری طرح سے سسکنے کی آواز سنی تھی۔ وہ ایک دم بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور ہاتھ بڑھا کر اس نے سوئچ بورڈ کے بٹن اوپر، نیچے کیے تھے۔ کمرے میں روشنی ہوئی تو لائبہ کا اداس، ویران اور بھیگا چہرہ اس کی نظروں میں آگیا تھا۔ اس کا دل گویا کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا۔

"لائبہ! کیا ہوا ہے؟ بھیا نے کچھ کہہ دیا؟" اس کا دل بری طرح سے خوف کے حصار میں جکڑا گیا تھا۔

"بتاؤ تو سہی۔" لائبہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اس کے آنسو رخشندہ کو حواس باختہ کر گئے۔

"لائبہ! کیا ہوا ہے۔ کیوں رو رہی ہو [illegible]

بتاؤ۔" اس کے آنسو ابھی روانی سے گرتے جا رہے تھے۔ رخشندہ نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"لائبہ! یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ چیخی تھی۔ مگر لائبہ ہنوز سر جھکائے رونے کے شغل میں مصروف رہی۔

"کچھ بتاؤ گی یا پھر بھابھی سے پوچھوں؟"

"کیا پوچھیں گی ان سے؟" وہ روتے ہوئے گویا پھٹ پڑی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے نرمی سے لائبہ کے آنسو صاف کرنا چاہے تھے۔ کس شدت سے وہ روئے جا رہی تھی اور یہ بھابھی نجانے کہاں تھیں۔ بھلا آج تک لائبہ کی آنکھ میں ایسے آنسو اترے تھے؟ اسے تو کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ کبھی کسی نے جھڑکا تک نہیں تھا۔

"یہ ندامت کے آنسو ہیں رخشی!" وہ پھر سے زارو قطار رونے لگی تھی۔

"اچھا ہوا۔۔۔ تمہیں بھی احساس ہو گیا۔ دیکھو، آج تو بھیا کو ٹال دیا ہے مگر آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ تم طلاب کو منع۔" ابھی وہ کچھ اور بھی بولنا چاہ رہی تھی جب لائبہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بتاتی ہوں۔ کیوں رو رہی ہوں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کچھ بتاؤ گی تو خبر ہو گی نا۔"

"وعدہ کرو پہلے مجھ سے وعدہ کرو [illegible] معاف کر دو گی۔" وہ رخشندہ کے دونوں ہاتھ [illegible]

"آخر ہوا کیا [illegible] ہو گئی تھی۔ دراصل اس کی [illegible] اسے کچھ انہونا، کچھ غیر معمولی [illegible] دلا رہا تھا۔

"[illegible] نے جان بوجھ کر تمہیں طلاب سے ملوایا [illegible] تھی۔ اور پاپا کو بھی جان بوجھ کر ماما نے ادھر بھیجا تھا۔ میں بہت بری ہوں رخشی! میں نے طلاب کی محبت کو بھی استعمال کرنا چاہا تھا اور تمہیں بھی۔ سب کی نہیں صرف غنی کی نظر میں گرانے کے لیے یہ سب کیا۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ماما نے مجھے

مجبور کر دیا تھا۔ ماما جانتی ہیں کہ میں طلاب میں انٹرسٹڈ ہوں۔ مگر ماما کا خیال ہے کہ طلاب غنی کی طرح اسٹیبلشڈ نہیں ہے۔ وہ چاہتی تھیں کہ میری شادی غنی سے ہو۔ حالانکہ طلاب مجھ سے بہت مخلص ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے مگر میں نجانے کیوں ماما کی باتوں میں آگئی تھی۔

دراصل بات یہ ہے غنی نے جانے سے پہلے اپنا پرپوزل تمہارے لیے پاپا کے سامنے پیش کیا تھا۔ تب سے ہی ماما کو بہت غصہ تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تمہاری شادی غنی سے ہو۔

اور جب پاپا کے سامنے تم [illegible] لے لی تو مجھے اپنی گھٹیا حرکت [illegible] سوچ [illegible] گھن آنے لگی۔ [illegible] کہ تم میری ڈھال [illegible] حالانکہ تمام پلاننگ کرنے کے بعد جو [illegible] خوف کے مارے رونے لگی [illegible] ہوئے اور میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ [illegible] کیا کہتے۔ ماما کی سمجھائی گئی ساری بات نہ جانے کیسے اور کس طرح میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس خود غرضی، تنگ دلی اور گھٹیا پن، کمینگی کے لیے مجھے معاف کر دیں۔

طلاب بے چارے کو تو کچھ خبر نہیں۔ وہ میرے کہنے پر تم سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ میں نے اسے اپنی پھوپھو سے ملوانا ہے۔ ماما نے مجھے سختی سے منع کیا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں مگر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں زیادہ دیر سچائی کو تم سے چھپا نہیں پائی۔"

وہ سسکتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی جبکہ رخشندہ کا وجود گویا ساکت ہو گیا تھا۔ اسے بھابھی سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی۔ اپنی بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لیے وہ اس کی ذات کو اس بری طرح سے استعمال کریں گی۔ یہ تو رخشندہ نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ نجانے خود غرضی کی کتنی شکلیں تھیں، کتنی صورتیں تھیں، کتنے چہرے تھے۔ ہر دفعہ چہرہ بدل کر خود غرضی اپنی بھیانک صورت دکھاتی تھی۔ اس کا دل دکھ کے احساس تلے دب کر رہ گیا تھا مگر یہ خود غرضی ان لبوں سے یہ دو حرف شکوہ نہیں نکلا۔ وہ بھابھی [illegible] سے کیا کہتی۔ جو پہلے ہی اپنے کیے پر [illegible] اور پشیمان تھی۔

دکھ اور صدمات [illegible] بے شمار گھاؤ لیے وہ بھابھی کی طرف [illegible] ملنے والے اس زخم کو بھی دل کے نہاں خانوں میں چھپا گئی تھی۔ اگر یہ بات بھابھی اور لائبہ کے درمیان ہی تھی تو پھر بھلا وہ کیوں دوسری بھابھیوں کو بتا کر اپنی تشہیر کرواتی۔

فی الحال بھابھی خاموش تھیں اور یہ خاموشی صرف ایک ہفتے تک محدود رہی تھی۔ نوران آپا اس کے لیے حیام واثق کا پرپوزل لائی تھیں۔ جو تو شاید بھابھی کے دل کو لگ گیا تھا۔ انہوں نے خاندان، برادری بھی نہیں دیکھی تھی اور اس کا رشتہ طے کر دیا۔ دراصل وہ غنی کے آنے سے پہلے پہلے رخشندہ کو ٹھکانے لگانا چاہتی تھیں۔ سو انہوں نے جھٹ پٹ اسے رخصت کر دیا تھا اور غنی کو مطمئن کرنے کے لیے انہوں نے بہت سے جواز بھی ڈھونڈ لیے تھے۔

✡ ✡ ✡

شہری حدود کے اختتام اور گاؤں کی شروعات پر یہ قدیم طرز پر بنا حویلی نما بنگلہ دور سے ہی پراسرار دکھتا تھا۔ آبادی سے بہت دور خاندانی زمینوں پر اس کی تعمیر آج سے کم از کم اسی، پچاسی سال یا اس سے بھی پہلے کی گئی تھی۔ اس بنگلے تک آنے والی سڑک گھنے درختوں کے جھنڈ میں تقریباً چھپی ہوئی تھی۔ دور سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ درختوں کے اس جنگل کے درمیان۔۔۔ کوئی راستہ بھی موجود ہے۔

گاؤں کی طرف جانے والا راستہ اور تھا مگر عموماً راہگیر اسی راستے کو استعمال کرتے تھے۔ اس طرف تو اکا دکا لوگوں کا آنا جانا تھا۔

اس بنگلے کے قریب سے تو ہم پرست افراد تو گزرتے بھی نہیں تھے۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ اس عمارت پر بھوتوں کا سایہ ہے۔

اور بہت دن گزر جانے کے بعد تو رخشندہ کو گویا ان



تو ہم پرست لوگوں کی باتوں کا یقین ہونے لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا۔ اس گھر کے تینوں مکین انسانی شکل میں بھوت ہی تھے۔

اس گھر میں آمد کی پہلی رات کے بعد ایسے ایسے واقعات پیش آنے لگے تھے کہ رخشندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ جاتی تھی اور وجود اس طرح سے پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا گویا کسی نے اس پر جگ بھر کے پانی کا چھینٹا دیا ہو۔

پہلی رات کی وہ طلوع ہونے والی سحر بھی عجیب ترین تھی۔ اپنی پچھلی زندگی کو سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ صرف دس منٹ کی اس نے نیند لی ہوگی جب اپنے بازوؤں اور چہرے پر اس نے انسانی انگلیوں کا لمس محسوس کیا تھا اور اس کی آنکھ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گئی تھی۔ فطری طور پر اچانک ایک خوف نے اس کے دل پر پنجہ مارا تھا۔ مگر اپنے اوپر جھکی اسی عورت کو دیکھ کر وہ سنبھلتے ہوئے اٹھ گئی۔ مگر اس عورت کے حسن نے گویا اس کے ذہن کو منجمد کر دیا تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنے قریب سے کسی خوب صورت اور دل میں اتر جانے والے چہرے کو نہیں دیکھا تھا مگر اس عورت کے دلکش نقوش نے گویا اس کے دل پر ہیبت طاری کر دی تھی۔

ہوتا ہے نا، کسی بھی بہت بدصورت اور کریہہ چہرہ یا چہرے کو دیکھ کر ایک دم دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے رخشندہ کا دل بھی اس حسین صورت کی پراسرار مسکراہٹ اور چہرے کو دیکھ کر دہشت زدہ سا رہ گیا تھا۔ پہلے دن ہی اس عورت کے رعب حسن نے رخشندہ کی زبان کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر اس عورت کی سحر طراز آنکھوں میں چمکتے پانیوں کی اداسی نے اس کے لفظ چھین لیے تھے۔

"بہت ہلکی نیند ہے تمہاری۔ [illegible] ٹوٹ گئی۔" بہت دیر بعد اس [illegible] تو صرف اتنا کہا تھا۔

ویسے پھر سے کمرے کی فضا پر بوجھل خاموشی چھائی رہی تھی۔ اس دوران اس عورت کی خود پر جمی نگاہیں وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔ مگر دوبارہ سے نگاہ اٹھا کر دیکھنا رخشندہ کے لیے محال تھا۔

"رات کو سو گئی تھیں کیا؟ دودھ بھی نہیں پیا۔ اگر دودھ پی لیتیں تو میٹھی بہت میٹھی اور پرسکون نیند نے تمہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ میں نے یہ دودھ اسی لیے تو بھجوایا تھا۔" وہ شاید پھر سے مسکرائی تھی۔ نرم نرم سی مسکراہٹ۔ سرخ رسیلے چیری جیسے ہونٹوں پر اپنا لمس چھوڑ گئی تھی۔

"تم نے تو یہ دودھ پیا ہی نہیں۔ پھر نیند کہاں سے آئی تھی۔ جاگتی رہی ہو نا؟" اب وہ اس کی سرخ آنکھوں میں جھانک کر وثوق سے کہہ رہی تھی۔

"تمہاری مرضی۔۔۔ نہ پیو مگر ایک دن تمہیں یہ دودھ پینا ہی پڑے گا۔ بھلا کب تک جاگو گی؟ ایک نہ ایک دن خود ہی نیند کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے اس دودھ تک آ جاؤ گی۔" اس نے سفید دودھ جیسی انگلیوں سے گلاس کے پیندے کو چھوا۔

"اس میں سرور ہے سرور۔" وہ آنکھ بھر کے [illegible] سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اور اس کی نظروں کی [illegible] رخشندہ کو پھر سے الجھن میں مبتلا کر گئی تھی۔

"یہ پی لو۔۔۔ دودھ نہیں [illegible]" وہ گویا اصرار کر رہی تھی۔ "شاباش [illegible]"

"مجھے نہیں پینا [illegible]" [illegible] "سچ تو یہ ہے۔ دودھ کی اس [illegible] گئی تھی۔"

"دیکھا کہا [illegible]" وہ گلاس پکڑے پکڑے چونک [illegible] اس کے لبوں پر پھر سے مسکراہٹ [illegible]

"ایک ہی رات میں جی متلانے لگا؟" اس کے لفظوں میں بلا کی معنی خیزی تھی۔

"جاگتی رہی ہوں۔ اسی لیے سر بھاری ہے۔" وہ اس کے لفظوں اور لہجے کی معنویت کا اثر زائل کرنے کی غرض سے بولی۔

"کیوں جاگی ہو؟ جبکہ حیام تو آیا بھی نہیں۔ سوئی

رہتی ہے سونے میں ہی عافیت ہے۔ بندہ کتنے عذابوں سے بچ جاتا ہے۔" اس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" بہت دیر بعد رخشندہ کو تعارف حاصل کرنے کا خیال آیا تھا۔ دراصل اس کے لہجے میں کچھ سحر ہی ایسا تھا کہ رخشندہ کے ذہن میں اترے سارے خیال کسی بہت پیچھے کے خانے میں چپ چاپ سو گئے تھے۔

"میں لالہ رخسار ہوں۔"

"پر رات کی لالہ سے بہت مختلف لگ رہی ہو۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی تھی۔ دراصل اس کا ذہن منقش جھولے پر تمکنت سی بیٹھی لالہ کو سوچنے لگا تھا۔

"اس وقت وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔ لمبا سا کھلا ڈھلا چغہ نما قمیص اور بڑا سا خیمہ نما دوپٹہ جس نے اس کے سر، بالوں کے علاوہ ماتھے تک کو چھپا رکھا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا انتہائی سرخ و سفید چہرہ جگمگا رہا تھا۔

رات کو اس نے بال کھول رکھے تھے اور جو کپڑے اس نے پہن رکھے تھے۔ وہ بھی آج کل کے فیشن کے مطابق سلوائے گئے تھے۔ اور یوں لگتا تھا کہ اس نے میک اپ بھی کر رکھا ہے۔ مگر اس وقت جھکی جھکی پلکوں والی آنکھوں میں کجلے کی دھار بھی نہیں تھی۔ کلائیاں بھی سونی تھیں۔

رات کو وہ ایک بھرپور جوان عورت کے روپ میں دکھائی دی تھی۔ مگر اس وقت ایسی بند اور پراسرار کتاب تھی جس کا عنوان تک نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔

اس سے اگلی صبح رخشندہ کی اپنے شریک سفر سے ملاقات ہوئی تھی۔ بالکل روایتی سی ملاقات تھی۔ تقریباً فجر کے قریب وہ اس کے کمرے میں آیا تھا گویا وہ اپنا ایک فرض ادا کرنے کمرے میں آیا تھا۔

وہ ایک گھنٹے تک کمرے میں رہا تھا۔ اس دوران اس نے رخشندہ سے بس گنی چنی باتیں کی تھیں۔ حالانکہ رخشندہ کے ذہن میں بے شمار سوالات ابھر رہے تھے مگر حیام کے لیے لیے رویے سے وہ اس سے کچھ بھی پوچھ نہیں پائی تھی۔

حق اور فرض کی ادائیگی کے بعد اسے کوئی اور بات کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ رخشندہ اس کے منہ سے ایک لفظ معذرت سننے کے لیے منتظر بیٹھی تھی۔ جبکہ وہ جب تک بیڈ روم میں رہا تھا۔ بس منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھا رہا اور پھر ذرا سوچ نے جھلک دکھائی تو وہ اپنے کپڑے اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہی کمرا جو شادی سے پہلے اس کی قیام گاہ تھا۔ رخشندہ نے کمرے کی کھڑکی میں سے اسے اسی کمرے میں جاتا دیکھا تھا۔ وہ حیام کے ہی نہیں توقیر بیگم اور لالہ کے رویے پر بھی بری طرح سے الجھ رہی تھی۔

توقیر بیگم نے ناشتے سے کچھ پہلے رخشندہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ یہ کمرا بے حد سادگی سے آراستہ تھا۔ کمرے میں ایک پلنگ تھا۔ تین موڑھے تھے اور اس کے علاوہ عبادت کا سامان تھا۔ تین چار جائے نماز، تسبیح، وظائف کی کتابیں۔ اور بک اور کھجور کی رنگ برنگی تھیلیاں۔ یقیناً "گٹھلیوں کو خشک کر کے ان پر رنگ چڑھایا گیا تھا۔

ایک طرف ستو کی بوری رکھی تھی۔ وہ سہارا لے کر بیٹھی تھیں۔ ایک جار میں موٹی موٹی خوشبودار اور انتہائی عمدہ کھجوریں بھی رکھی تھیں۔

توقیر بیگم دن رات عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ پھر اشراق [illegible] چاشت کے نوافل ادا کرتیں [illegible] وقت ہو جاتا تھا۔ پھر تسبیحات [illegible] بعد ظہر، پھر تلاوت قرآن کریم [illegible] مغرب، عشاء اور اس کے بعد رات [illegible] کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا انہیں دنیا اور دنیا والوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ ان کے دن [illegible] صرف عبادت کے گرد گھومتے تھے۔

توقیر بیگم حیام کی سگی پھوپھی تھیں اور شادی کے بعد بھی اسی گھر میں مقیم تھیں۔ حیام کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔

ایک زمانے میں حیام کے والد کی بے شمار زمینیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر عیش و عشرت، بیٹی اور کچھ سیاحت کے شوق میں انہوں نے اپنے حصے کی ساری جائیداد بیچ باچ دی تھی۔ اب جو کچھ حیام کے پاس تھا۔ سب توقیر بیگم کے حصے کا تھا۔ یہ بنگلہ بھی حیام کے دادا نے بنوایا تھا اور اپنی اکلوتی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔

حیام کی پرورش توقیر بیگم نے ہی کی تھی۔ ان کی بیٹی لالہ رخسار حیام سے چار سال بڑی تھی۔ مگر شروع ہی سے یہ بات طے تھی کہ وہ اپنی حسین و جمیل بیٹی کے بیاہ کے لیے بھتیجے کے لیے ہی [illegible]

جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اماں جی [illegible] وظیفے میں مشغول تھیں۔ [illegible] گھر کی واحد ملازمہ [illegible] عمر سے ہی اماں [illegible] لڑکی تھی۔ اور ان کا بیشتر وقت عبادت [illegible] میں گزرنے لگا تھا۔ رخشندہ بہت دیر [illegible] کھڑی رہی۔ مگر اماں جی کا وظیفہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ [illegible] وہ حد درجہ اکتا گئی تھی۔ اور [illegible] میں چھائی خاموشی اور عجیب سے سناٹے نے رخشندہ کو خاصا بے چین کر دیا تھا۔ پھر توقیر بیگم نے رخ اس کی طرف کیا تھا۔ اور سچ تو یہ تھا کہ ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہی رخشندہ کا کلیجہ گویا حلق میں آ گیا تھا۔

جس قدر ان کی بیٹی حسین تھی۔ توقیر بیگم اتنی ہی بدصورت تھیں۔ بدصورت لفظ کتنا مناسب تو نہیں تھا تاہم انہیں کم صورت یا معمولی صورت بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ان کا پورا چہرہ چیچک کے داغوں سے بھرا ہوا تھا۔ رنگت بہت سیاہ نہیں تھی مگر صاف بھی نہیں تھی۔ ہونٹ پتلے تھے مگر نچلے ہونٹ کا ایک کونا انتہائی سرخ اور پھولا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا پھوڑے کا ابھار ہو۔ تاہم غور سے دیکھنے پر وہ پھوڑا نہیں بلکہ کسی چیز کی ضرب سے پھولا اور ابھرا ہوا نشان لگتا تھا۔ شاید بچپن میں ان کے ہونٹ پر کسی چیز کی ضرب لگی تھی۔

آنکھیں بے تحاشا موٹی تھیں۔ گول گول ڈیلے باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ ابلی ہوئی آنکھیں ہیں۔ آنکھوں کی سفیدی گہری گدلی اور پیلی [illegible] رہی تھی۔ اور [illegible] دیکھنے کا انداز بھی ایسا تھا کہ رخشندہ [illegible] لرز کر رہ گئی۔

"السلام علیکم اماں جی!" اس نے خود ہی ہمت کر کے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" انہوں نے جائے نماز [illegible] انداز میں سر ہلایا۔

"آپ نے بلایا تھا؟" اسے ہر طرف چھائی خاموشی سے وحشت ہونے لگی تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھ دی۔

"تمہیں یہاں پریشانی تو نہیں ہوئی؟ دل لگ گیا ہے؟"

"نہیں پریشانی کیسی؟" اسے کچھ تو بولنا ہی تھا اور بھلا وہ دل لگنے کا جواب کیا دیتی۔ جس کے ساتھ دل لگانا تھا۔ وہ صبح کا گیا رات بہت دیر سے لوٹتا تھا اور اس تک تو فجر کے بعد ہی آتا تھا اور کبھی کبھی تو آتا ہی نہیں تھا۔ ہفتے میں صرف ایک آدھ بار اسے خیال آ ہی جاتا تھا کہ ایک عورت کو وہ اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر اور اس کی تمام تر ذمہ داری اپنے سر لے کر اپنے گھر میں لایا ہے۔

"نیا ماحول ہے۔ آہستہ آہستہ دل لگ ہی جائے گا۔ بس اس کو اپنا گھر سمجھو۔ سیاہ و سفید کی مالک ہو۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ پیسوں کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیا کرنا۔ کپڑا، کتاب مل جائے گا۔ کھانا پینا بس کھا پڑا ہے۔ بس خوش رہو، آباد رہو۔" انہوں نے نرمی سے کہا اور پھر تسبیح اٹھا کر اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ مرے مرے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

حیام بہت کم گو واقع ہوا تھا۔ دفتر سے آکر زمینوں پر نکل جاتا تھا۔ اور پھر اس کی واپسی گیارہ بارہ بجے تک ہوتی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ بتول صدیقہ کے اسے اپنی دفتری فائلوں کو دیکھنا ہوتا تھا۔

اور رخشہ کو تو حیام کے روزمرہ معاملات اور روٹین کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔ نجانے کب وہ ناشتہ کرتا تھا اور کب وہ رات کا کھانا کھا لیتا تھا اور اس کے آنے جانے کا بھی اسے پتا نہیں چلتا تھا۔

بہت دن تک وہ خاموشی کے ساتھ اس روٹین سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ مگر ایک دن جب صبح کے وقت وہ اس کے بیڈروم میں آیا تو رخشہ اس سے الجھ پڑی۔

"یہ کس قسم کی روٹین ہے آپ کی؟" حیام حسب سابق خاموش رہا تھا۔

"حیام! میری بات کا جواب دیں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"میری ہمیشہ سے یہی روٹین ہے۔" اس نے بہت عجیب سے انداز میں کہا۔

"تو آپ اپنی اس روٹین کو چینج کریں۔"

"میں اپنے معمول کو نہیں بدل سکتا۔" اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"اور مجھے آپ کا رات بھر کمرے سے باہر رہنا بھی پسند نہیں۔ آپ کو اگر آفس ورک کرنا ہو تو اپنے بیڈروم میں فائلیں لے آیا کریں۔"

"میری مرضی میں جہاں بھی بیٹھوں، سوؤں یا کام کروں۔ تم کون ہوتی ہو مجھ پر پابندی لگانے والی۔" حیام نے بے حد ناگواری سے کہا یوں کہ رخشہ کے چہرے پر بھی ناگواری اتر آئی۔

"میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ پر پورا پورا حق رکھتی ہوں۔"

"بیوی ہو تو بیوی ہی بن کر رہو۔ مجھ پر حکم چلانے کی ضرورت نہیں۔" وہ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھا۔

"میں حکم نہیں چلا رہی۔ درخواست پیش کر رہی ہوں۔ آپ کا رات بھر ایک دوسرے کمرے میں رہنا بہت سے لوگوں کو چونکا دے گا اور [illegible] ہماری ازدواجی زندگی کے بارے میں [illegible] لوگوں کے ذہن میں ابھر آئیں۔" رخشہ نے [illegible] نرم لہجے میں کہا۔ کچھ دیر پھر سے خاموشی چھا گئی تھی۔

"یہاں پر کوئی دوسروں کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا۔"

"مگر میں تو آپ کی ذاتی زندگی میں مداخلت کر سکتی ہوں نا؟"

"نہیں ۔۔۔" حیام کا لہجہ از حد روکھا ہو گیا۔ "آج اگر تم نے بات کر ہی لی ہے تو میں بھی کچھ وضاحت کر دیتا ہوں۔ اس گھر میں اگر رہنا چاہتی ہو تو زیادہ سوالات سے پرہیز کرنا۔ جو چیز جہاں رکھی ہے اسے وہیں رہنے دینا۔ اگر تبدیلیاں لانے کی کوشش کرو گی تو سراسر تمہارا اپنا نقصان ہو گا۔ اگر کچھ انہونا یا الگ سا دیکھو تو نظر انداز کرنا۔ تجسس اور کھوج بھی تمہیں تباہی کی طرف لے جائیں گے۔" دوسرے لفظوں میں اسے خبردار کیا جا رہا تھا یا پھر دھمکایا جا رہا تھا۔ رخشہ کی پیشانی پر ایک ناگوار سلوٹ ابھر آئی۔

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے گونگا، بہرہ اور اندھا بن کر رہنا ہو گا؟"

"یہی سمجھ لو۔۔۔ اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" اس کا انداز ہنوز خشک تھا۔ اس نے فائلیں بند کر دیں اور کمرے کی بتی بھی بجھا دی۔

✡ ✡ ✡

بہت حد تک وہ اس گھٹن زدہ ماحول سے سمجھوتا کر چکی تھی۔ کمپرومائز تو [illegible] تھا۔ کیونکہ اس کے پاس [illegible] کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ ہی کوئی اور [illegible]

پیچھے مڑ کر [illegible] کی۔ اس لیے کہ پیچھے جانے والے راستے کب کے کھوتے اور اجنبی ہو گئے تھے۔ جن لوگوں پر اسے کبھی مان رہا کرتا تھا وہ مان اور بھروسہ تو اسی دن ٹوٹ گیا تھا جب نوشابہ بھابھی نے اپنی بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لیے اس کی زندگی کو داؤ پر لگانا چاہا تھا۔

رخصتی سے چند گھڑی پہلے نوشابہ بھابھی نے کچھ باتیں اسے ذہن نشین کروا دی تھیں۔

"وہ بھرپور خوشی! ہم نے تمہاری شادی کر دی ہے۔ یہاں تک ہمارا فرض تھا سو ادا کر دیا۔ اب اگلے گھر میں سلیقے سے رہنا۔ اسے اپنا آخری ٹھکانہ سمجھنا۔ لڑکی کا اصل گھر شوہر کا ہی ہوتا ہے۔ وہیں اپنا مقام اور حیثیت بنانا۔ مختصر سی فیملی ہے۔ انہیں اپنا سمجھنا وہ تمہیں اپنا بنا لیں گے مگر کچھ وقت تو بہرحال لگتا ہے۔ اپنی ادھر کی پریشانیاں ادھر مت لے کر جانا۔ اپنے بھیا کے حال پر رحم کرنا۔ ابھی ہماری بچی ہے۔ [illegible] کے لیے بھی کچھ سوچنا ہے۔" انہوں نے اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ واپسی کے راستے اس کے لیے بند ہو چکے ہیں اور یہ کہ اس کا [illegible] اب اسی گھر میں ہے۔

اس دن علی الصبح [illegible] آنکھ کھل گئی تھی۔ آج کی صبح حیام اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ ورنہ تو وہ ہی آ کر [illegible] وہ نماز پڑھ کر عموماً سو جاتی تھی کیونکہ کام کوئی تھا نہیں اور نہ ہی کوئی ذمہ داری۔ [illegible] میں ہاتھ ڈلوا کر نئی دلہن سے کام کروانے کا رواج بھی نہیں تھا۔

وہ نماز پڑھ کر سوتی تو پھر دس گیارہ بجے تک اٹھتی تھی۔ اگر بیچ کے دنوں میں حیام چند گھڑیوں کے لیے آ جاتا تو پھر اس کی روٹین کچھ اور ہو جاتی تھی۔

اس دن دوبارہ سونے کی کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آئی تھی۔ سو وہ کروٹیں بدلنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھ گئی تھی۔

فریش ہونے کے بعد کمرے میں رہنے کے بجائے وہ باہر آ گئی۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ معمول کے مطابق خاموشی اور سناٹے ہی استقبال کریں گے۔ مگر ڈائننگ ہال سے آنے والی آوازوں اور دبی دبی ہنسی نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

پورے دو ماہ اور ستائیس دن بعد اس نے کسی ذی روح کی بے فکری ہنسی کی آواز سنی تھی۔ بھلا وہ ٹھٹھکتی یا چونکتی کیوں نہ۔

"اس خاموش محل میں بھی بھلا کوئی ہنس سکتا ہے؟" وہ گویا چند پل کے لیے حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ ظاہر کی بات ہے۔ آج تک اس نے لالہ یا پھر حیام کو ہنستا تو دور کی بات کھل کر مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ [illegible] تک کو بھی سپاٹ ہی دکھتا تھا۔

وہ لاؤنج سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال تک آ گئی تھی۔ جوں ہی اس نے اندر قدم رکھا تھا۔ ہنسی کی آواز [illegible] گم سی ہو گئی۔ لالہ رخسار حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ گویا وہ کہنا چاہتی تھی کہ "تم بھلا کیسے وقت سے پہلے اٹھ گئی ہو؟"

اسی طرح حیام بھی کچھ متحیر تھا۔ یعنی اسے بھی رخشہ کے اتنی جلدی کمرے سے باہر آ جانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ دفتر جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا اور لالہ اس کے قریب جھکی نجانے کیا کہہ رہی تھی۔ چہرے پہ شفق اور گلال بکھرا تھا۔ جوں ہی وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی تھی۔ لالہ کی مسکراہٹ سمٹ کر رہ گئی۔ حیام کے چہرے کے تاثرات بھی ایک دم سپاٹ ہو گئے تھے۔ ڈائننگ ہال میں گویا موت کا سناٹا پھیل گیا۔

"آپ لوگ خاموش کیوں ہو گئے؟" کچھ دیر پہلے کی تازگی اور خوشگواری کا تاثر ہلکا ہو گیا تھا۔ اسی لیے رخشہ ٹھہر کر بول اٹھی۔ اسے لالہ اور حیام کا ہنستا بولنا اچھا لگا تھا۔ اتنے دنوں بعد اس نے جمود کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تم جلدی اٹھ گئیں؟" لالہ نے بمشکل ایک دوسرے سے جڑے لبوں کو کھول کر بولنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں اس کے نقوش عجیب ہو گئے تھے۔

"ہاں، بس آنکھ کھل گئی۔۔۔ آپ ابھی تک آفس نہیں گئے۔" وہ لالہ کو جواب دے کر حیام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"نہیں۔" جواب مختصر تھا اور وہ اخبار کھول کر اپنے سامنے پھیلا چکا تھا۔

"میں ناشتے کے بغیر آفس نہیں جاتا۔" حیام نے شاید سوچا تھا کہ اس کا جواب حد درجہ روکھا ہے۔ تبھی اخبار ہٹائے بغیر اس نے ان چند جملوں کا بھی اضافہ کر لیا۔

"میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔" رخشندہ محض اتنی ہی توجہ پا کر ہی پھول کی طرح کھل اٹھی۔

"تم رہنے دو۔ حیام کے لیے ناشتہ میں لاتی ہوں۔" لالہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر جس بے ساختہ انداز میں اسے ٹوکا تھا۔ رخشندہ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی چونک کر سنبھل گئی۔

"میں تم دونوں کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" فی الفور اس نے لفظوں میں تبدیلی کی۔

"نہیں، آپ رہنے دیں..... میں اپنا اور حیام کا ناشتہ بناؤں گی۔ مجھے حیام کے لیے ناشتہ بنانا اچھا لگے گا۔" اس نے بغیر جھجکے لالہ کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر کہا تھا یوں کہ ایک دم حیام نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں اخبار پر جما دیں۔ شاید وہ لالہ کے کچھ بولنے کا منتظر تھا مگر جب لالہ کچھ نہ بولی تو اسے کہنا ہی پڑا۔

"لالہ کو خبر ہے۔ میں ناشتے میں کیا لیتا ہوں۔ تم کہاں تردد کرو گی۔"

"تردد کیسا؟ میرے لیے اس سے بڑی خوشی بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ کے لیے ناشتہ بنا کر خوشی محسوس ہو گی۔" اپنے گھر میں اسے کچن سے باہر نکلنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اور یہاں اسے کچن میں جانے نہیں دیا جاتا تھا۔ بات تو کچھ عجیب سی تھی۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش نہیں ہوتے میری جان! تم یہاں اطمینان سے بیٹھو۔ میں ابھی ناشتہ لاتی ہوں۔ پچھلے تیرہ چودہ سالوں سے حیام کے لیے ناشتہ بنا رہی ہوں۔ یہ کام میرے ذمے ہی رہنے دو۔ تم کیوں جان کھپاتی ہو.....؟" وہ بڑے پیار بھرے لہجے میں نہایت حلاوت سے بول رہی تھی۔ بہت ہی میٹھا شہد آگیں انداز تھا۔

"کوئی بات نہیں، آج آپ دونوں میرے ہاتھ سے بنا ناشتہ کر لیں۔ مجھے یقین ہے حیام کو بہت پسند آئے گا۔" اس نے بھی بے تکلفی کی فضا قائم کرنے کے لیے خوش دلی سے کہہ دیا تھا تاہم لالہ کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔

"یہ ممکن نہیں۔ حیام میرے ہاتھ کے ذائقوں کا عادی ہے۔" اس نے بھی بظاہر بہت خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔

"پہلے کھا کر تو دیکھیں۔" رخشندہ نے لالہ کو چھیڑا۔

"بہت اعتماد ہے خود پر؟" لالہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"وہ تو ہے۔"

"دھیان رکھنا۔ یقین، اعتماد، اعتبار اکثر ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔" وہ اسے خبردار کر رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" رخشندہ پر یقین تھی۔

اسی پل حیام نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"مجھے لگتا ہے۔ آج خالی پیٹ ہی دفتر جانا پڑے گا۔" وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا جب لالہ نے سرعت سے حیام کے ہاتھ پر اپنا کنول جیسا ہاتھ رکھا۔

"غصہ کیوں کرتے ہو، بس میں ابھی ناشتہ لائی۔" دوسرے ہی پل وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی تھی اور صرف دس منٹ کے اندر اندر واپس بھی آ گئی۔

تلا ہوا پراٹھا، کلیجی، گردے اور دل کا بھنا ہوا سالن ..... اور ساتھ میں گرما گرم چائے۔

"تمہارے لیے بھی پراٹھا ہی لاؤں؟" وہ [illegible] سرو کرنے کے لیے مستعد کھڑی تھی۔

"نہیں، بریڈ لوں گی۔" رخشندہ [illegible] ناشتہ کر کے طبیعت کو بھاری [illegible] حیام نے رغبت سے ناشتہ [illegible] نظر لالہ کی طرف ڈال کر اس [illegible] خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا مگر [illegible] رخشندہ کے حلق میں نوالہ اٹک گیا [illegible] کی نظریں ڈائننگ روم کی کھلی کھڑکی [illegible] جا رہی تھیں۔

لالہ [illegible] چلی گئی تھی اور پھر دوسرے دروازے سے حیام کے پیچھے پورچ تک چلی آئی۔ وہ اسے کوٹ پہنا رہی تھی جب رخشندہ کی نظر نے اس منظر کو دیکھا تھا۔ یہ لالہ کا معمول تھا مگر رخشندہ اس معمول سے ناواقف تھی۔ اسی لیے اسے یہ منظر بہت اجنبی اور

عجیب لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں اس لمحے بہت زور سے کانٹا چبھا تھا اور غیر ارادی طور پر آنکھوں کی شفاف سطح بھیگتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

دوسری صبح وہ لالہ اور حیام کے اٹھنے سے پہلے ہی کچن میں چلی آئی تھی۔ آج وہ ہر صورت حیام کے لیے اپنا من پسند ناشتہ بنانا چاہتی تھی۔

خوش قسمتی سے اسے کچن خالی ملا تھا اور وہ اپنی پسند کا ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی۔ رخشندہ جب تک میز پر ناشتہ سجا کر فارغ ہوئی [illegible] تب تک لالہ بھی اٹھ کر آ گئی۔ اور اس کی [illegible] حیرت کے عالم میں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

"یہ سب [illegible]" لالہ کی آنکھوں میں واضح ناگواری [illegible]

"میں نے [illegible]" رخشندہ نے خوشی خوشی بتایا۔

"کس کے لیے؟" لالہ کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی خاصا تلخ تھا۔

"حیام کے لیے۔"

"کیا بنایا ہے؟" لالہ نے آگے بڑھ کر ڈونگوں کے ڈھکن اٹھانے شروع کیے۔ بھنے ہوئے چنے، حلوہ اور خستہ خستہ پوریاں۔

"یہ سب حیام کھائے گا؟" لالہ اب اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو ہونق سی کھڑی لالہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

"جی۔" اس کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ہونہہ! وہ یہ حلوہ پوریاں نہیں کھاتا۔" لالہ نے نخوت سے کہا۔

"مگر آج کھائیں گے۔" جانے اس کے منہ سے کیسے پھسل گیا۔

"کبھی نہیں، وہ اس ناشتے کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔" لالہ کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

رخشندہ مزید تکرار کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ حیام آج ادھر ہی سو رہا تھا۔ وہ جھک کر حیام کو جگانے آ گئی۔ کچھ دیر بعد حیام اٹھ کر فریش ہونے چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو رخشندہ [illegible]

"ناشتہ [illegible] ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"[illegible] جاؤ۔" وہ باہر نکل کر اپنے دوسرے [illegible] چلا گیا تھا۔ رخشندہ ڈائننگ ہال میں آ گئی۔ [illegible] دیا ناشتہ اسی طرح سے سجا ہوا تھا مگر ساتھ ہی کچھ اور چیزوں کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ لالہ پراٹھے، انڈے اور دودھ رکھ گئی تھی۔ حیام کی آمد کے ساتھ وہ کسی مستعد بیرے کی طرح اس کے دائیں جانب کھڑی ہو گئی۔ رخشندہ ساری صورت حال سمجھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر مختلف چیزیں حیام کے سامنے رکھنا شروع کر دیں۔

"یہ حلوہ، پوری اور چنے کس نے بنائے؟" حیام لالہ سے پوچھ رہا تھا۔

"رخشندہ نے۔" لالہ ایک ادا سے مسکرا دی۔

"یہ اٹھا لو۔" حیام نے ڈونگہ پیچھے کھسکا کر رخشندہ کو حق دق کر دیا۔

"مگر....."

"کیا اگر مگر..... میں یہ سب نہیں کھاتا۔" آئندہ زحمت مت کرنا۔ میں لالہ کے ہاتھ سے بنے کھانوں کا عادی ہوں۔"

"مگر اب آپ کو کچھ اور ذائقوں کا بھی عادی ہونا پڑے گا۔" احساس توہین سے رخشندہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میری جان! غصہ نہیں کرتے۔ حیام کی بات پر غصہ نہیں کرو۔" لالہ پھر بڑے میٹھے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم ہمارے بیچ میں مت بولو۔" رخشندہ نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ لالہ لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔

"تم لالہ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" حیام ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ہمارے بیچ میں کیوں بولتی ہے۔" رخشندہ بغیر خوف زدہ ہوئے بلند آواز میں بولی۔

"یہ ہمارے بیچ ہمیشہ بولتی رہے گی۔" حیام چبا چبا کر

گویا ہوا۔
"اور مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔"
"نہ ہو۔" حیام کا اطمینان قابل دید تھا۔
"حیام۔" وہ کانپ کر رہ گئی۔ "آپ اپنی بیوی پر ایک کزن کو فوقیت دے رہے ہیں؟" صدمے کی شدت سے رخشندہ کی آواز پھٹ گئی۔
"جو مرضی سمجھ لو۔" حیام کو گویا پرواہی نہیں تھی اور وہ غصے سے بھڑک رہی تھی۔
"سمجھ تو میں بہت کچھ رہی ہوں۔" رخشندہ تلخ لہجے میں بولی۔
"اپنی زبان کو لگام دو۔" حیام آگ بگولا ہوا۔
"کیوں؟ سچ کڑوا لگتا ہے۔" "بہت دنوں سے جمع شدہ بھڑاس کو گویا روزن مل گیا تھا۔
"بکواس بند کرو۔" حیام غصے کے عالم میں اس کی سمت بڑھا۔ تب ہی لالہ نے ہاتھ آگے کر کے اسے روک لیا۔
"جانے بھی دو حیام! غصہ کیوں کرتے ہو۔ بس کرو، رخشندہ ابھی ناسمجھ ہے۔" لالہ کے لفظوں میں جادو تھا یا اس کے ہاتھ کے لمس میں۔ حیام گویا ایک معمول کی طرح واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔
"ناشتہ کرو حیام! تمہیں دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔" لالہ کے کہنے کی دیر تھی۔ حیام خاموشی کے ساتھ ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ سر ہی نہیں اٹھایا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ یوں گویا وہ کمرے میں موجود ہی نہیں تھی۔ ایسی فرماں برداری... اس قدر تابع داری، رخشندہ کو لگ رہا تھا۔ کچھ دیر تک اور اگر اس ماحول میں موجود رہی تو پھر سے پھٹ پڑے گی۔ وہ پیر گھسیٹتی باہر نکل گئی تھی اور لالہ اس کے منظر سے ہٹ جانے پر فتح مندی سے مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

لائبہ کے مجبور کرنے پر بالآخر نوشابہ بھابھی کو طلاب کے لیے ہاں کرنا پڑی تھی۔ ویسے بھی طلاب میں کوئی کمی نہیں تھی جو [illegible]

لائبہ کی شادی میں اس کی سسرالی فیملی میں سے حیام سمیت کسی نے بھی شرکت نہیں کی تھی اور یہی بات نوشابہ بھابھی کو بھی خاصی کھٹک رہی تھی۔
جس دن لائبہ، طلاب کے ساتھ کراچی گئی تھی۔ اسی دن رخشندہ بھی اپنے گھر آ گئی۔ یہاں پر سب کچھ ویسا ہی تھا۔ گھٹا گھٹا سا خاموش ماحول۔ توقیر بیگم کا وہی عبادت کا انداز تھا اور لالہ رخسار کا معمول بھی وہی۔
اسے دیکھ کر لالہ خیر سگالی کے طور پر مسکرا دی۔
"کر آئی ہو بھتیجی کی شادی؟"
"جی مگر ایک افسوس ہے۔"
"کیا؟" لالہ چونکی۔
"آپ شادی میں کیوں نہیں آئیں؟"
"حیام تو گیا تھا نا... میرا جانا ضروری نہیں تھا۔ ویسے بھی پچھلا پورا ہفتہ میں عبادت میں مصروف رہی ہوں، چاند کی آخری تاریخوں میں ہم گھر سے باہر نہیں نکلتے بس رات دن عبادت کرتے ہیں۔" لالہ نے وضاحتی انداز میں کہا تھا۔ وہ اس وقت بھی لمبا سا چغہ پہنے ہوئے، ماتھے تک دوپٹہ لیے تسبیح پڑھنے میں مصروف تھی۔ ایسی عبادت گزار عورتوں پر بھلا شک کیا جا سکتا ہے؟ مگر رخشندہ اول روز سے لے کر اب تک [illegible] دیکھ رہی تھی۔ اسے نظر انداز بھی تو نہیں کیا [illegible] تھا۔
"حیام بھی کہاں آئے تھے۔" رخشندہ [illegible] سے بتایا۔ "میں نے اتنی دفعہ [illegible]"
"اچھا..." لالہ [illegible] کی۔
"مجھے تو اس نے [illegible] وہ شادی میں شرکت کرنے [illegible]"
"تم [illegible] سے پوچھو نا!" وہ تسبیح کی طرف متوجہ تھی۔
"[illegible]" رخشندہ نے پوچھا۔
"[illegible] کہ تمہاری بھتیجی کی شادی میں کیوں نہیں گیا؟"
"یہ بات بھی تم ہی پوچھ لینا۔ میرے پاس آتے ہی کہاں ہیں۔" رخشندہ کا انداز صاف طنزیہ تھا۔

رخشندہ کے لفظ لفظ میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ ایک بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جارہی تھی کہ حیام اور رخشندہ کے درمیان فاصلوں کی اصل وجہ "لالہ رخسار" کی ذات ہے اور وہ حیران تھی کہ بھلا ایسا کیوں ہے۔ اگر حیام اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو پھر بھلا اسے کس نے مجبور کیا تھا۔ وہ خود مختار تھا۔ انکار کر دیتا۔ وہ بہت سی الجھنوں کا شکار تھی اور ان الجھنوں کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"یہی بات حیام کے سامنے کہنا۔" لالہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"مجھے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے توسط سے خود بخود یہ بات حیام تک پہنچ جائے گی۔" رخشندہ کے طنز نے لالہ کو بری طرح سے تلملا کر رکھ دیا۔

"تم اپنے لہجے اور لفظوں پر کنٹرول کیا کرو۔ ورنہ ایک دن نقصان اٹھاؤ گی۔"

"ہمیشہ سے نقصان میں رہنے والوں کو کسی خسارے کا ڈر نہیں رہتا۔"

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟" لالہ رخسار کے دمکتے رخسار غیظ و غضب سے سرخ خون رنگ ہو گئے۔ "جس جگہ کھڑی ہو نا' ایک جھٹکے سے اس منصب سے ہٹا سکتی ہوں تمہیں۔"

"بس اسی بات کا غرور ہے؟" رخشندہ اندر سے کانپ کر رہ گئی تھی تاہم اس نے لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"پچھتاؤ گی تم؟"

"نجانے کس نے پچھتانا ہے۔" رخشندہ پھیکے انداز میں بولی۔ "وقت اور حالات بدلتے دیر نہیں لگتی اور غرور تو بادشاہوں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔"

"تم مجھے سمجھاؤ گی اب۔" لالہ پھر سے تلخ ہوئی۔ حالانکہ اس کی تلخی گھڑی بھر کے لیے ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر وہی شہد آگیں لہجہ لوٹ آتا تھا۔

"نہیں ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔" [illegible] پھر سے طنزیہ لہجہ اپنایا۔ "ویسے ایک [illegible] تھی۔"

"کیا؟" لالہ چونکی۔

"حیام کے اور میرے بیچ مت آیا کرو۔"

"تم پھر غلط لفظ استعمال کر رہی ہو۔" لالہ بھڑک اٹھی۔

"یہ غلط بات نہیں۔ تمہارا حیام کے ساتھ رویہ مجھے عذاب میں مبتلا کر رہا ہے۔" رخشندہ نے گویا تھک کر کہا۔

"ہم پر تو اس سے بھی بڑے بڑے عذاب اترے ہیں۔" لالہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔

"تو پھر مجھے اپنے عذابوں میں حصہ دار کیوں بنا لیا ہے؟" رخشندہ ایک دم آگ بگولہ ہو اٹھی۔

"میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ ورنہ تمہیں نہ خواب دیتی نہ عذاب۔" لالہ کی آنکھوں میں لالیاں اتر آئیں۔ "جاؤ' جا کر اپنا کام کرو۔ آرام کرو' یا جو چاہے کرو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" ایک دم لالہ کو نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ زور زور سے ہلتے ہوئے تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئی تھی۔

رخشندہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ کچھ دن بعد کی بات تھی۔ اس دن حیام کا موڈ بہت خوشگوار تھا اور اس نے رخشندہ کو [illegible] ہونے کا کہا تھا مگر ساتھ تنبیہ بھی کی [illegible] کمرے سے باہر مت آنا۔ [illegible] اس کا رویہ بہت اچھا [illegible] نے بھی [illegible] بہت سا [illegible] شکایات کی [illegible]

[illegible] کی پہلی رات حیام کے اپنے کمرے [illegible] کا شکوہ بھی بالآخر کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر [illegible] چپ ہو گیا اور پھر اس نے خود ہی دھیمی آواز [illegible] بتا دیا۔

"اس رات میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ گویا دماغ میں سوئیاں چبھ رہی ہیں۔ نیند تھی کہ راستے میں ہی میرے دماغ پر سوار ہو رہی تھی۔ گھر آکر میں اپنے کمرے میں سو گیا تھا۔ تمہارے پاس آہی نہیں پایا۔ اگر میری طبیعت ٹھیک بھی ہوتی تو تب بھی میں اس رات تمہارے پاس نہیں [illegible] ہماری [illegible] روایات اور روایت میں شامل نہیں۔ بیوی کے کمرے میں سونا بھی اچھا تصور نہیں کیا جاتا۔ بہت سال پہلے [illegible] خاندان کے مرد زنان خانے میں آتے [illegible] کبھی کبھار ضرورت کے تحت ہفتے میں ایک دو دن اندرونی حصے میں [illegible] کی اجازت [illegible] زیادہ غور [illegible] اور پلیز لالہ کے ساتھ [illegible] لالہ اپنی ذات میں بہت تنہا [illegible] ایک اچھی دوست بن جاؤ۔ [illegible] تعلیم یافتہ ہو۔ بہت سی باتیں [illegible] ہو لالہ بری نہیں۔ تم اگر [illegible] اسی لیے رخشندہ بیزار ہو گئی [illegible] بات [illegible] تھی لالہ کا ذکر چھیڑتے ہی اسے نیند [illegible] آگئی تھی۔

حیام کا رویہ بھی ہمیشہ دھوپ چھاؤں جیسا ہوتا تھا۔ کبھی تو اتنا مہربان ہو جاتا' کبھی بلا کا لاتعلق اور اجنبی بن جاتا' گویا رخشندہ کو جانتا ہی نہ ہو۔

حیام فطرتاً "نرم مزاج" بہت سنجیدہ اور کم گو بندہ تھا۔ وہ اس کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کرتا تھا اور اسے اپنی محبت سے سرفراز بھی کرتا تھا۔ مگر لالہ کے بارے میں کچھ بھی کہنا سننا حیام کو گوارا نہیں تھا۔ وہ لالہ کی وجہ سے رخشندہ کے ساتھ الجھ پڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رخشندہ "لالہ" کا احترام نہیں کرتی۔ جبکہ رخشندہ تو تصور کی آنکھ سے کچھ اور دیکھ رہی تھی۔

اس دن حیام کی فرمائش پر وہ تیار ہونے کے لیے اپنے سوٹ کیس اور الماری کھولے بیٹھی تھی۔ دراصل شادی کے بعد قمر بیگم نے اسے سختی سے بار سنگھار کرنے سے منع کر دیا تھا۔

"جو کچھ کرنا ہو۔ اپنے کمرے میں کیا کرنا۔ گھر میں جوان لڑکی موجود ہے۔ ہم نہیں چاہتے' تمہیں دیکھ کر اس کے اندر کی دبی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ اور ہماری بیٹی کی پاکیزہ روح [illegible] آلودہ ہو جائے۔" رخشندہ نے حرف حرف ان کی بات کو سمجھ لیا تھا اور نہ صرف [illegible] تھا۔

[illegible] تو اسے عروسی لباس والا بھاری ساڑھی [illegible] نہیں دیا۔ وہ لباس جو اتنے شوق اور چاہ سے بنوایا [illegible] جسے حیام نے اک نظر بھی نہیں دیکھا۔ وہ ڈبہ الماری میں نہیں تھا۔ رخشندہ کو خواہ مخواہ اپنی شادی والی خوفناک رات یاد آگئی تھی۔ اور حیام کے بے تاثر چہرے اور لالہ کی آنکھوں کی چمک بھی پھر سے کلک کر کے روشن ہو گئی تھی۔ رخشندہ نے سر جھٹک کر سوٹ کیس اور پھر بیڈ کے نیچے والی جگہ پر بھی دیکھ لیا۔ اس کے لہنگے والا ڈبہ نہیں تھا۔ میک اپ والی دراز کھولی تو خالی دراز کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ دراز بالکل خالی تھی۔ ایک لپ اسٹک بھی موجود نہیں تھی۔ اس کے چار پانچ پرفیومز اور باڈی اسپرے بھی غائب تھے۔ رخشندہ تو گویا ہکا بکا رہ گئی تھی۔

ایک دفعہ پھر سے الماری کھول کر کپڑے چیک کیے تو جیزی ساڑھی اور تین چار قیمتی اور بھاری سوٹ کے ساتھ کی جوتیاں تک غائب تھیں۔ لاکر کھولا تو زیور نہیں تھا۔ رخشندہ تو گویا خوف سے منجمد ہو گئی تھی۔

"میرا سامان کہاں گیا؟" "کیا بھوت پریت لے گئے ہیں؟ اس گھر میں بھلا چور کون ہو سکتا ہے؟ کسی پر الزام بھی تو نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ صدیقہ ان کی خاندانی ملازمہ تھی۔ کئی طرح کے حساب کتاب اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس پر چوری کا الزام لگا کر وہ قمر بیگم کو بھڑکانا نہیں چاہتی تھی۔ اور لالہ 'صاحب جائیداد ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھر کی بیٹی تھی۔ اسے رخشندہ کی اترن کی کیا ضرورت تھی۔ اس وقت تو رخشندہ خاموش ہو گئی تھی۔ حیام تک کو بھی خبر نہ ہونے دی۔ وہ خود بھی مورد الزام ٹھہرائی جا سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

سر سے پیر تک چادر میں لپٹی لالہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ دن کو ہمیشہ وہ ڈھیلے ڈھالے حلیے میں ہی دکھائی

دیتی تھی۔ اتنی بڑی نشست تھا چادر ہوتی تھی کہ کپڑوں کا رنگ اور ڈیزائن تو نظر ہی نہیں آتا تھا۔

"صدیقہ! کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔" لالہ چہرے پر نقاب کرتی صدیقہ کو دبی آواز میں بلا رہی تھی۔ صدیقہ بھی اس کی آواز سنتے ہوئے چپکے سے آ گئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" رخشندہ نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی اور ان دونوں کو چپکے چپکے باتیں کرتا دیکھ رہی تھی۔ نجانے ہر جمعرات کی شب لالہ صدیقہ کے ہمراہ کہاں جاتی تھی۔ اور واپسی پر بھی اس کی عجیب و غریب حرکتیں ہوتی تھیں۔ وہ آتے ساتھ اپنے کمرے میں گھس جاتی۔ پھر کچھ دیر بعد کچن میں دکھائی دینے لگتی تھی۔ کوئلے سلگا کر نجانے ان پر کیا چھڑکتی تھی کہ پورے گھر میں دھواں دھواں پھیل جاتا تھا۔ توقیر بیگم کے کمرے کے علاوہ ہر کمرے میں دھونی دی جاتی۔ ایسی ناگوار بو ہوتی تھی کہ رخشندہ کے دماغ میں گھس جاتی۔ کچھ دیر بعد مرچوں کو چولہے پر رکھ کر آگ جلا دی جاتی تھی اور پھر تین گھنٹے اسی عمل کو بار بار دہرایا جاتا تھا۔ پھر تعویذ جلائے جاتے۔ یہ سب گھر کی خیر و برکت کے لیے کیا جاتا تھا۔

"سائیں جی کے حجرے تک۔" لالہ نے سرسری انداز میں بتایا تھا اور ایک دم رخشندہ کو نجانے کیا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"میں بھی ساتھ چلوں۔"

"تم۔" لالہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ "تم کیا کرو گی وہاں جا کر؟"

"جو تم کرو گی۔" رخشندہ اطمینان سے بولی۔

"میں۔ میں تو دعا کے لیے جاتی ہوں۔" لالہ گڑبڑا کر بولی۔

"اور میں بھی دعا کے لیے ہی جاؤں گی۔"

"تمہیں اور کیا چاہیے۔ سب کچھ تو مل گیا ہے تمہیں۔" لالہ گویا پھٹ کر بولی۔ ایک دم اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئی تھیں۔ "مزاروں پر [illegible] کھاتے ہیں۔ جو خالی دامن ہوتے [illegible]"

"تم قبروں سے مانگنے جاتی ہو؟" رخشندہ کو گویا شاک لگا۔ "مٹی کی ڈھیریاں کیا جھولی بھر دیتی ہیں؟"

"میرا اعتقاد ہے۔"

"بڑا غلط اعتقاد ہے۔ تم اللہ سے کیوں نہیں مانگتیں؟ وہ تو بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر۔"

"مگر مجھ پر مہربان نہیں۔" وہ عجیب باغی انداز میں بولی۔

"اللہ سے ڈرو، اس طرح نہیں بولتے۔" رخشندہ دہل اٹھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔ بہت مانگا ہے اس سے۔ بے تحاشا مانگا ہے مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ نہ تنہائی کی قید سے آزادی ملی ہے۔ نہ زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا۔"

"تمہاری دعا کا قصور نہیں تمہاری نیت کا قصور ہے۔ خالص نیت سے مانگ کر تو دیکھتیں۔ رحمتوں کی برسات ہو جاتی تھی۔" رخشندہ کا انداز ناصحانہ تھا لالہ اس کی مزید نصیحتوں کو سننے کے لیے رکی نہیں تھی۔

لالہ کے چلے جانے کے بعد پورے گھر میں سناٹا اتر آیا۔ حالانکہ وہ بھی اتنا نہیں بولتی تھی مگر صدیقہ اور لالہ کی موجودگی سے دل کو ڈھارس سی رہتی تھی۔ اور اس وقت گھر کے سناٹے عجیب سے خوف میں [illegible] رہے تھے۔ نجانے یہ کیسا خوف تھا جو اس [illegible] دیوار سے لپٹا ہوا تھا اور یہی خوف اب [illegible] میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ کافی [illegible] نجانے کب چپکے سے [illegible] آ کر بیٹھ گئی۔

رخشندہ اپنے [illegible] میں گم تھی۔ اسی لیے انہیں [illegible] خوف سے اچھل پڑی۔ ظاہر [illegible] دن میں پہلی مرتبہ رخشندہ نے انہیں [illegible] پریشان دیکھا تھا۔

"[illegible] ہو؟" وہ نرمی سے [illegible] مسکرائی تھیں تاہم ان کے نقوش پھیل کر کچھ بھیانک ہو گئے تھے۔

"جی، بس پتا نہیں چلا۔" رخشندہ گڑبڑا کر بولی۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ جب سے اس گھر میں آئی ہے۔ بس ڈرے ہی جا رہی ہے اول روز سے اب تک

ایسے ایسے عجیب و غریب واقعات وقوع پذیر ہو رہے تھے۔

"لالہ کہاں گئی؟"

"کسی سائیں جی کے حجرے تک گئی ہے۔" رخشندہ کو جتنا معلوم تھا بتا دیا۔

"بے چاری لالہ!" توقیر بیگم اس قدر بے ڈھنگے پن سے ہنسی تھیں کہ رخشندہ کا دل پھڑکنے لگا۔ بھلا اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی؟

"کوئی فائدہ نہیں۔ جہاں مرضی [illegible] جائے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں نے جو کرنا تھا کر دیا۔ اپنی ضد پوری کی اور اسے اپنے [illegible] کی قبر میں قید کر دیا۔ ایسا ہی ایک [illegible] وہ پلیٹ کریں نے اپنے سارے [illegible] کر چکے ہیں۔ اب میرے دل [illegible] ہیں۔" وہ اپنے جسم سے لپٹی چادر [illegible] پھیرتے ہوئے عجیب ایب نارمل انداز [illegible] رہی تھیں۔ یوں کہ رخشندہ کا دل اور بھی [illegible] ہو گیا۔

"[illegible] بھی نہیں۔" وہ کپکپاتے لہجے میں بمشکل بولی۔ پسینے کے چند قطرے اس کے ماتھے پر ابھر آئے تھے۔

"تم بھلا کیسے سمجھ پاؤ گی۔ یہ تمہاری سمجھ سے اوپر کی بات ہے۔" انہوں نے پھر سے چادر کے پلو پر ہاتھ پھیرا۔

"اماں جی! میرے اندر بہت گھبراہٹ ہے۔ عجیب سے اندیشے اور وسوسے پریشان کرتے ہیں۔ جی چاہتا ہے یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ہر وقت وجود پر عجیب سی سستی چھائی رہتی ہے۔ سوتے میں یوں لگتا ہے کہ گویا کوئی سوئیاں چبھو رہا ہے۔" وہ اپنے خوف اور بے چینیوں کی وضاحت نہیں کر پائی تھی۔ خصوصاً جب وہ اپنے کمرے میں ہوتی تھی تب کچھ زیادہ ہی خوف اور گھبراہٹ اس پر سوار ہو جاتی تھی۔

"پریشان مت ہوا کرو۔ معوذتین پڑھا کرو نحوست ہے تعویذوں کی۔ میرے وظیفوں سے خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ اس کے سارے وار بیکار جاتے ہیں۔ کوئی عمل پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ اب تک مجھے قبر کی [illegible] کر [illegible]" توقیر بیگم کا انداز مبہم اور [illegible] پر اسرار [illegible] ہی [illegible] ہر کرتا؟" اس نے کلفت زدہ لہجے پر قابو [illegible]

"[illegible] سائیں جی سے تعویذ لا کر جلاتی ہے۔ [illegible] گری کے سارے وار بے کار گئے۔" انہوں نے [illegible] رشت سے کہا تھا۔

"کالے جادو کی نحوست سے تمہارا دل گھبراتا ہے۔ تم فکر نہ کرنا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس جابر کو مٹھی میں کر لو۔" انہوں نے باہر کو ابلتے ڈیلوں کو گھما کر دیکھا۔

"بھلا کیسے؟" اس نے خوف کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔

"بیوی ہو اس کی۔ اپنی مٹھی میں کر لو۔ جب وہ تمہارا ہو گیا تو پھر میں اپنی ساری جائیداد تم دونوں کے حوالے کر دوں گی۔ پر اس لالہ کو ایک دھیلا تک نہ دوں گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔" ان کے لفظ لفظ سے نفرت پھوٹ رہی تھی۔ اس نفرت کا حصار صرف لالہ کے ارد گرد تھا۔ نجانے ان ماں بیٹی میں کیسی عداوت چل رہی تھی۔ رخشندہ تو جتنا سوچتی تھی اسی قدر۔ الجھ جاتی۔

"لالہ سے آپ کی ناراضی چل رہی ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر سے پورے ڈیلے گھما ڈالے۔

"صرف ناراضی۔ نفرت ہے مجھے اس کتیا سے۔" انہوں نے حقارت کی انتہا کر ڈالی۔ فرش پر تھوک دیا۔

"نفرت؟ پر کیوں؟" اس کی نوک زبان پر سوال مچل رہے تھے۔

"سب پتا چل جائے گا۔ اس "جادوگرنی" نے جابر پر جادو چلا رکھا ہے۔ تعویذ گھول گھول پلاتی ہے۔ تبھی تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔ بس اس جادوگرنی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔"

"ایسا کیوں ہے؟ لالہ ایسا کیوں کرتی ہے؟" وہ



بے دلی سے بولا۔

"معصومہ جو بھی کر لے، جو بھی چاہے، باہر اولاد پھر بھی نہیں ہوگی۔"

"میرے دل پر آبلے پڑے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اس کا دل بھی آبلوں سے بھر جائے۔" ان کی سوتی آنکھوں میں دہشت ناچ رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران تھی۔ کوئی سگی ماں بھلا اپنی اولاد کے لیے ایسا سوچ سکتی تھی؟

"میری مرضی۔" ایک دم انہیں غصہ آگیا۔ تو وہ خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

رخشندہ کی شادی کے بعد پہلی مرتبہ نوشابہ بھابھی اس کے گھر آئی تھیں۔ دراصل بیٹی بیاہ کر کسی اور کی بیٹی کا بھی احساس ہو گیا تھا۔ پہلے تو لائبہ سے مہینے دو مہینے بعد ملاقات ہو جاتی تھی مگر اب لائبہ بھی طلاب کے ہمراہ یورپ فلائی کر گئی تھی۔ صرف فون تک رابطہ محدود ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے لائبہ سال دو سال سے پہلے تو نہیں آسکتی تھی۔ سو بھابھی گھر کی تنہائی سے عاجز آجاتی تھیں۔ باقی بھابھیوں کے پورشن الگ تھے اور پھوپھو اپنے بچوں اور گھر داری میں مصروف رہتی تھیں۔ مل جل کر بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔ آج ان کا بڑا دل گھبرایا تھا سو وہ رخشندہ سے ملنے کے لیے آگئیں۔

"تمہاری پھوپھی ساس کہاں ہیں رخشی!" وہ چائے وغیرہ بھی پی چکی تھیں مگر گھر کا کوئی فرد ان سے ملنے کے لیے نہیں آیا تھا۔ بھابھی کو تشویش ہو چلی تھی۔

"اماں جی تو کبھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آتیں بھابھی!" رخشندہ جو بھابھی کی آمد پر خوشی سے کھل رہی تھی، بے مزا سی بتانے لگی۔

"اور وہ شہزادی حسن آرا؟"

"وہ بھی ہمیشہ حجرہ نشین رہتی ہے۔" رخشندہ نے بے دلی سے بتایا۔

"کمال کی خوب صورت لڑکی ہے۔ مگر ابھی تک اپنے گھر میں کیوں بٹھایا ہوا ہے؟" نوشابہ نے فطری تجسس کے تحت پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔"

"کیوں نہیں پتا؟" نوشابہ نے تیکھے چتونوں سے گھورا۔ "احمق! حیام سے کہہ کر اسے چلتا کرو۔ چلتی پھرتی قیامت گھر میں رکھی ہوئی ہے۔" بھابھی کا انداز گھرکنے والا تھا۔

"یہ میرے بس میں ہے کیا؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔ "جن لوگوں کی اللہ ذمہ داری ہے۔ وہ ہی اتنے انجان بنے ہوئے ہیں۔ تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" رخشندہ نے دھیرے دھیرے اپنے سارے خدشے کہہ سنائے۔

"تم اپنی ساس سے بات کرو۔ وہ کیوں بیٹی کے بارے میں نہیں سوچتی۔" بھابھی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ رخشندہ کے سارے خدشے انہیں حق بجانب نظر آ رہے تھے۔ شادی کی اولین رات کے اس منظر کے علاوہ رخشندہ نے من و عن سب کچھ بھابھی کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"حیام کا رویہ کیسا ہے؟" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔ نجانے یہ فکر مندی دکھاوا تھی یا [illegible] اس کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔

"بس دھوپ چھاؤں جیسا۔"

"دیکھو رخشندہ [illegible] چکے ہیں۔ یہ بات ذاتی رہو [illegible] کرے سے خالی ہیں۔"

"[illegible] سے الگ کر بیٹھا رہتا ہے نا۔"

"[illegible] بتایا تو ہے آپ کو۔"

"[illegible] اپنے کمرے میں کیوں نہیں سوتا؟ تم کیسی بیوی ہو جو اس سے باز پرس بھی نہیں کرتیں۔" نوشابہ اسے [illegible] سست سنا رہی تھیں۔

"حیام کو عادت نہیں اپنے کمرے کے علاوہ کسی اور جگہ سونے کی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نوشابہ اس عجیب منطق پر تپ

آئیں۔ تو تم بھی حیام کے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"میں خود سے جا کیسے؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"جب تک حیام کو اپنے قریب نہیں کرو گی۔ وہ تم سے دور ہی بھاگے گا۔"

"میں حیام سے بات کروں گی۔"

"بات نہیں کرنی۔ منوانی ہے۔ اور ہاں' یہ لالہ کو بھی ٹھکانے لگانے کا سوچو..... ویسے تو بڑا دین دار گھرانہ ہے اور سنت' شریعت کی خبر نہیں۔ جوان بچی کو گھر بٹھا رکھا ہے۔" بھابھی نے لگے ہاتھوں اس کی برین واشنگ بھی کر دی تھی۔

"میں اماں جی سے بات کروں گی۔" اس نے گویا ارادہ باندھ لیا تھا۔

"ضرور کرنا' میں نوراں آپا سے کسی اچھے رشتے کی بات کروں گی۔" نوشابہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"چلتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔ حیام کے ساتھ ادھر کا چکر بھی لگانا۔ تمہارے بھیا بہت یاد کر رہے تھے۔"

"آج ادھر ہی رہ لیتیں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"پھر آؤں گی۔ تمہارے بھیا اکیلے ہیں۔ مانو' تمہارے اور لائبہ کے بغیر گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" جاتے جاتے وہ افسردگی سے بولی تھیں۔ بالآخر اندرونی اور بیرونی تنہائیوں نے نوشابہ کے بھی بل نکال کر رکھ دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

حیام اپنے کمرے میں لیٹا تھا۔ جب دروازہ کھول کر رخشندہ بااعتماد قدم اٹھاتی اندر آگئی۔ حیام اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم....."

"ہاں جی' میں..... اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے دو قدم کا فاصلہ طے کر کے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"کوئی کام تھا کیا؟" حیام ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"بغیر کام کے میں آپ کے کمرے میں نہیں آسکتی؟" اس نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"یوں مناسب نہیں لگتا۔" وہ اس سے نظر چرا کر بولا اور اٹھ گیا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں۔" رخشندہ جتا کر بولی۔

"سب جانتے ہیں مگر ہمارے خاندان میں اس چیز کو مناسب نہیں سمجھا جاتا۔"

"اس میں نامناسب کیا ہے؟"

وہ ایک دم تنگ ہو اٹھی۔ بھلا برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

"وہ دراصل لالہ کو برا لگے گا۔" اچانک حیام کے منہ سے پھسل پڑا۔ حالانکہ وہ یہ کہنا تو نہیں چاہتا تھا۔

"کیا برا لگے گا؟" وہ ترشی سے بولی۔

"دیکھو گھر میں لالہ موجود ہے۔ اس کے سامنے یہ سب معیوب لگتا ہے۔ تم جاؤ میں رات کو آؤں گا۔ تم نے جو بات کرنا ہو کر لینا۔" حیام کا انداز صلح جو قسم کا تھا۔ یعنی وہ جھگڑا یا بحث مباحثہ نہیں چاہتا تھا۔

"تو پھر ابھی چلیں۔" اس کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اب وہ ضد اور زور زبردستی سے اپنی منوانا چاہتی تھی۔ خاموش رہ کر بہت دیکھ لیا تھا۔

"پلیز رخشندہ!" حیام نے ہاتھ اٹھا کر ... بولنے سے روک دیا۔

"حیام! میری ... نہیں آتا۔ یہ چور ... کا کھیل ... میرے ساتھ ... تنگ کر لیا۔"

"پلیز ... سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ نرمی ... انداز میں بولا۔

"... کبھی نہیں ہو گا۔" رخشندہ نے ... نفی میں سر ہلایا۔ "جب تک لالہ یہاں موجود ہے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔"

"تو اس کا کیا کروں؟ گھر سے نکال دوں یا اس کا گلا دبا دوں؟" حیام نے خفگی سے کہا۔ خلاف معمول اسے غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ تحمل سے اس کی ہر بات کا جواب دے رہا تھا اور اگر بیچ میں لالہ ہوتی تو ضرور حیام نے بھڑک اٹھنا تھا۔

"آپ..... آپ اس کی شادی کر دیں۔ اسے دیکھ دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔" اس نے بالآخر کہہ ہی دیا۔ ویسے بھی لالہ کے بارے میں سوچ سوچ کر تو وہ نیم دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔ لالہ کی حیام سے بے تکلفی اور حیام کی فرمانبرداری اسے نجانے کیسے کیسے خدشات کا شکار کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔" حیام کو مسلسل خاموش دیکھ کر وہ چڑ گئی۔

"ابھی جاؤ..... لالہ کی آواز ... ہم اس موضوع پر پھر بات کریں ... ٹھیک ہے نا۔ تم تیار رہنا ..." وہ مزید رخشندہ کی کوئی بات سنے بغیر جلدی جلدی بول رہا تھا۔ رخشندہ نے بھی ... نہیں سمجھا تھا۔ حیام باہر نکل گیا تو وہ بھی ... باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کو بھیا اسے لینے کے لیے آگئے تھے۔ بقول ان کے شادی کے بعد وہ ایک دفعہ بھی ٹھیک طرح سے رہنے نہیں آئی سو رخشندہ پھر سے ادھر ہی تھی۔ حیام نے کہا تھا' وہ دفتر سے واپسی پر اسے لیتا جائے گا۔ رخشندہ اس کایا پلٹ پر بھی حیران تھی۔

نوشابہ بھابھی کے علاوہ دوسری بھابھیاں بھی خاصی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ رخشندہ کو یہ تبدیلی بہت بھاری تھی۔ یہ عزت' یہ محبت اور یہ آؤ بھگت صرف اور صرف حیام کے توسط سے ہی تو تھی۔ بھلا رخشندہ کی ان سب کی نظر میں حیثیت ہی کیا تھی۔

بھابھی کے مزاج میں بھی بہت تبدیلی آگئی تھی۔ رخشندہ کے لیے ان کے دل میں پیار امڈ آیا تھا۔ اب وجہ حیام کی شخصیت تھی یا پھر اس کا سسرالی وسیع و عریض گھر۔ جو بھی تھا۔ رخشندہ کے لیے ان کے رویے کا بدلاؤ بہت خوشگوار ثابت ہوا تھا۔ اب وہ اکثر میکے آجاتی تھی۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ رخشندہ کا قیام میکے میں ہی تھا جب ایک روز غنی چلا آیا۔ اگرچہ غنی اپنی پھپھو نوشابہ سے ناراض تھا مگر بھابھی کی اچانک بگڑ جانے والی طبیعت کے ... سے متاثر ہو کر آگیا تھا۔ بھابھی کسی طرح غنی کی ناراضی دور کر کے اسے پاکستان بلوانا چاہتی تھیں۔ بھابھی کی خواہش تھی کہ غنی پاکستان ان کے پاس آجائے۔ سو اسی لیے انہوں نے اپنی بیماری کے بہانے فون کر کے غنی کو بلوا لیا تھا۔ رخشندہ سمجھتی تھی کہ غنی نجانے کیسے ری ایکٹ کرے گا۔ اسے ہمیشہ کی طرح ہلکا پھلکا اور خوش مزاج دیکھ کر خود بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

غنی نے کہا بھی تو صرف اتنا۔

"مجھے دکھ یہ نہیں کہ تمہاری شادی کیوں ہو گئی۔ غصہ مجھے اس بات پر تھا کہ پھپھو نے میرا پروپوزل موجود ہونے کے باوجود حیام کو مجھ پر فوقیت دی۔ چلو' یہ بھی بات نظر انداز کر دوں پھر بھی پھپھو اور لائبہ کی اس سازش کو درگزر نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے بہت افسوس ہوا تھا یہ جان کر کہ تمہیں منظر سے ہٹانے کے لیے بھابھی نے اپنے گھر اور شوہر کی عزت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ خیر شکر ادا کیا کرو جو پھپھو کو احساس ہو گیا۔" وہ بلا کا منہ پھٹ تھا۔ نوشابہ بھابھی کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر ہر بات منہ پر مارتا چلا گیا اور بھابھی اتنی شرمندہ ہوئیں کہ بے چاری اٹھ کر چائے بنانے کا بہانہ کر کے منظر سے ہٹ گئیں۔

"بھابھی کی موجودگی کا ہی خیال کر لیتے۔ ایک شرمندہ بندے کو بار بار شرمندہ کرنا زیب دیتا ہے کیا؟ اور جو کچھ ہوا تھا۔ میں سب بھول چکی ہوں۔ اب پلیز غنی! تم بھی کسی بات کو مت دہرانا۔" بھابھی کے چلے جانے کے بعد وہ التجائیہ انداز میں غنی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں دہراؤں گا اعلیٰ ظرف رکھنے والے لوگو!" غنی نے گویا دہائی دی۔ یعنی وہ اس کی بات سمجھ چکا تھا۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ رخشندہ دل میں بغض اور کینہ رکھنے والوں میں سے نہیں ہے۔

"وہ تم ابھی تک اکیلے پھر رہے ہو۔" وہ ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ سو خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیوں ساتھ کسی دم چھلے کا ہونا بھی ضروری تھا؟" وہ غنی ہی کیا جو سیدھی بات کا سیدھا جواب دے۔

"تو اور کیا؟" بھابھی پھر آ گئیں۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کوئی میم شمیم بھی ساتھ ہو گی۔ اور ہماری خدمت کرے گی۔"

"پھوپھو جان! میری بیوی سے ایسی توقع مت رکھیے گا۔ اسے تو پانی بھی میں ہی گلاس میں ڈال کر دوں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"ہائے! ایسی زن مریدی۔" بھابھی اس کی جگت بازی کو بھی سچ ہی سمجھ گئی تھیں۔

"راحیل انکل کی پیروی کروں گا ان شاء اللہ۔" وہ برابر انہیں چڑا رہا تھا۔ "ابھی تک آپ کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔ پکڑ کر فون کھڑکا دیا ہے۔ آخری دیدار کر لو اپنی پھوپھی کا ورنہ پچھتاتے رہ جاؤ گے تمام عمر۔ نوشابہ بس آخری سانسوں پر ہے۔" غنی نے ہو بہو بھیا کی نقل اتاری تھی اور بھابھی نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے چپل اتاری۔

"یہ فائرنگ نہیں ہونی چاہیے پھوپھو! ورنہ میں واپس بھاگ جاؤں گا۔" غنی کا انداز دھمکی آمیز تھا۔

"اب نہیں بھاگنے دوں گی۔ پکا انتظام کروں گی۔ نوراں آپا کو بلا رکھا ہے۔" بھابھی نے بھی جواباً اسے دھمکایا۔

اسی پل اوپر سے آواز آئی تھی۔ بھابھی اٹھ کر اوپر والوں کی بات سننے چلی گئی تھیں۔ رخشندہ نے کچھ دیر غنی کے ہشاش بشاش چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر جھجکتے ہوئے بولی۔

"غنی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"کر لوں گا شادی بھی، جلدی کیا ہے۔ کہیں تم تو نہیں سمجھ رہیں کہ میں نے تمہارے لیے [illegible] رکھا ہے۔"

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول [illegible]" [illegible] سے اٹھنے لگی۔

"وہ بیٹھو بتاتا ہوں۔" غنی نے سرعت سے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ "پیاری رخشی! میں سمجھتا ہوں تم کیا جاننا چاہتی ہو۔ اصل میں بات یہ ہے کہ میں بڑا صاف گو بندہ ہوں۔ سیدھی اور سچی بات کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں شادی کے لیے ضرور پسند کیا تھا کیونکہ تم میں جتنی خوبیاں تھیں۔ وہ میں اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر ہمارے نصیب نہیں ملے۔ میں کل بھی تمہاری عزت کرتا تھا اور ہمیشہ کرتا رہوں گا کیونکہ تم بہت اچھی ہو رخشی! میں تم سے محبت نہیں کرتا تھا یا فیلنگز تمہارے لیے کچھ خاص قسم کی نہیں تھیں۔ ہاں! میں تمہیں، تمہاری اچھی عادتوں کی وجہ سے آج بھی پسند کرتا ہوں۔"

غنی نے بہت ہلکے پھلکے لہجے میں وضاحت کر دی تھی۔ سو اس کا دل کچھ اور بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ اور اب غنی اسے چھیڑنے اور چڑانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے لوگوں کو بھی بڑی بڑی خوش فہمیاں لاحق ہو جاتی ہیں۔" اب غنی نے کئی دنوں تک اس کا ریکارڈ لگانا تھا مگر بھلا ہو حیام کا جو عین اسے لینے [illegible] تھا۔ اور رخشندہ اسی خوشی میں گھر [illegible] میں چلی آئی تھی۔ جس کی خاموشیاں [illegible] عذاب، خواب یا آنسو اور درد [illegible] اس اونچی چھتوں والے کمرے کی [illegible] ہیں۔ مگر رخشندہ کے لیے [illegible] تھی کہ حیام اس کی طرف [illegible] سے ہی کسی متوجہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"[illegible] نے آپ سے ایک بات کہی تھی۔" رات کو [illegible] سے دروازہ کھلا تھا اور کوئی بے آواز قدموں سے اندر داخل ہوا۔ یہ ہیولا دھیرے دھیرے قریب آتا چلا گیا تھا اور پھر رخشندہ کے دائیں پہلو میں کسی ذی روح کے ہلکے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ رخشندہ بغیر دیکھے بھی جانتی تھی کہ اس کے پہلو میں لیٹنے والا کون ہے۔ اس نے یوں ہی آنکھیں موندے موندے کروٹ لی تھی اور اپنا ہاتھ حیام کے بازو پر رکھ دیا۔

"کون سی بات؟" حیام اس کی طرف متوجہ تھا۔

"بھول گئے ہیں کیا؟" اب کے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"پھر بھی بتا دو۔" وہ اس کی طرف [illegible] لیے سرگوشی نما آواز میں بولا تھا۔

"لالہ والے مسئلے [illegible] بات کی تھی۔"

"تمہیں لالہ کا [illegible] ضرور وجود [illegible] ہے۔ آخر؟" [illegible]

وہ جیسی آواز [illegible]

"ایک بات تو [illegible] نکال دیں۔ لالہ کا وجود کم از کم میرے [illegible] نہیں ہو سکتا۔" وہ ناگواری [illegible]

"تم [illegible] کوئی اور بات نہیں کر سکتیں؟"

[illegible] سے بولا۔

"[illegible] لالہ کے لیے کچھ اچھا نہیں سوچ سکتے؟"

[illegible] اپنا سوال داغ دیا۔

"کیا اچھا سوچوں؟"

"اس کی شادی کر دیں؟"

"کس سے؟ ہماری برادری میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں اور برادری سے باہر ہم لوگ رشتہ نہیں کرتے۔" حیام کے لہجے میں اب بھی خفگی نمایاں تھی۔ یعنی اسے لالہ کے بارے میں گفتگو کرنا پسند نہیں تھا۔

"تو آپ ہی کر لیتے۔" رخشندہ چیخ کر بولی۔ "کیا کمی ہے لالہ میں۔ سارے لالہ کے باغ کا حسن تو سمیٹے ہوئے ہے۔"

"میں تو تیار تھا مگر۔" حیام کہتے کہتے ایک دم رک گیا اور رخشندہ گویا سر سے پیر تک چونک گئی تھی۔

"مگر کیا؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" حیام کھویا کھویا سا تھا۔ جیسے غنودگی میں ہو۔ "لالہ کی بات نہ کرو، اپنی بات کرو مجھے نیند آ جاتی ہے۔"

"بتائیں نا۔" [illegible] کرتی رہی تھی مگر حیام کی جیسے نیند [illegible] کر کروٹ [illegible] تھا۔

[illegible] نہیں کر سکتیں تو پھر کسی اور کی بات [illegible] نیند میں ڈوبی ڈوبی آواز تھی۔

[illegible] کرتی۔ منہ سیدھا کر کے اپنی بات کر [illegible]" وہ مسلسل التجائیں کر رہی تھی۔ مگر حیام [illegible] میں منہ دیے لیٹا رہا۔

"حیام! سو گئے ہیں کیا؟" وہ اس کا شانہ ہلا ہلا کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"حیام!" وہ پریشان ہو گئی۔ مگر جواب پھر بھی ندارد۔ صرف چند منٹ میں وہ سو بھی چکا تھا یا پھر اس پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔

"حیام! آخر اتنی جلدی آپ کیسے سو گئے ہیں؟" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی تاکہ حیام کی نیند ٹوٹ جائے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ سوچنے پر رخشندہ کو خیال آیا تھا کہ اس کی آواز خاصی بھاری تھی۔ جیسے کوئی نیند میں اٹھ کر آ جائے۔ کھویا کھویا سا نیند میں دھت۔

"حیام!" اس کی آوازیں بھی حیام کی نیند توڑ نہیں پائی تھیں۔ "آخر مسئلہ کیا ہے؟ ابھی تو جاگ رہے تھے۔ کیا خفا ہو گئے ہیں؟" وہ مسلسل اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔

"حیام! میں رونے لگی ہوں۔" رخشندہ سچ مچ حواس باختہ سی رو پڑی۔ مگر دوسری طرف گویا کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا۔ وہ خوف زدہ سی اٹھ کر صوفے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دونوں پاؤں صوفے پر رکھے وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا تھا کہ اسے حیام پر دم کرنا چاہیے۔ سو وہ زور زور سے گھٹنے میں منہ دیے مختلف سورت مبارکہ کا ورد کرتی رہی۔ جب اس نے پھونک مارنے کی غرض سے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھایا تو اس کی گویا چیخ نکل گئی تھی۔

حیام اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ بالکل سیدھا، آنکھیں بند۔ ایک انداز سے چلتا ہوا۔ نیند میں

وقت۔

"یا اللہ خیر!" رخشندہ مارے خوف کے تھرا اٹھی۔

"حیام! نیند میں چل رہے ہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھی بیٹھی چیخی تھی۔ مگر حیام نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے ہینڈل بھی ایک انداز سے گھمانا چاہا تھا مگر دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا اور رخشندہ کی گویا چیخ نکل گئی۔

خوف کے مارے رخشندہ کے حواس سلب ہو گئے تھے۔ اس کے جسم میں ذرہ بھر حرکت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ خوف کے مارے اس کے ہونٹ تک نیلے ہو رہے تھے۔ مگر وہ کھلے دروازے سے باہر کے منظر کو دیکھنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

یہ دروازہ خود بخود نہیں کھلا تھا۔ بلکہ اسے کھولا گیا تھا اور دروازہ کھولنے والی عورت کو دیکھ کر رخشندہ کی چیخ نکل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں نے ایک بڑا ہی عجیب منظر دیکھا تھا۔ دروازے کے چوکھٹے میں لالہ رخسار کھڑی تھی۔ مکمل دلہن کے روپ میں سرخ بھڑکیلا اور بے انتہا قیمتی لہنگا پہنے ہوئے اور یہ لہنگا یہ عروسی لباس رخشندہ کا تھا مگر لالہ کے پاس کیسے پہنچ گیا؟ زیورات، گہنے اور پھولوں کے ہار، گجرے پہن کر لالہ مکمل طور پر دلہن بنی کھڑی تھی۔ یہ زیورات بھی رخشندہ کے تھے اور لالہ کے وجود سے اٹھنے والی پرفیوم کی خوشبو سے رخشندہ کا کمرا بھر گیا تھا اور یہ خوشبو بھی رخشندہ ہزاروں خوشبوؤں میں سے پہچان سکتی تھی۔ یہ گہنے، لباس اور یہ پرفیوم رخشندہ کا تھا اور انہیں چوری کرنے والی رخشندہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

"یعنی لالہ نے میرا سامان چوری کیا؟" پردہ تھا جو رخشندہ کی نظر کے سامنے سے ہٹ گیا۔ لالہ بہت خوب صورت تھی اور رخشندہ کے عروسی لباس نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔ [illegible] میں ٹینٹ نما چادر کو لپیٹے پورا دن عبا [illegible] رہنے والی لالہ رات کے اندھیرے [illegible] کر کھڑی تھی؟ کیوں؟ کس لیے؟ یہ سارا ہار سنگھار کس لیے تھا؟ یہ صرف آج کی بات تھی یا پھر لالہ کا معمول ہی یہی تھا؟ بہت سے سوالیہ نشان تھے جو اس کے ارد گرد چکرا رہے تھے۔

جو بھی تھا مگر ایک بات روز روشن کی طرح سے عیاں ہو چکی تھی کہ رخشندہ کی چیزیں صدیقہ نہیں بلکہ لالہ رخسار چراتی تھی۔

صوفے پر بیٹھے بیٹھے اس نے لالہ کو حیام کا ہاتھ تھام کر واپس پلٹتے دیکھا تھا۔ لالہ سہج سہج قدم اٹھاتی حیام کے کمرے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر اسے بیڈ پر بٹھانے کے بعد کچھ دیر کھڑی رہی۔ حیام خود بخود لیٹ گیا تو وہ فتح مندی کے احساس سے سرشار باہر نکل آئی تھی۔ اب وہ مرچیں جلا کر حیام کے دروازے کے ارد گرد دھونی دے رہی تھی۔ اتنی ناگوار بدبو تھی کہ رخشندہ کے کھلے دروازے سے بھی اندر تک چلی آئی۔ مگر رخشندہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر دروازہ ہی بند کر لیتی۔ اس کا ذہن ایک دم کسی غبار سے بھرنے لگا تھا۔ شاید مرچوں کی بدبو کا اثر تھا۔ لالہ کی خون رنگ آنکھوں کی ساری سرخی رخشندہ کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ اور وہ اس غبار کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش میں ناکام ہوتے ہوئے صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ حیام کے [illegible] کھلی تھی۔ وہ اس کے قریب ہی [illegible] اس کو اپنے گالوں پر محسوس [illegible] آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپ [illegible]" [illegible] کر بیٹھ گئی۔

"[illegible] سو رہی ہو؟ بیڈ پر سوتیں نا۔" وہ نرمی سے [illegible] رہا تھا۔ رخشندہ لب بھینچے بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔ حیام یقیناً رات کی ہر بات بھول چکا تھا اور رخشندہ کو اسی فکر اور اندیشے نے متوحش کر رکھا تھا کہ حیام کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے اور لالہ رخسار بھلا کیا چاہتی ہے؟ دن بھر بہروپ بھر کر ملنگوں جیسے حلیے میں پھرنا بھلا کیا معنی رکھتا تھا اور رات کو چوری کیے گئے سامان سے بار سنگھار کرنا۔ "خصوصاً" حیام کے بارے میں تو وہ اور بھی فکر مند ہو رہی تھی۔ کیونکہ رات کو نیند کی حالت میں چلنا اور باتیں کرنا حیام کو یاد ہی نہیں رہتا تھا۔ "اصل پریشان کن صورت حال ان دونوں کا رویہ تھا۔" خصوصاً لالہ تو پورے ہوش و حواس میں نجانے کون کون سے ٹونے کرتی تھی۔ اور نجانے یہ بھی ان کی کوئی خاندانی روایت تھی کہ رات کو جاگ جاگ کر دیواروں پر پانی کے چھینٹے مارنا "مگر مرچیں [illegible] جلانا" [illegible] وہ اس وقت بھی بہت سوچ سمجھ کر [illegible] گفتگو کا آغاز کیا۔

"رات کو آپ کہاں [illegible]"

"نہیں! اپنے [illegible] شاید طبیعت کچھ بھاری تھی۔" حیام نے سادگی سے بتایا۔ وہ ابھی بھی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا اور اس کا ہاتھ نرمی سے [illegible] ہوئے نجانے کیا سوچ رہا تھا کہ رخشندہ کی آواز پر [illegible]

"مگر آپ تو میرے کمرے میں تھے؟" رخشندہ نے سوچ سوچ کر کہا۔

"نہیں تو میں اپنے کمرے میں تھا۔" حیام نے الجھ کر جواب دیا۔

"پہلے آپ یہاں تھے۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔"

"ایسے کس طرح سے ہو سکتا ہے؟ میں اگر اٹھ کر یہاں سے جاتا تو مجھے کیا اتنی سی بات بھول جاتی ہے؟" حیام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ رخشندہ سوچ میں گم ہو گئی تھی کہ لالہ کا ذکر چھیڑے یا نہ چھیڑے۔ اور پھر اس نے لالہ کے خیال تک کو بھی ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

"آپ آج دفتر نہیں جائیں گے؟"

"جانا تو ہے مگر تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" حیام کی نظریں اس کے پر سوچ چہرے اور تھکی تھکی آنکھوں پر تھیں۔

"بس ایسے ہی سستی فیل ہو رہی ہے۔ ذہن بھاری ہے۔"

"آپ کے لیے ناشتہ لاؤں؟" وہ اٹھ کر چپل پہننے لگی۔

"ناشتہ تو لالہ نے بنا لیا ہے۔ میں تمہیں لینے کے لیے آیا تھا۔ فریش ہو کر باہر آجاؤ۔ پھر اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں۔" حیام نرم لہجے میں بولتا ہوا کس قدر اپنا اپنا لگ رہا تھا۔ رات سے قطعاً مختلف۔ کاش ہمیشہ ایسے ہی رہتا وہ۔ رخشندہ نے تھکے تھکے ذہن سے سوچا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ہال کمرے میں آئی تو لالہ کی بڑی فریش فریش آواز سنائی دی۔

"[illegible] آج دیر ہو گئی حیام!"

"ہوں۔" حیام نے محض ہنکارا بھرا۔ رخشندہ غیر محسوس انداز میں اس کے قریب بیٹھ گئی تھی اور لالہ کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

"لالہ! میرے لیے بھی ناشتہ لاؤ۔" رخشندہ اس کے تاثرات کا اچھی طرح سے جائزہ لے کر بولی۔

"صدیقہ سے کہو بنا دے۔ تمہارا ناشتہ ابھی نہیں بنا۔" لالہ نے نجانے کس دل سے جواب دیا تھا۔ رخشندہ کو اس کے لہجے کی تلخی نے واضح مزا دیا تھا۔

لالہ رکھائی سے بولی۔ "آئندہ اپنا ناشتہ خود بنایا کرو۔"

"جی بہتر۔ میں اپنا اور حیام کا ناشتہ بنا لیا کروں گی۔" اس نے فوراً" فرماں برداری سے کہا تھا اور لالہ اسے خوامخواہ گھورنے لگی۔

"ابھی تو میرا کچن میں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا اور صدیقہ بھی نہ جانے کہاں ہے؟" رخشندہ بڑی سی کچن میں کھلنے والی کھڑکی سے جھانک کر بولی۔ "میں حیام کے ساتھ ناشتہ شیئر کر لوں گی۔"

وہ جان بوجھ کر لالہ کو چڑا رہی تھی اور جب حیام آفس جانے لگا تو لالہ چپکے سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ یقیناً "دوسرے دروازے سے پورچ تک جانے کا ارادہ تھا۔ مگر اس سے بھی پہلے رخشندہ" حیام کے ہمراہ ہی گیراج تک چلی آئی تھی "اور جب وہ مسکراتے ہوئے حیام کو خدا حافظ کہہ رہی تھی تب لالہ نے اس منظر کو

وحشت کے عالم میں اسے دیکھا تھا اور پھر گویا پتھر ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

"ایک بات کہوں حیام!" رخشندہ اپنے ہاتھوں اور چہرے کا مساج کر رہی تھی۔

"جی فرمایئے؟" وہ لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا۔ آج وہ سرِشام ہی اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ اور رخشندہ کو یہ تبدیلی بہت بھلی لگی تھی۔ یہ کیا بندہ چوروں کی طرح اپنے ہی کمرے میں جانے کے لیے رات گہری ہونے کا انتظار کرے۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ میری بات پر آپ کو کتنا یقین آئے گا؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ چونکا۔

"بتائیں نا' آپ میری بات پر کتنا یقین کرتے ہیں؟" رخشندہ نے اصرار کیا۔

"کچھ وضاحت کرو گی تو پتا چلے گا۔"

"اچھا چھوڑیں لے 'فی الحال اس بات کو رہنے دیں' یہ بتائیں آپ کو کچھ کہوں 'مطلب آپ کی ذات کے حوالے سے' آپ کو برا تو نہیں لگے گا؟"

"نہیں' برا کیوں لگے گا' مگر آپ فرمانا کیا چاہتی ہیں؟" حیام بھی پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"پہلے بتائیں' آپ غصہ تو نہیں کریں گے۔"

"نہیں یار!" وہ زچ ہو اٹھا تھا' "تمہیں جو بات کہنا ہے کہہ دو۔"

اس کی سوچیں اس وقت بھی منتشر تھیں' یہ یقین تو ہرگز بھی نہیں تھا کہ اس قدر اپنائیت سے بات کرنے والا حیام رات تک اسی موڈ میں رہے گا۔ حالانکہ مہینے کی آخر راتوں سے تو رخشندہ بے حد خوف زدہ رہنے لگی تھی' جب لالہ کی آنکھیں بھی لال بوٹی ہو جاتی تھیں۔ اور گھر میں بھی ہر طرف دھواں سا [illegible] اور سب سے بڑی بات حیام کی ذہنی [illegible] تھی۔ عجیب گم صم سی کیفیت میں [illegible] تب رخشندہ کا دل اس گھر سے [illegible] کو چاہتا۔

"ارے' کہاں گم ہو گئیں؟" حیام نے اسے ٹہوکا دے کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ سوچوں کو جھٹک کر حیام کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"حیام! میرا ذہن سوچ سوچ کر تھکنے لگا ہے' مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ میں کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پاتی۔" وہ بے قراری سے بولتی چلی گئی۔

"خواہ مخواہ خود کو مت الجھاؤ' جتنا سوچو گی خود کو اتنا ہی پریشان کرو گی۔"

"مجھے آپ کا راتوں کو اٹھ کر چلنا اور بولنا وحشت زدہ کرتا ہے حیام! آپ بالکل بھی نارمل ری ایکٹ نہیں کرتے' آپ کو یاد نہیں ہے۔ رات کو آپ یہاں سوئے تھے' مگر پھر خود ہی اٹھ کر چلے بھی گئے اور صبح آپ کو یاد بھی نہیں رہتا' آپ کو نہیں لگتا آپ کے ساتھ کوئی سائیکی پرابلم ہے۔" جھجکتے ہوئے رخشندہ نے کہہ ہی دیا تھا۔

"پہلے تو نہیں' البتہ اب مجھے بھی یہی محسوس ہونے لگا ہے۔" حیام نے بھی گویا تسلیم کر لیا تھا۔ "میں خود کو اعصابی دباؤ کا شکار محسوس کرنے لگا ہوں' یہ ہم دونوں کی فیلنگز ایک ہیں' مگر یہ فیلنگز ایسی ہیں کہ ہم دونوں ہی ان محسوسات کی وضاحت [illegible] رہے' کچھ تو ہے' جو غیر واضح اور [illegible] الجھا رہا ہے' کچھ تو ہے' جو ہمارے ذہن [illegible] کے دشمن نہیں ہو رہا ہے۔"

وہ [illegible] رہا تھا۔ [illegible] صبر اور تحمل کے ساتھ پردے میں [illegible] واضح چیزوں کے عیاں ہونے کا انتظار کر رہی [illegible]

"میرا ذہن سویا سویا رہتا ہے' میں کئی کئی گھنٹے کی نیند لینے کے باوجود خود کو سویا ہی سمجھتا ہوں' یوں لگتا ہے کہ جاگنے کی وجہ سے میری نیند پوری نہیں ہو رہی۔" وہ الجھے الجھے انداز میں کہہ رہا تھا اور رخشندہ بہت دھیان سے اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے حیام کے سامنے ایک حل پیش کر دیا تھا' جسے اس نے پس و پیش کے بغیر ہی سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

"میں کسی سائیکاٹرسٹ سے بات کروں آپ کے لیے؟"

"میں خود دیکھ لوں گا' کسی کے ساتھ کانٹیکٹ کر لیتا ہوں۔" حیام نے پر سوچ انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

"اگر آپ کہیں تو غنی سے بات کروں' وہ [illegible] اور خوش مزاج ماہر نفسیات ہے' مجھے لگتا ہے وہ ایک اچھا معالج ثابت ہو گا۔ فی الحال [illegible] ہی ہے' ابھی واپسی کا ارادہ [illegible] ہے غنی یہاں [illegible] اگر رہے' اور پھر [illegible] بھی دے۔ اس کا مشاہدہ [illegible] وسیع ہے۔ وہ یقیناً ہماری مدد [illegible] گا۔"

رخشندہ [illegible] بولتی چلی گئی تھی۔ غنی سے اس [illegible] بے تکلفی اور دوستی تھی اور رخشندہ اس لیے [illegible] تھی کہ وہ ہر بات کھل کر غنی سے کر سکتی تھی۔ حیام نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ یعنی وہ رضامند تھا۔ اور رخشندہ اور بھی پرامید ہو گئی تھی۔ وہ تو اسی سوچ میں خاصا وقت ضائع کر چکی تھی کہ سائیکاٹرسٹ کا مشورہ کہیں حیام کو برا نہ لگے' وہ غصہ نہ کر جائے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ حیام اتنی آسانی سے خود بخود مان جائے گا۔ مگر یہ یقین تھا کہ غنی اس کی بے شمار پرابلمز حل کر دے گا۔ اور اسی یقین کے بل بوتے پر اس نے غنی کو فون کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"پھوپھو! یہ آپ نے میرے لیے پراٹھا بنایا ہے؟" صدمے سے ٹوٹی پھوٹی یہ آواز زرگون غنی کی تھی۔ وہ اسٹول پر بیٹھا پاؤں ہلا رہا تھا' مگر نظریں ہنوز میز پر رکھی پلیٹ پر مرکوز تھیں۔ ادھ جلا سا کچا پکا پراٹھا غنی کی نخریلی طبیعت کی وجہ سے ابھی تک ان چھوا رکھا تھا۔

"تو اور کیا ہے؟ آنکھیں کھول کر دیکھو۔" نوشابہ پہلے ہی شدید گرمی کی وجہ سے تپی ہوئی تھیں۔ اوپر سے لاڈلے بھتیجے کے انداز کی بناء پر انہیں تو رونا کر افسوس ہوا تھا کہ [illegible] کی اتنی لڑکی محض حسد اور کینگی کے باعث [illegible] نکال دی ہے۔ رخشندہ ہی تھی جو [illegible] کا چمن سنبھالے ہوئے تھی بلکہ غنی کی [illegible] بڑے ہی تحمل سے پورا کر دیا کرتی تھی۔ [illegible] نوشابہ تو ایک ہفتے میں ہی غنی کی نکتہ چینی سے طبیعت سے گھبرا اٹھی تھیں۔ اب تو صرف اور صرف پچھتاوا تھا جو ہاتھ ملنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اتنا تو وہ جانتی تھیں کہ اگر غنی کی رخشندہ سے شادی ہو جاتی تو پھر غنی نے آئرلینڈ جانے کے بجائے اپنا کلینک یہیں سیٹ کر لینا تھا اور راحیل نے غنی کو الگ تو نہیں رہنے دینا تھا' ساتھ رہنے سے رخشندہ نے گھر بار تو سنبھالے رکھنا تھا۔ اور وہ پھر سے گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتیں۔ مگر ہائے افسوس۔ اب بھلا کیا ہو سکتا تھا۔

پچھلے ہفتے رخشندہ تین چار گھنٹوں کے لیے آئی تھی اور تین چار سالن بنا کر فریز کر گئی تھی۔ مگر اس غنی خبیث کو نجانے کیسے خبر ہو گئی۔ نوشابہ کی کاہلی اور سستی کا اس نے ریکارڈ لگا دیا تھا۔ اس وقت بھی پراٹھے کا ایکسرے کرنے کے بعد اور ہر زاویے سے جائزہ لے کر اس نے پلیٹ پرے کھسکا دی۔

"آپ جانتی ہیں۔ میں عین جوانی کی بہاروں میں اس دنیا کو گڈ بائے کہہ دوں' جبھی یہ ٹیڑھا میڑھا اور خوب موٹا سا پراٹھا نہیں کھا سکتا۔"

"تو نہ کھاؤ' بھوکے رہو۔" وہ پسینے سے تر بتر پیشانی پونچھ کر دھپ سے اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔ "اس عمر میں باورچی خانے میں گھسنا پڑتا ہے۔ رخشندہ اور لائبہ بھی چلی گئیں۔ خیر بیٹیوں کو اپنے گھروں میں جانا ہی ہوتا ہے۔ مگر یہی کوئی ہاتھ پیر ہلاؤ۔" انہوں نے منہ پھلا کر بیٹھے غنی کو گھور کر دیکھا۔

"میں تو کب سے ہاتھ پیر ہلا رہا ہوں۔ مگر کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ٹیبل بجا بجا کر انگلیاں تھک گئی ہیں۔ اور ٹانگیں جھلا جھلا کر پیر ٹوٹ گئے۔ اور سامنے

کیا آیا کیا گیا [illegible] وہ ان کی بات اچھی طرح سمجھنے کے بعد جو مسکرایا تھا۔

"غنی! میری جان کیوں ستاتے ہو؟ اگر کوئی لڑکی تمہاری نظر میں ہے تو بتادو۔ میری پسند کی ہوئی تو لڑکی تمہیں بھاتی نہیں۔" نوشابہ نے دکھتی ناکوں پر ہاتھ رکھے عاجزی سے التجا کی تھی۔

"جو نظر میں تھی اسے آگے چلتا کردیا۔ اب میں بھلا کس کس لڑکی کو تاڑتا پھروں؟" غنی فریج میں سے جوس کا ڈبا نکال کر گلاس بھرنے لگا۔ "اللہ کی قسم! ایسا لقمہ تھا رخشندہ کے ہاتھ میں۔"

"اچھا ہوا! تم اس کے متھے نہیں لگے۔ بے چاری کی اگلی زندگی بھی باورچی خانے میں گزر جاتی تھی۔" نوشابہ نے بے ساختہ سچ بول دیا تھا اور غنی کو گویا کھانسی آگئی۔

"آپ نے ٹھیک کہا پھوپھو! پچھلی اور اگلی زندگی اس کی کچن میں ہی گزرنی تھی۔" غنی نے پچھلی زندگی پر خاصا زور دے کر کہا تھا، تب ہی تو نوشابہ جزبز ہو گئیں۔

"تم نا، مجھ سے پٹ کر رہو گے غنی!" نوشابہ نے اس کے کندھے پر زوردار دھپ لگائی۔

"خالی پیٹ مارتی رہیں بے چارے یتیم بھتیجے کو۔" غنی نے چھوٹے منہ سے ایک دفعہ پھر پراٹھے کو دیکھا اور نظر چرالی۔

"غنی! کچھ میری حالت پر بھی ترس کھاؤ۔" نوشابہ رو دینے کو ہو گئیں۔ "یہ تیرا پراٹھا بنایا ہے تمہارے لیے جو تمہیں پسند نہیں آیا۔"

"سنو کو کوکنگ میں ایکسپرٹ کرنے کے بجائے کبھی خود بھی ہاتھ ہلا لیتا تھا نا۔" غنی نے شرارتی لہجے میں کہا۔ "تمہارا وقت بے چاری کو چولہے میں جھونکے رکھتی تھیں۔ اس نے تو شکر کیا ہو گا یہاں سے گئی ہے۔ سوا لاکھ آیت کریمہ پڑھا ہو گا۔" غنی کی زبان پھسل پھسل جارہی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" [illegible] جزبز ہو گئیں۔

"ضرور ایسی بات ہو گی۔ ویسے میں نے سنا ہے رخشندہ کی ایک پھوپھی ساس اور ان کی عجیب سی پراسرار قسم کی بیٹی بھی موجود ہے۔ بے چاری رخشندہ کو کچن کی نذر کردیا ہو گا انہوں نے۔"

"نہیں تو۔" نوشابہ فوراً پرجوش ہو گئیں۔ "مہارانیوں کی طرح رہتی ہے رخشندہ وہاں۔ کام نہ کاج، سارا دن فراغت میں گزرتا ہے۔ اتنی بڑی گدی کے وارث ہیں وہ لوگ۔ اتنی جاگیریں اور زمینیں ہیں، روپے پیسے کی کمی نہیں۔ ایک ملازمہ چوبیس گھنٹے خدمت کے لیے موجود رہتی ہے۔ سچ پوچھو تو رخشندہ کے لیے توراں آپا نے بڑا اچھا رشتہ ڈھونڈا تھا۔ بڑے اچھے لوگ ہیں، باوقار، وضع دار۔"

"کبھی ان باوقار، وضع دار لوگوں سے میری بھی ملاقات کروا دیجیے، رخشندہ کی پھوپھی ساس سے اپنے لیے دعا کرواؤں گا۔" غنی نے ہنسی چھپا کر سنجیدگی سے کہا تھا۔

"واقعی؟ کروا دینا کوئی لڑکی تمہیں پسند آ ہی جائے۔ ویسے دونوں ماں بیٹی پردہ کرتی ہیں۔ میری تو رخشندہ کی شادی کے بعد ایک بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ان سے بس لالہ ایک دفعہ دکھائی دی تھی۔ [illegible] ہے ماں بیٹی دونوں کی صورت شکل میں بڑا فرق [illegible] ایسی موہنی صورت ہے لالہ کی۔ میرا تو [illegible] لگا تھا۔ ویسے اگر تم لالہ کو دیکھ لو [illegible] کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ بھلا [illegible] ہو سکتا تھا۔ وہ سید خاندان کی لڑکی [illegible] بیٹی کا رشتہ کرنا وہ لوگ کبھی [illegible] سمجھتے۔ اس معاملے میں انتخاب [illegible] ہے۔ پھر اس قسم کی سوچ رکھنا بھی [illegible] حماقت تھی۔ نوشابہ نے سر جھٹک کر [illegible]

"آپ کچھ فرما رہی تھیں؟" غنی جتنا لاپروا نظر آتا تھا، اتنا لاپروا تھا نہیں۔ نوشابہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"مطلب کی بات خوب سمجھ لیتے ہو۔"

"دراصل لفظ خوب صورتی میں دل تھوڑا سا اٹک گیا ہے۔ موہنی صورت، بلا کی خوب صورت۔" وہ اچک کر جوش سے بولا۔

"فضول مت بکو۔ وہ لوگ پردے کے خاصے پابند ہیں۔" نوشابہ سنجیدہ ہو چکی تھیں۔

"اور میں کون سا محترمہ لالہ رخسار کو دیکھنے پر لے جانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"توبہ کرو۔" نوشابہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"پر میں ان کے دربار اقدس پر حاضری دینے ضرور جاؤں گا۔" اس نے خود سے گویا عہد کیا۔

"چلے جانا... ہزاروں لوگ وہاں جاتے ہیں۔ [illegible] رخشندہ کا گھر بار بھی دیکھ کر آنا۔ [illegible] ہے۔ ستائیس [illegible] لوگ ہیں صرف غنی سے [illegible] خاموشی ایسی کہ دل گھبرا اٹھے [illegible] بے چاری ہے رہتی ہے [illegible] کے گھر سے اٹھ کر سناٹوں میں جا کر رہنا [illegible] ناممکن بھی ہے۔ مگر شان و شوکت بھی تو کمال کی ہے۔ رخشندہ کا نصیب بڑا اونچا [illegible] دل ہی دل میں نوشابہ خیام کے حسب نسب [illegible] متاثر تھیں۔

"تو پھر کسی دن چلیں گے پیر صاحب کے دربار پہ حاضری دینے۔ خیام سے بھی بڑے دن ہوئے ہیں ملاقات نہیں ہو سکی۔" غنی نے فوراً ہی پروگرام بھی ترتیب دے لیا تھا۔ مگر رخشندہ کا خود بخود فون آگیا۔

☼ ☼ ☼

اتفاق سے فون غنی نے اٹینڈ کیا تھا۔ اور رخشندہ کے گویا من کی مراد بر آئی تھی۔

"شکر ہے غنی! تم مل گئے۔" غیر متوقع غنی کی آواز سن کر رخشندہ کھل اٹھی تھی۔

"میں کیا گم ہو گیا تھا رخشی؟" وہ غنی ہی کیا جو سیدھے سوال کا صحیح جواب دے۔

"ویسے آپ کو آج بہت یاد فرما رہے تھے ہم لوگ۔"

"بھابھی ہیں کہاں؟" رخشندہ نے پوچھا۔

"وزٹ پر نکل گئی ہیں۔"

"تم... تم فارغ ہو غنی؟" رخشندہ نے ابھی کی غیر موجودگی کے بارے میں [illegible] کر لینے کے بعد پوچھا۔

"ہاں غنی تو فارغ ہی [illegible] کہیں کچھ کام ہے؟"

"تم... [illegible] ہو گے؟" وہ سوچتے ہوئے بول رہی [illegible] وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ غنی سے [illegible] کس طرح سے بات کرے۔ اسی [illegible] وہ غیر ارادی طور پر بولے جا رہی تھی۔

"کیوں تم نے مجھے ایئرپورٹ پر سی آف کرنے جانا [illegible]"

"پلیز غنی!" وہ زچ ہو گئی۔

"اچھا وہ بات کرو جس کے لیے فون کیا ہے۔" غنی نے نرمی سے پچکارتے ہوئے کہا تھا یعنی وہ جانتا تھا کہ رخشندہ بے وجہ کے فون نہیں کر سکتی۔

"دراصل غنی مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے۔" وہ اپنے لہجے کی پریشانی چھپاتے ہوئے بولی۔

"کوئی پرابلم ہے رخشی؟" غنی نے نرمی سے پوچھا تھا۔ وہ اس کے لہجے کی پریشانی محسوس کر چکا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

"او کے میں چکر لگاؤں گا۔ پھوپھو بھی آئیں گی میرے ساتھ۔"

"نہیں غنی! تم اکیلے آنا پلیز!" رخشندہ نے بے ساختہ کہا اب کے وہ کچھ چونک گیا تھا۔

"او کے جناب! کوئی اور حکم؟" وہ انکساری سے بولا۔

"اور بس، ضرور آنا ٹھیک ہے نا۔" رخشندہ نے پھر سے یاد دہانی والے انداز میں کہا تھا۔ اور پھر فون رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

رخشندہ نیل پالش لگا رہی تھی جب دروازہ کھول کر خیام اندر داخل ہوا۔ خلاف توقع وہ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔ سو رخشندہ کو بھی کچھ تشویش ہونے لگی۔

"خیریت تو ہے؟" وہ فی الفور اپنا مشغلہ ترک کر کے خیام کے پاس چلی آئی۔

"بالکل خیریت ہے۔" حیام ٹائی کی ناٹ کھول کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آج آپ جلدی آ گئے ہیں؟" رخشہ نے کارپٹ پر بیٹھ کر حیام کے جوتے اتارے تھے۔ کوٹ اور فائلوں والا بیگ الماری میں رکھا۔

"ہوں۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے تھا یعنی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر وہ خود کو بشاش ظاہر کر رہا تھا، رخشہ کچھ پریشان ہو گئی۔

"حیام! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کر شرٹ اتارنے لگا تھا۔ پھر اس نے ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کر لیا۔ "بہت گرمی لگ رہی ہے۔ اسکواش بنا کر لاؤ۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا تھا۔

رخشہ فوراً سر ہلا کر کچن میں آ گئی تھی مگر کچن میں پہلے سے ہی لالہ موجود تھی۔ اور عجیب حلق میں چبھنے والی بدبو بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی نجانے آج لالہ نے کیا جلایا تھا۔ تعویذ یا پھر کوئی اور چیز مسر سوتھ وغیرہ۔

"کیا چاہیے؟" لالہ بغیر اس کی طرف دیکھے پوچھ رہی تھی۔

"اسکواش" اس نے جگ میں پانی ڈالا تھا۔ اور چینی کا ڈبہ اٹھایا۔

"حیام اسکواش نہیں پیے گا۔" لالہ نجانے سفید میدے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں کیوں بنا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی مگر بلاشبہ مخاطب رخشہ ہی سے تھی۔

"انہوں نے مجھے خود اسکواش بنانے کے لیے کہا ہے۔" رخشہ نے ڈبے کا ڈھکن کھول کر چینی گھولنا شروع کر دی تھی۔ مگر لالہ کی آواز نے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو پل بھر کے لیے روک دیا۔

"مگر اب وہ اسکواش نہیں پیے گا بلکہ چائے پیے گا اور ساتھ یہ میٹھی گولیاں کھائے گا۔" لالہ نے [illegible] میں تیل ڈال کر وہ چھوٹی چھوٹی گولیاں تلنا شروع کر دی تھیں۔ ایک چولہے پر چائے [illegible] رہا تھا۔

"حیام چائے نہیں بلکہ اسکواش پییں گے تم اتنا تردد نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔" رخشہ نے انتہائی کڑوے لہجے میں کہا تھا۔ دراصل جب سے اس نے لالہ کو اپنا عروسی لباس پہنے دیکھا تھا اور اسے پتا چلا تھا کہ اس کا سامان کسی اور نے نہیں بلکہ لالہ نے چرایا تھا۔ تب سے ہی اسے لالہ سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ اور اوپر سے اس کے حیام پر حق جتانے والے انداز رخشہ کو آگ بگولہ کر دیتے تھے۔

"میں نے کہا نا میری جان! حیام چائے پیے گا صرف اور صرف چائے۔" لالہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ لالہ!" رخشہ سلگتے دل کو تھپکنے اور صبر کا درس دیتے ہوئے بڑے ترش مگر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔ اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے۔ غیر ارادی طور پر وہ جگ میں چمچہ ہلائے جا رہی تھی۔

"پوچھ لو ایک کی بجائے کتنی باتیں پوچھ لو۔" اس نے گویا رخشہ کی ہنسی اڑائی تھی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو لالہ؟"

"میں کیا چاہتی ہوں؟ بہت جلد تم پر واضح ہو جائے گا۔ ابھی تم اپنا کام کرو اور جاؤ۔" لالہ ایک [illegible] کٹھور بنی کھڑی تھی۔

"تم کیا چیز ہو لالہ! تم دن میں کچھ [illegible] اور رات میں کچھ اور جو [illegible] ہو۔ تمہارا [illegible] ہے؟" غصے اور نفرت کے احساس [illegible] آنکھوں کو لہو رنگ کر دیا تھا۔

"میں [illegible] تمہارا خون چوس لوں گی۔"

لالہ [illegible] اور پھر کڑاہی میں ایک ساتھ ساری گولیاں ڈال کر [illegible] تھی مگر اس کی بات سنے بغیر رخشہ [illegible] اور گلاس اٹھا کر باہر نکل چکی تھی۔ لالہ [illegible] محض تین سیکنڈ بعد اس کے کمرے کا رخ کیا تھا اور جب وہ بغیر دستک دیے ان کے کمرے میں ٹرے ہاتھ میں پکڑے داخل ہو رہی تھی۔ تب اس نے حیام کو کہتے سنا۔

"یہ کون مرچوں کو سلگا رہا ہے۔ عجیب بو ہے جو میری ناک میں گھس کر دماغ کو چڑھ رہی ہے۔" حیام کی آنکھوں کی سرخیاں مرچوں کی اوپری جلد کے ہم رنگ ہو رہی تھیں۔ حیام اس بو کو محسوس کرتے ساتھ ہی غصے سے بپھرنے لگا تھا۔

"یہ کیسی بو ہے؟ کیوں مرچوں کو تیل لگا کر آئی ہو؟" وہ غصے کے عالم میں رخشہ پر چڑھ دوڑا۔

"حیام! میں نے کوئی مرچیں نہیں جلائیں [illegible]" رخشہ اس کے تیور دیکھ کر گھبرا [illegible]

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا [illegible] ٹکرائی تھی جو [illegible] مسکراتے جا رہی تھی۔ [illegible] ہاتھ میں ٹرے [illegible] تھی۔

"[illegible] اسمیل آ رہی ہے؟" وہ لالہ سے گویا تائید چاہ رہا تھا۔

"[illegible] لگتی ہے۔ رخشہ نے نظر اتارنے کے بعد مرچوں کو کوئلوں پر پھینک دیا ہو گا۔" لالہ اتنے یقین بھرے انداز میں کہہ رہی تھی کہ حیام کو سچ گمان ہونے لگا تھا کہ واقعی رخشہ نے ہی مرچوں کو دہکتے کوئلوں پر پھینکا تھا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ رخشہ! تم جانتی نہیں ہو کہ مرچوں کی ناگوار بو میرے دماغ کو چڑھ جاتی ہے، میرا دل بری طرح سے گھبرانے لگا ہے۔" وہ غصے کے مارے رخشہ کو خون آشام نظروں سے گھور رہا تھا۔ جبکہ لالہ بازی کو اپنے حق میں جاتا دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"یہ اسکواش پی لیں حیام! گھبراہٹ کم ہو جائے گی۔" وہ گلاس میں اسکواش ڈالے جلدی سے حیام کے قریب آ کر بولی تھی۔ مگر حیام نے گلاس پکڑ کر دیوار سے دے مارا تھا۔

"یہ زہر کیوں بنا کر لائی ہو؟" وہ دھاڑ کر بولا۔

"آپ نے خود کہا تھا۔" رخشہ خوف کے مارے کپکپا کر رہ گئی۔ اسے پورا یقین تھا کہ لالہ کے ساتھ آئے تعویذ اپنا اثر دکھا گئے تھے۔ اور اسے ایک بات تو سمجھ میں آ گئی تھی کہ حیام کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ جادو ٹونے کا اثر تھا۔

"جھوٹ بولتی ہو۔ میں نے کب کہا تھا۔" اسے رخشہ کی ہر بات اب الٹی ہی محسوس ہوتی تھی۔ رخشہ صورت حال کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گئی۔

"آپ کو کیا چاہیے؟ میں وہی چیز بنا لاتی ہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ تم میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔" وہ دھاڑ کر بولا۔

"حیام! چائے پیو گے؟" وہ مکار، ڈرامے باز عورت سروپ بھرے کھڑی تھی۔ "میں تمہارے لیے چائے لائی ہوں۔" وہ کچ کچ قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی تھی۔

"میرے سر میں بہت درد ہے لالہ!" حیام دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنی لال بوٹی آنکھوں پر بازو رکھ لیے تھے۔

"یہ چائے پی لو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی بڑی طنزیہ قسم کی مسکراہٹ تھی۔ رخشہ کا انگ انگ سلگ اٹھا تھا لمحے کے ہزارویں حصے میں رخشہ کے ذہن میں کلک سے کچھ روشن ہوا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ کم از کم یہ چائے حیام کو ہرگز پینے نہیں دے گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ سو اس نے اپنی اس سوچ کو یوں عملی جامہ پہنایا تھا کہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لالہ سے اس طرح ٹکرائی تھی کہ لالہ ٹرے سنبھال نہیں سکی اور چائے سمیت ٹرے زمین پر گر گئی تھی۔ یہ سب اس قدر غیر ارادی اور اچانک ہوا تھا کہ حیام تک بھی چونک نہیں سکا۔ ویسے بھی حیام دھیرے دھیرے ہی سہی اس دھوئیں کی بو سے آزاد ہو رہا تھا۔ یعنی مرچوں کے اس دھوئیں کا اثر آہستہ آہستہ زائل ہو رہا تھا۔ اور حیام خود کو ایک شکنجے میں سے نکلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اور جب فرش سے اٹھ کر بپھری ہوئی لالہ رخشہ تک آئی تو حیام گویا نیند سے جاگ اٹھا۔

"تم نے مجھے دھکا دیا۔ تم نے ساری چائے گرا دی۔" لالہ کسی زخمی شیرنی کی طرح پھنکار رہی تھی جب حیام ایکدم اس کے قریب چلا آیا۔

"لالہ! کیا ہوا ہے؟"

"اس نے مجھے دھکا دیا ہے۔" لالہ نے ایک دم دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔ "اس نے مجھے گرایا ہے۔" لالہ کا یہ رونا دھونا "عمل" کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے تھا۔

"نہیں لالہ! رخشندہ نے تمہیں دھکا نہیں دیا۔ تم خود سنبھل نہیں سکیں۔" وہ ایک دم رخشندہ کی ڈھال بن گیا تھا۔ اور رخشندہ کو لگا تھا گویا ایک طوفان کا رخ حیام نے اپنی طرف موڑ لیا ہے۔

"تجھے میں زندہ نہیں چھوڑوں گی کمینی!" لالہ کا فشار خون ایک دم بلند ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت ایک خوبصورت بلا کے روپ میں کھڑی تھی۔ ایسی حسین بلا جس کے منہ کو انسانی خون لگ گیا تھا۔

"لالہ۔" وہ رخشندہ پر جھپٹنا چاہتی تھی جب حیام کی دھاڑ نما آواز نے لالہ کے قدموں تلے سے زمین کو کھسکا دیا تھا۔

"لالہ تم پاگل ہو چکی ہو اور ہم دونوں کو بھی پاگل کر دینا چاہتی ہو۔ اللہ کا واسطہ تمہیں نکل آؤ اس پاگل پن کے قفس سے۔ مت خود کو اذیت کی بھٹی میں جھونکو اور نہ ہماری زندگیوں کو جہنم کدہ بناؤ۔" حیام کے الفاظ نے لالہ رخسار کو انگارہ بنا دیا تھا۔ جلتا بلتا سلگتا انگارہ۔

☼ ☼ ☼

"حیام! ایک بات کہوں۔" وہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی لان میں آ گئی تھی۔ دراصل اس نے دریچے میں سے حیام کو لان میں بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ چونکہ اس وقت بھی صدیقہ سمیت سب [illegible] تھے سو وہ مطمئن سی باہر نکل آئی۔ حیام اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم یہاں؟"

"کیوں میں یہاں نہیں آ سکتی؟" [illegible] بولتی ہوئی حیام کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیتیں۔"

"میں بغیر کام کے آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتی؟" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"کر سکتی ہو۔ بالکل کر سکتی ہو۔ مگر یوں باغ میں تمہارا آنا مناسب نہیں۔" اس نے اخبار کو لپیٹ کر میز پر رکھ دیا۔

"کبھی اس مناسب اور غیر مناسب کے چکر میں سے نکل بھی آیا کریں۔" رخشندہ کا منہ کڑوا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے جی! آپ کی بات مان لیتے ہیں۔" حیام دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔ اور اس کا موڈ خوشگوار دیکھ کر رخشندہ نے پہلی مرتبہ فرمائش کرنے کا سوچا تھا۔ حالانکہ وہ پر امید نہیں تھی کہ اس کی اس خواہش کو حیام "فوراً" پورا کر دے گا۔ مگر وہ خلاف توقع "فوراً" مان گیا تھا۔ گویا وہ بھی اس ماحول سے کچھ دیر کے لیے ہی سہی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"تم چادر لے آؤ۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

"کیا ہم سچ مچ لانگ ڈرائیو پر جا رہے ہیں؟" رخشندہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"تو اور کیا۔ خود ہی تو تم جانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ اب اگر تمہاری پہلی فرمائش بھی پوری نہ کی تو [illegible] طعنے مارتی رہو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے [illegible] گاڑی گیراج میں سے نکالنے چلا گیا تھا۔ اور [illegible] وہ چادر لے کر باہر نکل رہی تھی تب لالہ [illegible] اپنے حجرے میں سے نکل آئی۔

"کہاں جا رہی [illegible]" لالہ ان دونوں میں بات چیت نہ ہونے [illegible] اپنے مطلب کی بات پوچھنے کے [illegible] لالہ خود ہی خود اس سے مخاطب ہو جاتی تھی۔

"[illegible]" رخشندہ نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ ورنہ لالہ کی تفتیش کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا۔

"اماں جی سے پوچھا ہے؟" لالہ کے لہجے میں واضح چبھن تھی۔

"جی نہیں۔"

"کیوں نہیں پوچھا؟" وہ ترخ کر بولی۔

"اماں جی اس وقت آرام کر رہی ہیں۔ میں نے انہیں بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" رخشندہ نے دل پر پتھر رکھ کر وضاحت کی۔

"میں تمہیں اماں جی کی اجازت کے بغیر جانے نہیں دوں گی۔"

"میں اپنے شوہر کے ساتھ جا رہی ہوں اور اس کی اجازت کے علاوہ مجھے کسی اور کی اجازت [illegible] نہیں۔"

"حیام کی یہ جرأت؟" لالہ [illegible] کر رہ گئی۔ "تم اندر چلو میں [illegible]"

"میں کیوں اندر [illegible] آپ کے حکم کی پابند نہیں۔ یہ [illegible] صرف صدیقہ کے لیے استعمال کیا کریں۔" رخشندہ نے انتہائی کاٹ دار لہجے میں جواب دیا تھا اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھانے تھے۔ اس نے لالہ کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ [illegible] وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ چکی تو حیام نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

"میچنگ جوتے نہیں مل رہے تھے۔" اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔ گفتگو اگر لالہ کی طرف مڑ جاتی تو اس کا باہر نکلنا ہی فضول تھا۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات بھی نارمل کر چکی تھی۔ حیام بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"حیام! آپ مجھے ایک بات بتائیں۔" کچھ دیر بعد رخشندہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

"پوچھیے۔" حیام ملائمت سے بولا۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" وہ بغیر جھجکے پوچھ رہی تھی۔ بالکل صاف اور سیدھے انداز میں۔

"ہاں!" حیام نے بھی بے ساختہ کہا۔

"کب سے؟"

"نکاح والے روز سے۔" وہ سچ کہہ رہا تھا۔ "یہ جذر عشق ہی ایسا ہے محبت نہ بھی ہو تو انسیت ضرور ہو جاتی ہے۔ دراصل [illegible] انسیت "اپنائیت" پھر محبت میں بدل جاتی [illegible]"

"[illegible] اظہار تو نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟" وہ بہت دھیان سے مگر تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی اب شہری حدود میں داخل ہو چکی تھی۔

"اس محبت کا جو آپ مجھ سے کرتے ہیں؟"

"پتا ہے رخشندہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور اس محبت کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں مگر نجانے کیا چیز ہے ایسی جو میرے تمہاری طرف مائل شدہ دل کو پلٹانا چاہتی ہے۔ موڑ دینا چاہتی ہے یا پھر اس محبت کو اکھاڑ دینا چاہتی ہے۔ کبھی کبھی میں خود بھی اپنی ذہنی اور دلی کیفیات سمجھ نہیں پاتا ہوں۔"

وہ بہت دھیمی اور آہستہ آواز میں بول رہا تھا گویا خود سے بات کر رہا ہو۔ انداز بھی کھویا کھویا سا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کی کیفیات کو اب بھی محسوس کر رہا ہے۔ رخشندہ کا دل لمحہ بھر کے لیے بے دم سا ہو گیا۔ وہ جن کیفیات کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ سب رخشندہ کو کب سے کسی انہونی کے وقوع پذیر ہونے کا اشارہ دے رہی تھیں۔ نجانے آئندہ زندگی میں کیا ہونا تھا؟ مگر فی الحال آئندہ کی گھڑیوں کے خدشات کو خود پر طاری کر کے ان لمحوں کی خوبصورتی کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی گاڑی ایک فیملی ریسٹورنٹ کے سامنے رک چکی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ حیرانی سے بولی تھی۔

"فلم دیکھنے۔" جتنا بونگا اس کا سوال تھا جواب بھی ایسا ہی ملا۔ "کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں میرا خیال ہے کھانا کھانے کے لیے ہی آیا جاتا ہے نا!"

وہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

☼ ☼ ☼

رخشندہ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک

خوبصورت شام گھر سے باہر گزار کر آتا ان پرآجر برن بیاہے گئے اور اس کا معمولی سا جھوٹ لالہ بڑھا چڑھا کر ماں کے سامنے پیش کرے گی۔ حیام تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور رخشندہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی جب وہ ممانما بدھ کے مجسمے کی صورت والی صدیقہ نجانے کس کونے سے نکل آئی تھی۔

"پہلے اماں جی کی بات سن لیں۔ پھر اپنے کمرے میں جائیے گا۔" صدیقہ سر جھکائے اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔ رخشندہ اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"اماں جی بھلا کیا کہیں گی؟" وہ پرسوچ نظروں سے توقیر بیگم کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ دروازہ اس وقت بھی بند تھا اور ہمیشہ بند ہی رہتا تھا۔ رخشندہ کچھ سوچ کر توقیر بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔ خلاف معمول وہ جائے نماز کے بجائے لکڑی کی بھاری کرسی پر بیٹھی تھیں۔ تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی اور آنکھیں بھی موند رکھی تھیں اور مسئلہ یہ تھا کہ اماں جی کو سلام کرکے بھی متوجہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک دو مرتبہ رخشندہ نے انہیں دوران وظائف انہیں مخاطب کرلیا تھا اور پھر بے بھاؤ کی سننے کو ملی تھیں۔ اب وہ بہت احتیاط کرتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز' جوتی کی ہیل اور چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ ساتھ پرفیوم کی بھینی بھینی مہک سے اتنا تو وہ اندازہ لگا ہی چکی تھیں کہ اندر آنے والی نہ صدیقہ ہے نہ لالہ۔ مگر اس کے باوجود وہ اگلے بندے کو انتظار میں سلگا کر نجانے اپنی کون سی حس کو تسکین پہنچاتی تھیں۔

رخشندہ کو کھڑے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہوچکی تھیں۔ ٹخنے سوجنے لگے تھے کمر تختہ ہوچکی تھی۔ اسے رونا آرہا تھا۔ سامنے بیٹھی اس عورت کو ذرا بھر ترس نہیں آیا تھا جب آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا۔ تب توقیر بیگم نے اپنی سرخ ڈیلوں والی آنکھوں کو کھول دیا تھا۔ اور رخشندہ کی گویا جان میں جان آگئی۔

"یہ بناؤ سنگھار کرکے کہاں گئی تھیں [illegible]" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی پھنکار تھی۔

"حیام کے ساتھ باہر گئی تھی۔" توقیر بیگم کے لہجے کا رعب تھا یا پھر اس کے اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز' اس نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"میں نے تو سنا ہے تم میکے جارہی تھیں۔" انہوں نے پورے 'ڈیلے' گھما دیے تھے۔ اور رخشندہ کا دل بھی گویا گھوم کر رہ گیا تھا۔

"جانا تو میکے ہی تھا مگر پھر ارادہ بدل گیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" یکدم ان کی پھنکار نما آواز دھاڑ میں بدل گئی تھی۔

"اماں جی! میں سچ بول رہی ہوں۔ میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔" وہ کپکپائی۔

"یہ ہار سنگھار کس خوشی میں کیا تھا؟ اس گھر میں تمہیں لاکر میں نے کیا بکواس کی تھی۔ کیا کہا تھا میں نے کہ جب بھی سنگھار کرنا ہوا اپنے کمرے تک محدود رہ کر کرنا۔ پھر یہ چمک دمک دکھا کر کس کے اندر چنگاریاں بھرنا چاہتی ہو؟" توقیر بیگم کے لفظ لفظ میں زہر تھا۔ رخشندہ کانپ کانپ گئی۔

"اماں جی! ایسی بات نہیں۔ میں تو بس۔" [illegible] بات نہیں بن پائی تھی۔ اور اماں جی اور بھی [illegible] ہوگئیں۔

"یہ طوائفوں والے انداز کسی اور [illegible] حیام تیرے ان ہتھکنڈوں سے متاثر [illegible] اس بے حیائی کے مظاہرے [illegible] تیری روح تک کانپ جائے [illegible] بے شرم نہ [illegible] لالہ رخسار کے سامنے [illegible] کے اس کی خواہشات کو سلگا دینا [illegible]"

"[illegible] کوئی خواہش نہیں اماں جی! اور رہی لالہ رخسار کی خواہشات کی بات کہ لالہ کی خواہشات کو [illegible] میں [illegible] آپ چل رہی ہیں۔" ان کے الزام در الزام [illegible] کر رخشندہ بھی سلگ کر رہ گئی تھی۔

"دیکھو اس کو۔ کیسے زبان چلاتی ہے۔" اماں جی کا سانولا رنگ غصے کی شدت سے سیاہ پڑ گیا۔

"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" اگر بات اماں جی نے چھیڑ ہی دی تھی تو رخشندہ نے سوچا وہ بھی اپنے ذہن میں چھپائے ہوئے خیالات کا اظہار کردے۔

"میں تیرا منہ توڑ دوں گی۔ تو ایک پاک باز [illegible] گھرانے کی لڑکی کو کیا سمجھتی ہے۔" وہ اس پر جھپٹنے کے لیے گویا تیار تھیں۔

"عورت چاہے جس نسل' خاندان' ذات' برادری سے ہو۔ رہتی تو عورت ہی ہے نا اماں جی! آپ [illegible] کی فطری خواہشات سے [illegible] مگر کیوں [illegible] گھرانے کی عورتوں کے لیے کوئی اور قانون فطرت ہوتے ہیں کیا؟" رخشندہ بھی [illegible] اس کی بھڑاس نکال دینا چاہتی تھی۔

"بکواس [illegible] عورت۔" وہ چنگھاڑیں۔

"سچ گھرانے [illegible] اور آج ثابت بھی کردیا ہے آج [illegible] مجھے تیری سوچ سے۔" غصے کے مارے ان کے چہرے کے زاویے بگڑ کر رہ گئے

"[illegible] گھن اور کراہیت آتی ہے مجھے آپ جیسے لوگوں کی سوچ سے بھی۔ جو اپنی بیٹیوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں۔ جو قانون فطرت سے منکر ہوجاتے ہیں۔ جو صرف اپنی عورتوں کے نہیں اللہ کے بھی گنہ گار ہیں۔ آپ کس دین کی پیروکار بنتی ہیں۔ دین محمدی میں تو عورت کے مقام اور مرتبے کو اتنا بلند کیا گیا ہے۔ اسے بہن' بیٹی' ماں ہر روپ میں عزت دی گئی ہے۔ اور آپ آج تک اپنے بزرگوں کی رسموں اور فرسودہ روایات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ آپ کے بزرگ کئی سو سال ہوئے مٹی ہوگئے۔ انہوں نے قبروں سے نکل کر آپ کا گریبان نہیں پکڑنا۔ تو پھر آپ اپنی کوکھ سے جنی بیٹی کے ساتھ ظلم کیوں کررہی ہیں۔ اسے نارمل زندگی جینے دیں اماں جی! آپ کی بیٹی دھیرے دھیرے ابنارمل ہورہی ہے۔ پاگل ہورہی ہے۔ اور اس پاگل پن میں وہ بہت بڑے بڑے نقصان کرے گی۔"

رخشندہ نے آج اپنے اندر کی ساری گھٹن کو باہر نکال دیا تھا۔ ادھر اماں جی کسی بھوکی شیرنی کی طرح رخشندہ پر جھپٹ [illegible] تھیں۔ انہوں نے اس کے رخساروں [illegible] سے لال کردیا تھا۔ رخشندہ تو اتنی [illegible] کی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گر گئی [illegible] انہوں نے حملہ ہی اس قدر اچانک کیا [illegible] کوئی مزاحمت نہیں کرسکی تھی۔ سمندر [illegible] آنکھوں کو بار بار پونچھتے ہوئے اٹھ گئی۔

"حق کی بات کہنے میں مجھے کوئی شرمندگی نہیں۔ آپ ظلم کر رہی ہیں اماں جی! یہ جنگ لالہ رخسار کی نہیں۔ ایک عورت کی ہے۔ اس خاندان کی پچھلی عورتوں کی بھی جو مرچکی ہیں اور آنے والی ان عورتوں کی بھی جو حیام کی اولاد کے روپ میں جنم لیں گی۔ مجھے اس خاندان کی ہر بیٹی کے لیے 'جنگ' کرنا ہے۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

نجانے کوئی غیبی قوت تھی۔ جس نے رخشندہ کے کانپتے لرزتے وجود کو ایسی ڈھارس پہنچائی تھی کہ اس بار وہ عبادت گزار مگر درندہ نما عورت کے مقابلے میں ڈٹ گئی تھی۔ اور جس کی خاطر رخشندہ حیام بھڑکتے دوزخ میں بغیر سوچے سمجھے کود پڑی تھی۔ اسی لالہ رخسار نے رخشندہ حیام کے لیے ایک اور تندور بھڑکا دیا تھا۔ جس میں رخشندہ حیام ایسی گری کہ پھر نکلنے کا راستہ ہی ڈھونڈتی رہ گئی۔ جھلسا دینے والی لپٹوں نے گویا رخشندہ کے پورے جسم کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے مجھے بلایا ہے اماں جی!"

حیام مؤدب سا ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ سر جھکائے' نظر جھکائے آج تک اس کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ سر اٹھا کر اپنی پھوپھی سے اونچی آواز میں بات کرے۔ حالانکہ ایک وقت ایسا آیا تھا جب اس نے دبی دبی آواز میں لالہ سے نکاح کی درخواست کرنا چاہی تھی مگر جب توقیر بیگم نے سختی کے ساتھ انکار کردیا تھا تو پھر حیام نے بھی بھول کر۔ لالہ کے بارے میں دوبارہ نہیں سوچا۔ وہ اپنی پھوپھو کا بے انتہا احترام



ہی انہیں ان سے بے پناہ محبت اور عقیدت بھی رکھتا تھا۔ یہ واحد عورت تھی۔ جس نے اس حویلی میں اس پر اپنے پیار کا سایہ کر رکھا تھا۔ اور ان کا ہر لفظ حیام کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔

"ہاں بچہ! تمہیں بلایا ہے۔" انہوں نے زہر کا گھونٹ بھرا۔

"جی اماں جی! فرمائیں کیا کہنا ہے؟" اس کی آواز اور لہجہ نرم اور دبا ہوا تھا۔

"ہم نے تم سے ایک التجا کرنی تھی بچہ!" آپ کے تو تیر بیگم نے لہجہ بدلا۔ آواز میں نمی بھری۔

"التجا نہیں اماں جی! آپ حکم کیجیے۔" وہ گویا تڑپ کر بولا۔ "میری جان بھی حاضر ہے۔"

"سدا خوش رہو حیام! سدا جیتے رہو۔" وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھیں۔

"جی اماں جی!" حیام ان کے حکم کو سننے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

"حیام بچہ! ذرا اپنی بیوی کو اپنے لفظوں میں سمجھا دو میری جان!" انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔

"کیا؟" حیام چونک کر رہ گیا۔

"پیر علی حضرت کے خاندان کی رسموں، رواجوں اور روایات سے ٹکرانے کی کوشش کرنے لگی ہے۔" انہوں نے کھجور کی گٹھلیوں کی پرات کو اپنے سامنے رکھا تھا۔

"اچھا" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"وہ تمہاری بیوی ہے حیام! اسی لیے ہم اس کی بدتمیزیوں اور زبان درازی کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" ان کے لہجے میں واضح تنبیہ تھی۔

"اس نے آپ سے بدتمیزی کی ہے۔" حیام ایکدم ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کی تو ہے مگر ہم نے در گزر سے کام لیا ہے۔" انہوں نے تول تول کر بتایا۔

"آپ سے بدتمیزی کیوں کی اس نے؟" کر رخشندہ کی یہ جرات۔" وہ ایک دم غصے سے سلگ اٹھا۔ اسی خاندان کا ایک فرد تھا نا۔

"اس نے جو کہا۔ اسے بھول چکے ہیں۔ اگر بھولتے نہ تو وہ اس گھر میں دوسری سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔ بس آئندہ کے لیے اسے سمجھا دینا۔" ان کے ہاتھ گٹھلیوں پر رینگ رہے تھے۔ وہ استغنا پڑھ رہی تھیں۔

"اماں جی! اس نے آپ سے کس قسم کی بدتمیزی کی ہے؟" حیام اتنی جلدی اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"نہیں میری جان! ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ اس لیے کہ ہم واقعی بھول چکے ہیں۔" زبان پر اللہ کا نام تھا اور وہ باوضو ہو کر جھوٹ بول رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی نہیں بھولی تھیں۔ نہ ہی بھول سکتی تھیں۔

حیام اٹھ کر اپنے کمرے کے بجائے رخشندہ کے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ واضح نظر آ رہا تھا۔ اور لب بھینچے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت کٹیلے تھے مگر سامنے بیٹھی رخشندہ کو دیکھ کر اس کا دل ڈانواں ڈول ہو گیا تھا۔ صرف لمحہ بھر میں اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ اس کا غصہ پل بھر میں [illegible] ہو گیا۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا بیڈ کے [illegible] اور سولہ سنگھار اور حسن کو [illegible] کی ہو گئی تھی۔ اس کے وجود [illegible] نے حیام کو مسحور سا کر دیا تھا [illegible] میں موجود دبا دبا غصہ خود بخود [illegible] اسی لمحے رخشندہ اسے اپنے [illegible] قریب محسوس ہوئی تھی۔

"[illegible]" رخشندہ نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کی۔ حالانکہ وہ تو کب سے حیام کی منتظر بیٹھی تھی۔ یہ ہار سنگھار اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مرد کو کون کون سی چیزیں اٹریکٹ کرتی ہیں۔ اور پھر اس گھٹے گھٹے ماحول میں رہنے والے مرد کو تھوڑی بہت تبدیلی بھی ایک خوشگوار ریت عطا کر دیتی ہے۔ اور اس

وقت تو رخشندہ کچھ خوف زدہ بھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ توقیر بیگم حیام کو خوب بھڑکا دیں گی۔ اور وہ سارا غصہ اس پر نجانے کس انداز میں نکالے گا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ حیام اس سے توقیر بیگم سے کی جانے والی گفتگو کی تفصیل پوچھے۔ سو اس نے حیام کو اس موضوع طرف ملنے ہی نہیں دیا تھا۔ رخشندہ حیام کی آنکھوں میں واضح پسندیدگی دیکھ چکی تھی۔ سو وہ ایک طرف سے تو کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

"تمہیں خبر تھی میں ابھی آنے والا ہوں۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ کچھ میں محسوس کی جانے والی تازگی بھر گئی تھی۔

"آپ کی خوشبو نے بتا دیا تھا۔" رخشندہ مسکرائی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" حیام کی نظروں نے اس کے اردگرد حصار باندھ لیا تھا۔ اور حیام کی نظروں کی تپش رخشندہ کو گلنار کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر سلیپر پہننے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو۔" وہ اسے اٹھتے دیکھ کر بولا۔

"آپ کے لیے کھانا لے آتی ہوں۔ خالی باتوں سے پیٹ بھرتا ہے۔" وہ کھلے بال سمیٹ کر دوپٹہ لینا چاہتی تھی کہ جب حیام نے اسے روک دیا۔

"رہنے دو۔ یوں ہی چڑیل کے روپ میں کھلے بالوں کے ساتھ اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اور اسی چڑیل کے روپ میں اگر باہر چلی گئی تو آپ کے گھر والوں نے مجھ پر تین سو دو کا کیس بنوا کر جیل بھجوا دینا ہے۔" اس نے غیر محسوس انداز میں طنز کیا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ باہر نہ جاؤ۔ میرے سامنے رہو۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر ہی پیٹ بھر لیتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے اپنی طرف کھینچ کر بولا تھا۔

"ایک شرط پر نہیں جاتی؟"

"فرمائیں جی۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"آپ نے آج رات یہیں رہنا ہے۔"

"کوئی اور حکم؟"

"ہماری مجال ہے۔ جو حکم [illegible] صرف درخواست پیش کی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہم نے آپ کی درخواست منظور کر لی ہے۔"

"آپ ہمیشہ کے لیے اس درخواست پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کب تک چوروں کی طرح ہمارے کمرے میں آیا کریں گے؟"

"مجبوری ہے جاناں! ورنہ ہم بھی دل اور جذبات رکھتے ہیں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بھلا کیسی مجبوری؟" وہ خفگی کو چھپاتی ہوئے بولی تھی۔ حالانکہ اس کی ساری مجبوریوں کو رخشندہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"اس گھر کے رسم، رواج یا اصول کچھ بھی سمجھ لو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اور میں ان فرسودہ اصولوں کو بدل کر رہوں گی۔" رخشندہ نے گویا دل ہی دل میں عہد باندھ لیا تھا۔ مگر اس کے سارے عہد ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے صرف چند دن بعد ہوا کچھ یوں۔

☆ ☆ ☆

اس نے غنی کو فون کیا تھا اور اسے بے بھاؤ کی سنائی بھی تھیں۔ اور پھر اسی غصے کے عالم میں اپنا فون کھٹاک سے بند کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد غنی کی کالز آتی گئی تھیں مگر رخشندہ نے فون نہیں [illegible] وہ ڈھیٹوں کی طرح لگا رہا یہاں تک کہ [illegible] ریسیور اٹھانا پڑا تھا۔

"اب کیا تکلیف ہے؟" [illegible] غصے سے بولی۔

"تکلیف تو [illegible] بس تم میرے لیے جھٹ پٹ اور [illegible] بناؤ میں بس دو منٹ میں آیا۔"

[illegible] "تمہارے آنے سے پہلے سویٹ ڈش تیار [illegible]" رخشندہ نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا تھا اور پھر فون رکھ کر کچن میں چلی آئی تھی اور کچھ دیر بعد اس کے پیچھے صدیقہ بھی آ گئی۔

"کون آ رہا ہے؟"

"مہمان ہے۔"

"کہاں سے آئے گا؟" صدیقہ اب پوری تفتیش کرنے کے بعد ہی کچن سے نکلے گی یہ تو رخشندہ جانتی ہی تھی۔

"میرے میکے سے۔" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"کون ہے؟" ایک اور سوال۔

"میرا بھائی سمجھ لو۔"

"اچھا" صدیقہ نے سر ہلا دیا تھا اور رخشندہ جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کرتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ اور جب وہ سویٹ ڈش بنا کر فریج میں رکھنے باہر نکلی تھی [illegible] ملازم نے اسے مہمان خانے میں [illegible] رخشندہ فوراً مہمان خانے کی طرف [illegible]

"شکر [illegible] آئی تمہاری۔ اب اگر مجھے ہی کام [illegible] نہ نخرے دکھاتے۔" اس [illegible]

"[illegible] اپنی اوقات پر اتر آئی ہو۔ نہ چائے نہ پانی۔" [illegible] کا اشارہ اس کی طنزیہ گفتگو کی طرف تھا۔

"سب کچھ ملے گا پہلے ذرا دم تو لے لو۔"

"دم تمہیں لے سکتا۔ خالی پیٹ آ رہا ہوں۔ پہلے پیٹ ہو جا پھر کام دو جا۔" وہ بھی سچ مچ کمینہ ہی تھا۔ کھانے پینے کے علاوہ اسے کچھ نہیں سوجھتا تھا۔

"گھر سے خالی پیٹ کیوں آ رہے ہو؟"

"تمہاری بھابھی جو ملغوبے بناتی ہیں ناں، بس تمہارے بھائی صاحب ہی کھا سکتے ہیں اور پھر حتی المقدور تعریف بھی کرتے ہیں۔"

"کھانا، کیا حرام کر دیتے ہو۔ میں بھابھی کو بتاؤں گی۔" اس نے دھمکایا۔

"تو پھر میں بھی تمہاری ساس کو بتا آؤں گا۔"

"بھلا کیا؟" رخشندہ ہنسی۔

"یہی کہ میں ان کے دماغ کا علاج کرنے آیا ہوں۔"

"پھر تم ڈرائنگ روم میں ہی آ جاؤ۔" وہ بولتے ہوئے ایک راہداری کے دروازے کو کھول کر آگے بڑھ گئی تھی۔ غنی کالی سے وہیں بیٹھا رہا۔ "مجبوراً" اسے واپس آنا پڑا۔

"[illegible] ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ تم نے [illegible] یہ قدیم، بے حد قدیم طرز کی حویلی [illegible] اور رومانٹک سی دکھ رہی تھی۔"

رخشندہ [illegible] پلٹ گئی تھی اور پھر واپس آئی تو ہاتھ میں [illegible] تھی۔ اور جب وہ اور سویٹ ڈش کھا کر فارغ ہوا تو رخشندہ کے حالیہ مسئلے کی طرف پوری سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہو گیا تھا۔ اتنا تو اسے یقین تھا کہ مسئلہ کافی گمبھیر ہے۔ ورنہ رخشندہ گھر کی بات بھلا اس سے شیئر کیوں کرتی۔

"دراصل میری سوچ کہتی ہے۔ ذہنی پرابلم حیام کے ساتھ نہیں بلکہ اللہ کو نفسیاتی مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر تم ہو مگر مجھے اس کا واحد حل شادی [illegible]"

رخشندہ سوچ سمجھ کر گہری سنجیدگی کے ساتھ تمہید باندھ رہی تھی۔ ابھی وہ اس گھر میں داخل ہونے کے بعد اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعات سے پردہ بھی نہیں اٹھا پائی تھی۔ جب ایک دم اس کی چھٹی حس نے اسے چونکا دیا۔ وہ غنی سے بات کرتے کرتے دو مرتبہ چونکی تھی۔ دراصل چونک تو غنی بھی گیا تھا۔ ان دونوں کا ذہن فوری طور پر حالیہ مسئلے سے ہٹ گیا تھا۔ غنی ٹھٹک کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ مہمان خانے کی اونچی کھڑکیوں کے سامنے موجود پردے ہلنے لگے تھے اور پھر کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ غیر محسوس طریقے سے بند کیا گیا تھا عین اسی لمحے کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ لائٹ ایک دم چلی گئی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اتنا اندھیرا تھا کہ رخشندہ کی آنکھیں دیکھنے کی کوشش میں پھٹنے لگی تھیں اور پر سے سائیں سائیں کرتی سناٹے کی آواز سے روح کانپ اٹھی تھی۔ رخشندہ نے گھٹی گھٹی آواز میں غنی کو پکارا۔

"غنی! کہاں ہو؟"

"رخشندہ! میں ادھر ہوں۔ دروازے کے پاس" یقیناً وہ لاک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو یہ کیا ہے غنی!" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بے ساختہ رو پڑی۔ دل تھا کہ سوکھے پتے کی طرح سے لرز رہا تھا۔

"ہائے رخشی! تمہارے گھر میں تو بھوتوں کا سایہ لگتا ہے۔" غنی ہلکے پھلکے لہجے میں مذاقاً بولا تھا تاکہ اس کا خوف کچھ کم ہو سکے۔ وہ برابر ہینڈل گھمائے جا رہا تھا۔ مگر دروازہ یقیناً "لاک" کر دیا گیا تھا۔ رخشندہ احتیاط سے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"رخشی! یہ اچانک کیا ہوا ہے؟ کس نے لائٹ آف کی؟ اور ہمیں کمرے میں بند کر دیا؟" غنی کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کچھ بہت برا یا انہونا ہونے والا ہے۔

"پتا نہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے غنی! تم کسی کو آواز دو۔ ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ ہاتھ پیر چھوڑ قریب ہی رکھے کاؤچ پر ڈھے گئی تھی۔

"حوصلہ پکڑو رخشی! اور ذرا اپنے دماغ کو جگا کر سوچو۔ یہ جو کچھ کیا گیا ہے۔ بہت غلط انداز میں کیا گیا ہے۔ رخشی! مجھے لگتا ہے۔ تم نے مجھے اپنے گھر میں بلوا کر ایک بڑی مصیبت میں خود کو مبتلا کر لیا ہے۔ میرا یہاں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ مجھے کسی نہ کسی طریقے باہر نکلنا چاہیے۔ ورنہ بہت برا ہو گا۔ رخشی۔ تم ایک بڑی سازش کا شکار ہو چکی ہو۔"

غنی حاضر دماغی سے کام لے رہا تھا۔ اس نے پینٹ کی پاکٹ میں سے اپنا سیل فون نکال کر لائٹ آن کی تھی۔ اب وہ پورے ہال کا مدھم سی روشنی کی کرن سے جائزہ لے رہا تھا۔ دراصل وہ کوئی روشن دان اور کھڑکی دیکھ رہا تھا جس سے باہر نکلنا اس کے لیے آسان ہو جاتا۔

"میں نے اسی لیے تو تمہیں گھر بلایا ہے تاکہ یہاں آ کر دیکھو اس گھر کے مکینوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ یہ کیوں دوسروں کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔" وہ بیٹھے بیٹھے اکھڑی سانسوں کو ہموار کرنے کے چکر میں پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود خوف سے [illegible] ہونٹ نیلے اور خشک ہو رہے تھے۔ [illegible] قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔

"رخشندہ! یہاں سے باہر نہیں نکلا جا سکتا؟"

"نہیں۔" کھٹک کی آواز سے دروازہ کھل گیا تھا۔ رخشندہ ابھی کچھ بولنا چاہتی تھی مگر حیام کو اندر آتا دیکھ کر دل کڑا کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک دم روشنی سے پورا کمرا بھی نہا گیا تھا۔ رخشندہ کاؤچ پر بے دم سی بیٹھی تھی۔ جبکہ غنی بھاری کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ حیام نپے تلے قدم اٹھاتا غنی کے قریب چلا گیا تھا جبکہ اس کے چہرے کے تاثرات رخشندہ کا دل پھاڑ چکے تھے۔ حیام اس وقت حیام نہیں 'کوئی بھو[illegible]' طوفان لگ رہا تھا۔

"یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے، جو آ جاتا ہے۔ واپس نہیں جا سکتا۔ جب تک ہم نہ چاہیں۔" یہ آواز توقیر بیگم کی تھی۔ جو اس وقت انسانی شکل میں ایک بلا کی صورت لیے کھڑی تھیں ان کے لب زہر اگل رہے تھے۔

"اس مقدس گھر کی دیواروں نے بے حیائی کے اس منظر کو دیکھ کیسے لیا؟ یہ دیواریں اور چھتیں ڈھے کیوں نہیں گئیں؟ یہاں زلزلہ کیوں نہیں آیا؟ ہائے اس گھر کی کنواری عورتیں پاکیزگی کی زندگی بسر کر کے دنیا سے پردہ پوش ہو گئیں۔ ان کے بعد اس گھر میں بے حیائی اور بے غیرتی کی قلمیں چلتی تھیں [illegible]"

"تم نے اچھا نہیں کیا رخشندہ" حیام [illegible] رخشندہ تک آیا تھا۔ اس کی آنکھیں [illegible] اور وہ وہی کچھ دیکھ رہا تھا۔ جو [illegible] تھا۔

"میری عزت [illegible] کر تم نے مجھے جیتے جی مار دیا [illegible] ورنہ میں ایک نہیں [illegible] گا۔ چلی جاؤ رخشندہ! میں نے تمہیں [illegible] اور گھر دونوں سے نکال دیا۔" حیام کی لال [illegible] آنکھوں میں نفرتوں کا طوفان امڈ رہا تھا۔ رخشندہ بے قرار ہو کر حیام کے قدموں میں ڈھے گئی۔

"حیام! مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہاری عزت کو داغ دار کرنے سے پہلے زہر پی لوں گی۔ مجھے غلط مت سمجھو حیام! میری بات سنو میں سب بتاتی

ہوں، للہ یوں بدگمان ہونا ٹھیک نہیں۔ دیکھو سچ میں تمہیں بتاؤں گی۔ تمہارے اس گھر کی بنیادوں کو کون سی چیز ہلا رہی ہے؟ تمہارے گھر کی عورتیں کس نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مجھے ایک موقع دو میری بات تو سن لو۔"

وہ گڑگڑا رہی تھی، چلا رہی تھی۔ توقیر بیگم کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں۔ انہوں نے لاتوں اور گھونسوں سے رخشندہ کو مارنا شروع کر دیا۔

"نکل جا یہاں سے گندی عورت [illegible]" لالہ رخسار [illegible] پڑنے والی۔ [illegible] میں نہیں لگ رہی [illegible] گیا تھا۔ وہ تڑپ کر [illegible]

"رک جایئے [illegible] لگائے گا اسے۔"

"تو کون ہوتا ہے [illegible] بے غیرت انسان! عاشق ہے کیا؟ [illegible]"

"میں اس کے بھائیوں جیسا بھائی ہوں۔ آپ اپنی [illegible] سوچ اور آلودہ نظر سے سب کو نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔" [illegible] ضبط کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا۔

"لے جا اس ناپاک کنجری اور بدمعاش عورت کو اپنے ساتھ۔" توقیر بیگم نے فرش پر تھوک دیا۔

"تم نے سچ کہا تھا رخشندہ! ان لوگوں کو دماغی علاج کی ضرورت ہے۔ اٹھو یہاں سے، اور چلو میرے ساتھ۔ بظاہر پاکیزہ اور مقدس نظر آنے والے لوگوں کی سوچ کتنی بدبودار گندی جیسی ہوتی ہے یہ تو میں نے کبھی سوچا نہ تھا۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔ رخشندہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ منتیں کر کر کے بے حال ہو رہی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر حیام کے پیر پکڑنا چاہتی تھی مگر منظر پھر سے بدل گیا تھا۔ حیام اس کی طرف دیکھے بغیر چلا گیا۔ توقیر بیگم نے زہر خند نظر اس کی طرف اچھالی اور ایک دفعہ پھر سے فرش پر تھوک دیا۔

"بڑی آئی تھی لالہ رخسار کی شادی کروانے والی۔ بھلا میں اس کا نکاح کسی مرد ذات سے ہونے دوں گی؟ کبھی نہیں، کبھی نہیں۔ خود ہی چلی گئی بے چاری لالہ کو آباد کرتے کرتے خود برباد ہو گئی ہا ہا ہا۔"

وہ نفرت سے [illegible] رہی تھیں۔ لالہ رخسار نے اپنے [illegible] کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ لیا تھا [illegible] جو توقیر بیگم کو حجرے میں سے [illegible] لائی تھی۔ اور اس وقت وہ فتح مندی کے [illegible] سرشار اوپر منزل کے جھروکے میں کھڑی [illegible]

وہ بکھری بکھری رخشندہ کو اس گھر سے نکلتا دیکھ رہی تھی۔ رخشندہ نے آخری نگاہ درد میں ڈوبی ہوئی حویلی کی بلند عمارت کی طرف اٹھائی تھی اور پتھر ہو کر رہ گئی۔ اس نے لالہ رخسار کو مسکراتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور گویا وہ جان گئی تھی کہ لالہ رخسار اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس کا دل زخم زخم ہو گیا تھا اور وہ زرگون غنی کے پیچھے چل رہی تھی سر جھکائے ہوئے۔

لالہ نے جھروکے میں کھڑے کھڑے دور تک پھیلی جاگیروں کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"صدیقہ!"

"جی کراں میں صدقے جاں۔" (جی فرمائیں میں صدقے جاؤں) وہ اس کے پیچھے ہی تو ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

"وہ چلی گئی صدیقہ؟" وہ گویا خوشی کے مارے حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"جی بی بی! وہ چلی گئیں۔"

"اور حیام؟"

"چھوٹے حیام واثق آپ کے ہیں لالہ بی بی!"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" لالہ گویا بے یقین تھی۔

"جی بی بی!" وہ مودب تھی۔ ہاں میں ہاں ملانے کی پابند تھی۔

"تو پھر یوں کرو۔ میری طرف سے حیام کو نکاح کا پیغام دو۔ میں اب مزید دیر نہیں کر سکتی۔" اس کا انداز اٹل تھا۔

"جو حکم بی بی!" اس نے سر جھکا کے کہا۔

"جاؤ۔"

"کیا ابھی کہوں؟" صدیقہ تذبذب کا شکار تھی۔ وہ

اتنی جلد بازی کے حق میں نہیں تھی۔

"ہاں۔" لالہ دور بہت دور تک پھیلے اونچے درختوں کی اونچی شاخوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی خواہش اس کے خواب اتنے اونچے نہیں تھے۔ تمران کو حاصل کرنے کے لیے اس نے ہر جائز ناجائز طریقے کو استعمال کرلیا تھا' دریچے میں یوں ہی کھڑے کھڑے وہ ماضی کے پرپیچ راستوں پر نکل کھڑی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نئے چاند کی پہلی تاریخ تھی۔ باریک سا نوکیلی چوڑی جیسا چاند آسمان کے سینے پر اپنی چاندنی بکھیرنے سے قاصر تھا' تاریک سی گہری اداس رات تھی۔ اردگرد کے دیہاتوں اور اس گھنے جنگل جیسے درختوں میں چھپے جانور عجیب دہشت طاری کردینے والی آوازیں نکال رہے تھے۔

ابھی تو رات کا آغاز تھا' مگر ہر سو ہولناک قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی بھید بھری خاموشی کہ دل سوکھے پتے کی طرح سے لرزا جارہا تھا۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل بدل کر عاجز آچکی تھی۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ گیا تھا' اور نیند تھی کہ نجانے کس شہر روٹھ کر چلی گئی تھی۔ سارے گھر پر ہو کا عالم طاری تھا' وہ بستر چھوڑ کر بالآخر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ توقیر بیگم نے سختی سے تاکید کررکھی تھی کہ وہ رات کے کسی بھی پہر اپنے کمرے سے باہر دکھائی نہ دے۔ حتیٰ کہ پانی پینے کے لیے بھی نہیں۔ مگر اب کچھ عرصے سے اس کے اندر عجیب بغاوت اتر آئی تھی۔ اور وہ ہمیشہ اس کام کو کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ جو توقیر بیگم کو غصہ دلانے کا باعث بنتا۔

بھلا لالہ رخسار میں ایسی تبدیلیاں آنا کب سے شروع ہوئی تھیں؟ اس وقت جب اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ پورے انتیس سال کی ہوگئی ہے۔ یا پھر اس وقت جب توقیر بیگم کا اکلوتا لاڈلا [illegible] بھتیجا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

حیام سے اسے محبت نہیں تھی [illegible] ہوئی تھی اور نہ آج تھی۔ وہ تو بس لالہ کو اچھا لگتا تھا' صرف شادی کے لیے۔ کیا فرق پڑتا تھا کہ اس کی شادی حیام سے ہوتی یا پھر کسی سے بھی۔ اسے تو بس اس گھٹن سے نجات چاہیے تھی۔ جو دھیرے دھیرے دیمک کی طرح اسے چاٹ رہی تھی۔

اور حیام تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا' صدیوں کا سفر طے کرتی' پھر بھی حیام تک نہ آپاتی۔ اتنے ہی فاصلے تھے اس کے اور حیام کے درمیان۔

وہ بہت چپ رہتا تھا۔ بات کرتا تو نظر کو زمین میں گاڑ دیتا۔ کبھی چونک کر یا ٹھٹک کر اس نے اردگرد دیکھا ہی نہیں تھا کہ کیسی قیامت اس کے آس پاس موجود ہے۔ عجب بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ اور لالہ رخسار دل ہی دل میں گیلی لکڑی کی طرح سے سلگتی رہتی تھی۔

یہ نومبر کی اس سرد رات کی بات ہے۔

وہ اپنے کمرے سے اٹھ کر لاؤنج میں آگئی تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ گیلری میں کھلتا تھا۔ لاؤنج کے داخلی دروازے کے بالکل ساتھ حیام کا کمرا تھا۔ گیلری کے دوسرے کونے پر توقیر بیگم اور صدیقہ کے کمرے تھے۔ حیام کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ [illegible] سے ہوتی ہوئی سیدھی اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے آرکی۔ مگر دستک دینے کی ہمت [illegible] سے لاتی۔ یوں رات کے اس پہر حیام [illegible] جانا کس قدر معیوب تھا' مگر وہ [illegible] اور تنہائی کے ہاتھوں [illegible] نکل آئی تھی۔

اس نے [illegible] دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا [illegible] گویا خود بخود کھلتا چلا گیا۔ اس نے [illegible] کمرے میں قدم رکھ کر دروازہ پھر سے بند کیا۔ حیام کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھا۔

"آپ۔" حیام اسے دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ یوں کہ اس کے ہاتھ میں موجود کتاب پھسل گئی تھی۔ وہ حواس باختہ سا کھڑا ہوگیا۔ "کوئی کام تھا کیا؟" غیر ارادی سی نظر اٹھی تھی اور پھر خود بخود جھک گئی۔

"کیوں کام کے علاوہ میں تمہارے کمرے میں تم سے بات کرنے نہیں آسکتی۔" اس نے اطمینان سے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر صبح کرلیجئے گا۔ اس وقت کچھ مناسب نہیں لگتا۔" اس نے ہنوز نظر جھکائے جھکائے کہا۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟"

"نہیں تو میں بھی بس بور ہی ہورہا تھا۔" دراصل آج سے پہلے کبھی لالہ سے اس نے تنہائی میں بات نہیں کی تھی' بلکہ ان کے درمیان [illegible] ہوتی تھی۔ اکثر لالہ کو اگر اسے شہر سے [illegible] منگوانا ہوتا تو وہ صدیقہ کو ایک چٹ لکھ کر [illegible] اور اس کی مطلوبہ چیزیں آجاتیں۔

"آپ [illegible] تھیں؟" حیام نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"[illegible] نیند نہیں آرہی تھی اور یہ تم مجھے اتنے تکلف سے کیوں بلاتے ہو' نام لیا کرو میرا' مجھے اچھا لگتا ہے۔" لالہ نے بے تکلفی کی پہلی رسم کا آغاز کیا تھا۔

"وہ اماں جی ناراض ہوں گی۔" حیام بھی توقیر بیگم کو پھوپھی کے بجائے اماں جی ہی کہا کرتا تھا' کیونکہ توقیر بیگم نے ہی اس کی پرورش کی تھی۔ اور وہ لالہ کی طرح ہی اماں جی سے خوف زدہ رہتا تھا۔

"اماں جی کچھ نہیں کہیں گی' اب تو اماں جی کے خوف سے آزاد ہوجاؤ۔"

لالہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

"اماں جی سے ڈرتا نہیں ہوں' مگر ان کے احترام اور رعب کی وجہ سے کچھ ایسا نہیں بولنا چاہتا جو انہیں ناگوار گزرے۔ ایسی بے تکلفی انہیں پسند جو نہیں۔"

وہ صاف اور سیدھی سی بات کررہا تھا' کیونکہ لگی لپٹی تو اسے آتی نہیں تھی۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا' ہم دونوں اتنے قریبی رشتے اور تعلق کے باوجود ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ تم تو کالج اور یونیورسٹی میں پڑھے ہو۔ دنیا دیکھی ہے تم نے کیا تمہیں نہیں لگتا' ہم دونوں کزنز ہونے کے باوجود دوست نہیں ہیں۔" لالہ کے لہجے میں حسرتوں کا طوفان تھا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔" بہت دیر سوچنے کے بعد حیام [illegible] صرف اتنا۔

"یہ گھر کا ماحول کب بدلے گا۔ جب ہم زندہ نہیں رہیں گے؟ آخر کون بدلے گا اس گھر کا ماحول حیام؟" لالہ گویا سسک اٹھی تھی۔

"کبھی نہیں بدلے گا' اس گھر کا ماحول ایسا ہی رہے گا' یہ پیروں کا معزز ترین گھرانہ ہے۔ اس گھر کی عورتیں ہمیشہ باپردہ رہی ہیں۔ کبھی نامحرم ملازم تک اندر نہیں آیا۔ ہم پیر ہیں اور ہماری پیروی ہمارے مریدین اور عقیدت مند کرتے ہیں۔ (اس وقت توقیر بیگم کے پاس ہزاروں عقیدت مند دعا کے لیے آتے تھے۔ یہ چند سال پہلے کی بات ہے۔ اب اس سلسلے کو ختم کردیا گیا تھا' کیونکہ توقیر بیگم گوشہ نشین ہوگئی تھیں۔ عورتوں کے سامنے بھی نہیں آتی تھیں۔) ہر نسل میں ہماری ایک عورت اس گدی پر بیٹھتی ہے' جس گدی پر اماں جی موجود ہیں اور لالہ رخسار! آپ کو اسی گدی پر بیٹھنا ہے اور جب آپ کی باری آئے گی تو پھر مریدین کے آنے کا دوبارہ سے سلسلہ شروع کردیا جائے گا۔ کئی نسلوں سے یہ ہی ہوتا آرہا ہے۔ اس خاندان کی آپ واحد اور اکلوتی عورت ہیں' جبکہ میں تو ایک دوسرے خاندان کا فرد ہوں۔ اماں جی کا بھتیجا ہوں۔ میرا آپ کی اس گدی سے کوئی لینا دینا نہیں' اس گدی پر آپ کو ہی بیٹھنا ہے' جلد یا بدیر۔"

حیام نے سچائی کی انتہا کردی تھی۔ لالہ اس سچائی کو سن کر گویا بپھر گئی۔

"مجھے نفرت ہے ان باتوں سے' میں ہرگز بھی یہ سب نہیں کرسکتی جو اماں جی نے کیا۔ ضروری نہیں کہ میرے نصیب بھی میری ماں جیسے ہوں۔ انہوں نے بیوگی کے بعد زندگی کی ہر خوشی خود پر حرام کرلی۔ اپنی زندگی کے دروازے خود اپنے اوپر بند کرلیے تھے' مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔"

"میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔" حیام نے سر جھکائے



کتاب، ڈائری، اخبار ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ اور وہ یہ کام نہ جانے کتنی دیر سے کر رہا تھا۔ ایک اضطراری قسم کی حرکت تھی۔

"تم کچھ نہ کہو بس اتنا کرو کہ میرے دکھ سکھ سن لیا کرو، میری دل کی باتیں، میرے اندر کی بھڑاس، کیا تم ایسا کرو گے؟"

لالہ نے گویا التجا کی تھی۔ آنسو بھری حسین گہری گلابی اور خمار آلود آنکھیں، اس کی دوشیزگی، دلکشی اور بانکپن وہ کسی بھی ہوش مند آدمی کو اپنی نظروں کے تیر سے گھائل کر سکتی تھی۔ مگر حیام واقعی گھائل ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی خبر اڑاتا، اٹھنے والی نظر بھی احترام کے رنگوں سے جھکی ہوئی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اگر اماں جی کو خبر ہو گئی، میں جانتا ہوں، انہیں خبر ہو جائے گی۔" حیام نے گھبرا کر کہا۔

"تو مجھے کوئی پروا نہیں۔" لالہ بے خوف تھی۔

"مگر مجھے ہے۔" حیام اپنی بات پر زور دے کر بولا۔ "مجھے آپ کی عزت ہی نہیں اس گھرانے کی عزت بھی عزیز ہے۔ میں نے اس گھر کا رزق کھایا ہے، اور مجھے اماں جی کی نظر میں ہمیشہ سرخرو رہنا ہے۔"

"اور چاہے تمہاری نظر کے سامنے ایک وجود گل سڑ کر ختم ہو جائے؟" وہ زخمی نظر سے اسے دیکھنے لگی۔ "میں تم سے کچھ زیادہ تو نہیں مانگ رہی، صرف چند گھڑیاں، صرف چند لمحے۔"

"آپ مجھ سے یہی بات کرنے کے لیے آئی تھیں۔" اگرچہ وہ اس کی ایک ایک بات سے متفق تھا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا اول روز سے حیام نے اس گھر کے چند ایک اصول دیکھے تھے اور یہ اصول بہت پرانے اور بوسیدہ تھے۔ پہلے پہل جب لالہ کے دادا جان پیر عالی حضرت زندہ تھے تب تو حیام کو اندرونی حصے میں جانے کی اجازت تک نہیں تھی۔ ان کے مرنے کے بعد اماں جی نے اس کے لیے اندر [illegible] کھلوائے تھے۔ اور اس کا کمرا اب بھی [illegible] دروازے

کے پاس تھا۔

"تمہیں کمانا اور بھی بہت کچھ تھا مگر پھر سہی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "تم نوکری کیوں تلاش کر رہے ہو؟ بھلا تمہیں نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ جاگیریں اور ان کی آمدن، یہ سب کچھ ہمارا، تمہارا ہی تو ہے۔"

"نہیں، یہ صرف آپ کا ہے، میرا نہیں، اور میں نے تعلیم اسی لیے حاصل کی ہے کہ تاکہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکوں۔" اور یہ سچ ہی تھا۔ وہ شروع ہی سے اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا کہ اسے خود کو کسی قابل بنانا ہے، تاکہ اپنی پہچان خود بنا سکے۔

"اچھا، ایک بات تو بتاؤ؟" وہ جان بوجھ کر باتوں کو کھینچ کھینچ کر لمبا کر رہی تھی۔ "تم نے کالج میں کسی سے دوستی کی؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، میرا مزاج ایسا نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"وہ تو لگ رہا ہے۔" لالہ نے بھنا کر کہا۔ "تم کس دنیا میں رہتے ہو حیام؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھ بھی بھلا کیسے سکتے ہو؟" وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولی۔

"اب آپ جائیے پلیز، بہت وقت ہو چکا ہے۔" اس نے [illegible] تیسری مرتبہ کہا تھا۔

"پہلے کہو لالہ۔" نہ جانے [illegible] تھا، وہ ایک دم آنکھوں میں [illegible] "میرا نام لو، پھر جاؤں گی۔"

"یہ کیا بات [illegible]" وہ [illegible] بولا۔

"[illegible] ہرگز بھی نہیں جاؤں گی۔" لالہ اسے [illegible] تھی۔

"[illegible] جائیے، اپنے کمرے میں جائیے۔"

"[illegible] آپ جناب کہنا چھوڑ دو۔" لالہ بے ساختہ اس بات پر خوش ہو گئی تھی۔ اور اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اس مٹی سے بنے وجود کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لے گی۔

"اچھا۔" حیام نے گویا جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا چلتی ہوں، صبح ملاقات ہوگی۔" لالہ کو گویا اس کی حالت پر ترس آگیا تھا۔ اور وہ مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا کر باہر نکل رہی تھی۔ مگر ایک، دو مرتبہ اس نے مڑ کر گم صم بیٹھے حیام کی طرف ضرور دیکھا تھا۔ اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"صدیقہ! میرا ناشتا کمرے میں رکھ دو۔" وہ زمینوں کے حساب کتاب والا رجسٹر توقیر بیگم کو دکھا کر سارا حساب سمجھا آیا تھا۔ کل پیداوار، کل خرچہ اور کل آمدنی، فصل کی ساری رقم وہ ہمیشہ کی طرح توقیر بیگم کو دے کر باہر نکلا تو صدیقہ کو کچھ کرنا تھے کے بارے میں کہتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے کپڑے کافی میلے ہو رہے تھے۔ دراصل وہ اس وقت پانی لگوا کر آرہا تھا۔ جب تک اسے ڈھنگ کی جاب نہیں مل رہی تھی۔ وہ اپنا پورا وقت زمینوں کی دیکھ بھال میں صرف کر رہا تھا۔ فارغ رہنے سے بہتر مصروفیت تھی اور آج کل تو حیام ویسے بھی لالہ سے بچنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی کہتی بولتی آنکھیں حیام کو ایک خوف میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ وہ جتنا اس سے کترا رہا تھا۔ وہ اسی قدر اس کے قریب آنے کی کوشش میں تھی اور حیام کو لگتا تھا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔

ابھی وہ نہا کر واش روم سے نکلا ہی تھا جب لالہ کو ناشتے والی ٹرے میز پر رکھتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"صدیقہ کہاں ہے؟" وہ ناگواری چھپاتے ہوئے بولا۔

"وہ اماں جی کے کمرے میں چلی گئی ہے ان کی ٹانگیں دبانے۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے نہیں نکلے گی۔ تم اطمینان رکھو۔" لالہ نے مطمئن انداز میں کہا تھا جبکہ حیام کی پیشانی پر سلوٹ پڑ گئی۔

"آپ کو میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے۔"

"کیوں نہیں آنا چاہیے؟"

"یہ سب ٹھیک نہیں ہے پلیز، آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ جھنجلا کر رہ گیا تھا۔ جو کچھ وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا، لالہ جانتے بوجھتے بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"تم مجھ سے گھبراتے کیوں ہو؟ اس قدر کتراتے کیوں ہو؟" گہری اداسیاں لالہ کی سمندر آنکھوں میں اتر آئیں۔

"نہیں تو ایسی تو بات نہیں۔" وہ صاف مکر گیا۔

"ایسی بات ہے۔" لالہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔ "تم کیوں نہیں چاہتے ہمارے درمیان سے اجنبیت کی دیواریں گر جائیں، ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے کچھ دیر کے لیے بات کر لیا کریں۔ تم میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکتے؟"

"یہ ناممکن ہے، ایسا نہیں ہو سکتا، بھلا ہمارے خاندان میں ایسی باتیں زیب دیتی ہیں اور پھر آپ تو پیر علی حضرت کی پوتی ہیں، ان کی گدی کی واحد حق دار۔"

"اللہ کا واسطہ تمہیں، یہ گدی کی بات میرے سامنے نہ کیا کرو۔" لالہ نے اپنے کنول جیسے نرم ملائم سفید ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے اور حیام واضح طور پر نظر چرا گیا۔

"مجھے نہیں خواہش اس گھر کے ایک کمرے میں قید اپنی زندگی کو زنگ لگانے کی۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں، کرتا تو آپ [illegible]" وہ الجھ کر بولا۔

"تم ہی تو سب کچھ [illegible]" [illegible] لالہ کی آنکھیں ستاروں کی [illegible] لگیں۔ [illegible] وقت [illegible] کے جائیں یا فطری خواہشوں اور [illegible] بردستی کے بند باندھیں تو خود بخود ایک چور دروازہ [illegible] مل جاتا ہے۔ لالہ رخسار اسی چور دروازے [illegible] غیر مناسب اور ٹیڑھے میڑھے راستے پر [illegible] تھی۔ حواس باختہ، الجھی، پریشان اور ڈبل [illegible]

"میں بھلا کیا کروں گا، میرے اختیار میں کچھ نہیں۔"

"تم ایسا مت سوچو، تمہیں ذلیل و رسوا کرنے والے روٹی کے ٹکڑے جتانے والے کب کے راہی عدم ہوئے۔ فرار کا راستہ ان قبروں سے بھرا ہوا ہے۔ اب تمہیں نیچ نظروں سے کوئی نہ دیکھے گا۔ [illegible] کا خوف حیام!" وہ مچل کر بے قراری سے بولتی چلی گئی۔

"پھر بھی میں اپنا مقام نہیں بھول سکتا، ایک طوائف کا بیٹا ہی رہوں گا۔ پیر علی حضرت کے خاندان کا حصہ نہیں بن جاؤں گا۔" وہ [illegible] صاف کو تھا۔

"تم [illegible] دادا حضرت [illegible] کے بیٹے ہی ہو [illegible] اس خاندان [illegible] سے تعلق [illegible] خاندان کا حصہ ہو، یہ حقیقت [illegible] انکار کر سکتا۔"

[illegible] کو جانے دیجیے۔ آپ مجھ حقیر پر ایک [illegible] کیجیے۔" وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر رخ موڑ [illegible]

"یہاں سے چلی جاؤں؟ یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" وہ گویا اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"اگر آپ کو مجھ پر رحم آتا ہے تو چلی جائیں۔"

"یوں رخ مت موڑا کرو حیام! میرا دل دکھتا ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے چھلکتی آنکھوں کے کٹوروں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

پیر علی حضرت اپنی خاندانی گدی کے اصل وارث یعنی لالہ کے والد پیر ذاکر کی حادثاتی موت کے دکھ کو دل میں سموئے اپنی آخری گنی چنی سانسوں میں اپنی گدی کو پیر ذاکر کی بیوہ اور اپنی بھتیجی توقیر بیگم کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند گئے تھے۔

توقیر بیگم جو کہ ازل سے اس گھر کی دیواروں میں سانسیں لے رہی تھیں۔ اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ تلے دب کر رہ گئیں۔ مگر ایک خوشی اور دل میں چبھن دیتی پھانس پیر ذاکر کی موت کی صورت میں تو نکل ہی چکی تھی۔ [illegible] اس کے [illegible] اور پیار آدمی کوئی نہیں دیکھا تھا اور ان [illegible] حیام کے اور کسی کے لیے نہیں [illegible] حضرت کو اپنی بیوہ اور بھانجی کے مستقبل [illegible] اس لیے نفرت تھی کہ ان کے بھانجے پیر [illegible] ایک ایسی عورت، جو گناہ کی دلدل سے نکل کر پاکیزگی کے سفر پر نکلی تھی کے ہمراہ تھے۔ اللہ نے اسے حیام جیسے بیٹے کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ مگر ایک حادثہ ان دونوں کو نگل گیا۔ معصوم حیام اپنی پھوپھی توقیر بیگم کی گود میں پہنچ گیا اور یہاں سے اس کی زندگی کے تلخ ترین دور کا آغاز ہو گیا تھا۔

پیر علی حضرت کی نگری میں حیام کو لمحہ لمحہ نفرتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پیر ذاکر اسے کسی کتے کی طرح ناپاک اور کسی چھوت کی بیماری میں مبتلا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک طوائف کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ نہایت کریہہ اور ناپاک تھا۔ سو وہ اپنی پھوپھی کی مہربانی سے ہمیشہ اس گھر سے دور ایک درس گاہ میں زیر تعلیم رہا۔ مگر جب بھی اسے واپس گھر آنا پڑتا اور یہاں آکر رہنا تو یہ دن اس کی زندگی کے عذاب ناک دن بن جاتے۔

پیر صاحب کا جلال اسے دیکھ کر اللہ آتا۔ وہ قرآن پاک کو ہاتھ میں پکڑتے آنکھوں سے چومتے اور اسے وضو کرنے کا اشارہ کرتے۔ وہ وضو کر کے آجاتا تو ان کی گرج دار آواز اس کی روح تک کو لرزا کر رکھ دیتی۔

"پارہ نمبر تیرہ، سورۃ الرعد، آیت نمبر تین سے شروع ہو جاؤ۔"

"پیر صاحب! میں کسی مدرسے میں نہیں پڑھتا، یہ ایک اسکول ہے جہاں انگریزی پڑھائی جاتی ہے اور میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ سکتا ہوں اور مجھے سورۃ البقرہ، سورۃ لقمان، سورۃ الرحمن اور سورۃ یاسین زبانی یاد ہے۔ جو آپ کہیں میں سنا دیتا ہوں۔" وہ تھر تھر کانپتے ہوئے لرزتی آواز میں کہتا تھا اور پیر صاحب کا ہنٹر ایک دم ہل کھانے لگتا۔

"کافر! تجھے پیروں کے خاندان میں نہیں پیدا ہونا

چاہیے تھا تو قرآن پاک کا حافظ نہیں' تجھے اللہ کا کلام یاد نہیں۔" چیختی شائیں شائیں اور پھر گہری ضربیں۔ حیام کی چیخیں زنان خانے کے درو دیوار تک ہلا کر رکھ دیتی تھیں۔ تو قیر بیگم جائے نماز پہ بیٹھی ہوتی تھیں۔ وہ حیام کی چیخوں کو سن کر ہذیانی انداز میں فرش پہ ٹکریں مارنے لگتیں۔

"مار دیا' ہائے مار دیا' حیام کو مار دیا۔" وہ سسک سسک کر رونے لگتیں۔ ادھر پیر صاحب کے مرید اٹھا کر حیام کو گھر چھوڑ جاتے' تب صدیقہ کی اماں رفیقہ بھی ہوا کرتی تھیں اور وہ پوری رات حیام کے جسم پہ ہلدی کا لیپ اور ٹکوریں کرتی۔ وہ ایسی نفرت' ذلت اور حقارت کو سہتے سہتے جوان ہوا تھا۔

پیر صاحب اسے گھر کے اندر پھوپھی سے ملنے کے لیے بھی نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ پابندی اس وقت عائد ہوئی تھی جب انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی اکلوتی پوتی لالہ رخسار جوان ہو گئی ہے۔

پیر صاحب مر گئے تو گدی پہ توقیر بیگم کو بٹھایا گیا۔ عقیدت مندوں کی لائنیں' عرس' لنگر' دعائیں' فریادیں۔ بہت جلد توقیر بیگم اس ہجوم سے گھبرا کر گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔ مریدین کو منع کر دیا گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

زنان خانے کے درو دیوار ایک گہری خاموشی کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اس خاموشی کے پردے کو کبھی کبھی لالہ کی سسکیاں چاک کر دیتی تھیں۔

رات کی ہولناک تاریکیوں میں جب لوگ اپنے بستروں میں گہری نیند کے مزے لے رہے ہوتے تھے' لالہ رخسار ننگے پیر فرش پر چلتی تھی اور اسے لگتا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے آبلے پڑ رہے ہیں۔

اور وہ زخمی قدموں سے چلتی ہوئی ایک مرتبہ پھر حیام کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ مگر آج دروازہ اندر سے لاک تھا۔

"حیام! دروازہ کھولو۔" وہ دھیرے دھیرے دستک دے رہی تھی۔ مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی حیام جاگ رہا ہے۔ مگر جان بوجھ کر دروازہ نہیں کھول رہا۔

"حیام! میں کہہ رہی ہوں' دروازہ کھولو۔" وہ دبی آواز میں چیخی۔ "میں شور مچا دوں گی' اگر تم نے دروازہ نہ کھولا۔" اس کی دھمکیاں بے اثر تھیں۔

"تم مان جاؤ گے ایک دن' سرنگوں ہو جاؤ گے' پھر سارے دروازے کھل جائیں گے۔" اس کے آنسو فرش پر گر رہے تھے۔

"یہ سانسوں میں اتری گھٹن دور بہت دور چلی جائے گی۔ ایک دن پیر عالی حضرت کے زنان خانے میں بچوں کی کھلکھلاہٹیں اور قلقاریاں گونجیں گی۔" وہ سسک رہی تھی' سسکتی جا رہی تھی۔

"ایک نسل کی امین عورت کو پھر کوئی بھی مرد طاقت کے زور پر گدی پر نہیں بٹھائے گا اور نہ ہی قسموں اور وعدوں میں جکڑ کر عورت کی فطری خواہشوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ عورت کو تعویذ دھاگوں میں الجھا کر ایک کمرے میں بند کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ گھروں کی زینت و زیبائش اور افزائش نسل کے لیے اسے مرد کا رفیق بنایا گیا ہے تو پھر یہ قید تنہائی کے عذاب بخش کر عورت کی توہین کیوں کی جاتی ہے؟" وہ فرش پر گرنے والے اپنے آنسوؤں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"نہیں' اماں جی! آپ ایسا نہیں کر سکتیں' میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ لالہ رخسار [illegible] جو پیر عالی حضرت کے [illegible] زندگی کے سارے ماہ و سال [illegible] میں لالہ رخسار ہوں۔ اور میں [illegible] خوشیاں چھین کر بھی حاصل کر لوں [illegible] دیکھ لینا اماں جی! میں یہ کر کے رہوں [illegible] مجھے حیام کو سیڑھی بنانا پڑا تو [illegible] میں پرانی رسموں اور رواجوں پر خود کو قربان نہیں کر سکتی۔ نہیں' اماں جی! کبھی بھی نہیں۔" وہ تھک کر بکھر گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

"حیام!" مانوس سی اپنائیت سے بھری اس آواز کو سن کر حیام رک گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹریکٹر کی چابیاں تھیں اور وہ ہل چلانے کے لیے کھیتوں پر جا رہا تھا۔ مگر لالہ کی آواز سن کر رک گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ بڑے سے شنیل کو اپنے اردگرد لپیٹے ہوئے تھی۔ اس چادر کو اتارنے کی کبھی بھی اجازت نہیں ملی تھی اور یہ چادر اتارنا بھی ایک بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ کبھی بھی حیام کو بھی ان خیمہ نما چادروں سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔ [illegible] ڈھکنے کے لیے لباس سے ہم [illegible] میں بھلا کیا حرج تھا۔ مگر یہ پشت در پشت سے رسومات چلی آ رہی تھیں۔ جن کی [illegible] ارکان کی طرح لازمی [illegible]

"زمینوں [illegible]" [illegible] بتایا۔

"مجھے [illegible] لے چلو گے کیا؟" لالہ تیز تیز بول [illegible] بہت جلدی تھی۔

"اس وقت [illegible] گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک آجاؤں گا۔" اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

"[illegible] سورج ڈھلنے تک مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ ورنہ۔" وہ کہتے کہتے ایک دم زبان دانتوں تلے دبا کر چپ کر گئی۔

"تو پھر مجھے واقعی دیر ہو جائے گی۔ آج ہل چلانا ضروری نہ ہوتا تو میں آپ کو لے جاتا۔ آپ نے خانقاہ ہی جانا ہو گا تو آپ صدیقہ کو ساتھ لے جائیے۔"

اس نے خود ہی اندازہ لگایا تھا کہ لالہ نے خانقاہ کے علاوہ بھلا کہاں جانا ہے۔ حالانکہ آج جمعرات کا دن نہیں تھا اور جمعرات کے علاوہ لالہ کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج منگل کا دن تھا۔ یعنی بدھ ہر کام سدھ اور منگل یعنی سنگل (زنجیر) اور یہ عمل اسی وقت کیا جاتا تھا جب دو وقت مل رہے ہوتے۔ یعنی دن شام سے بغل گیر ہو رہا ہوتا۔ یہ وقت کسی بھی عمل کے لیے مناسب تھا۔

"اماں جی کو مت بتانا۔" وہ پلٹنے لگا تھا جب لالہ نے جلدی سے کہا۔

"تو اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟" حیام حیران ہوا۔

"وہ دراصل [illegible] جمعرات نہیں ہے نا۔" اس نے پریشانی کی اصل وجہ بتا دی تھی۔ اب کے حیام بھی چونکا۔

"تو پھر آپ کیوں جا رہی ہیں؟"

"[illegible] صاحب اور دادا صاحب کی قبروں پر پھول چڑھانے ہیں۔ نئے غلاف چڑھاؤں گی۔ دل بہت بے قرار تھا۔ سوچا بزرگوں کی قبروں پہ چراغ جلا آؤں۔" اس نے وجہ کافی معقول بتائی تھی۔ اسی لیے حیام چپ سا کر گیا۔

"پھر بھی آپ اماں جی کو بتا دیں۔"

"نہیں بتا سکتی' وہ منع کر دیں گی۔"

"کیوں بغیر بتائے جانا مناسب نہیں۔" وہ سوچ میں گم تھا۔

"تم ہر وقت مناسب اور غیر مناسب کے چکروں میں پڑے رہا کرو۔" لالہ کو غصہ آ گیا۔

"میں اب جاؤں؟" حیام اجازت چاہ رہا تھا۔

"کچھ دیر اور رک جاؤ۔" لالہ نے گویا فرمائش کر دی۔

"کتنی دیر تک۔" وہ گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔

"اگر میں کہوں پوری زندگی۔" لالہ انوکھی باتیں ہی تو کرتی تھی۔

"تو میں کہوں گا کہ یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں ممکن نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کرتی ہیں' میرے تو کچھ پلے نہیں پڑتا۔"

"سب کچھ سمجھتے ہو اور پھر بھی انجان بنتے ہو۔" لالہ کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ "کب تک نگاہ چراؤ گے؟ کب تک نا سمجھ بنو گے؟"

وہ نچلے ہونٹ کو اذیت سے کچلتے ہوئے پلٹ گئی تھی' جبکہ حیام بھی سوچتا ہوا باہر نکل گیا۔ مگر پہلی مرتبہ اپنے کام کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ اس کا ذہن بار بار بھٹک جاتا تھا اور دھیان کی سوئی لالہ کی گہری باتوں میں اٹک جاتی۔ اسی لیے کچھ ہی دیر میں وہ ٹریکٹر بند



بیکے خانقاہ کی طرف جارہا تھا۔ یہ سب غیر ارادی تھا۔ وہ جانا تو گھر کی طرف چاہتا تھا مگر قدم اس کے خانقاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا لالہ اس وقت خانقاہ میں موجود ہوگی۔ مگر اس کی آنکھیں اس وقت تحیر زدہ رہ گئی تھیں جب اس نے لالہ کو صدیقہ کے ہمراہ خانقاہ کے بجائے سائیں جی کے جھونپڑے سے نکلتے دیکھا تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوگئی تھیں۔

"لالہ یہاں کیا کررہی ہیں؟"

☆ ☆ ☆

"آپ خانقاہ گئی تھیں؟" دوسرے دن از خود حیام کو گول کمرے میں آتا دیکھ کر لالہ کچھ تو چونکی تھی مگر خوشی اس بات کی تھی کہ حیام آج خود اس کے پاس آیا تھا۔ چاہے کچھ پوچھنے یا تفتیش کرنے ہی سہی۔

"ہاں۔" اس نے چمکتی آنکھوں سے جھوٹ بولا۔

"نہیں" آپ وہاں نہیں گئی تھیں۔" حیام نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"میں خانقاہ گئی تھی۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولی۔

"تم نہیں گئی تھیں۔" ایک دم بلا ارادہ اس کے منہ سے پھسل پڑا تھا اور جب اسے اپنے منہ سے نکلنے والے لفظ تم کا احساس ہوا تو گویا وہ شرمندہ ہوکر رہ گیا تھا۔

"ایک دفعہ پھر کہو" لالہ نے گویا خوب ہی لطف لیا تھا اور اسے یہ بے تکلفی کی طرف پہلا قدم کامیابی کی ایک کڑی معلوم ہونے لگا تھا۔

"میری بات کا جواب دیں۔" وہ سنبھل کر گویا ہوا۔

"پہلے آپ جناب کہنا ترک کرو، پھر بتاؤں گی۔" اس نے اطمینان سے شرط بتادی۔

"پتا تو مجھے چل ہی گیا ہے، نہ بھی بتائیں [illegible] نہیں پڑے گا" تاہم مجھے آپ کی غلط [illegible] افسوس ہوا ہے۔"

"میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔" وہ صاف مکر گئی۔

"آپ سائیں جی کے حجرے میں کیا کرنے گئی تھیں؟" حیام نے بے حد ناگواری سے پوچھا۔

"وہ ایک فقیر آدمی ہیں۔ ان سے دعا کروانی تھی۔" لالہ نے بلا تحرج بتادی۔

"وہ فقیر نہیں" ایک جادوگر ہے" کالا علم ہے اس کے پاس۔ رات بھر قبرستان میں بیٹھا چلے کاٹتا ہے۔ آئندہ اس طرف مت جائیے گا۔ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ جھوٹی باتیں اور جھوٹے قصے سناتا ہے۔ آپ کو بھلا کیا ضرورت ہے دعائیں کروانے کی۔ اگر دعا مانگنی ہے تو اللہ سے مانگیں۔ ایک بات یاد رکھیے "اللہ کے علاوہ آپ کے دکھ درد" غم" فکریں کوئی اور دور نہیں کرسکتا۔ آپ اپنے دل کی بھڑاس" اپنی تمنائیوں کی باتیں اللہ سے کیا کریں۔ وہ آپ کے راز کسی اور کو نہیں بتائے گا۔"

حیام نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بول رہا تھا اور لالہ بھلا سن کہاں رہی تھی۔ وہ تو حیام کو بس دیکھے جارہی تھی۔ دیکھے جارہی تھی۔ آج وہ اسے عام دنوں سے بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا بہت اپنا اپنا سا۔

"آپ آئندہ وہاں نہیں جائیں گی۔"

"میں ضرور جاؤں گی۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"لالہ! وہاں جانا ٹھیک نہیں۔" حیام [illegible] نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے [illegible]

"[illegible] ٹھیک نہیں [illegible]" وہ مزید جاتا تو بہت مبارک ثابت [illegible] حیام کو میری فکر لاحق ہوگئی [illegible] سے بولی تھی اور اسے گویا یقین [illegible] سائیں جی کا عمل کامیاب ہوگیا ہے۔ حیام [illegible] فکر یہ توجہ اور احساس کرنے کا انداز [illegible] کرر ہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اسے ایک دو مرتبہ مزید سائیں جی کے حجرے میں جانا پڑے گا۔ حیام کو اپنی طرف مزید مائل کرنے کے لیے نئے چاند کی رات کا عمل بہت ضروری تھا۔

"آپ وہاں نہیں جائیں گی" اگر میں نے پھر سے

آپ کو ادھر دیکھ لیا تو پھر نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔" حیام کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔

"کیا کرو گے؟" لالہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"یہ بعد کی بات ہے' آپ احتیاط کیجیے گا۔" وہ جانے لگا تھا جب لالہ نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

"بات سنو۔"

"جی۔" وہ رک گیا تھا۔

"چائے لاؤں تمہارے لیے؟" لالہ ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ لیے پوچھ رہی تھی۔

"نیکی کا ارادہ ہے تو کر لیجیے۔" وہ پہلی مرتبہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" لالہ چادر کے ایک کونے کو ہاتھ میں دبا کر بولی تھی۔

"چائے صدیقہ کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔" وہ جاتے جاتے تنبیہہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ لالہ ایک دفعہ پھر سے مسکرائی۔

"تم فکر نہ کرو میں نہیں آؤں گی۔" لالہ نے اسے تسلی دے کر بھیجا تھا اور خود کچن میں چلی آئی تھی اور جب چائے بن گئی تو اس نے چادر کے کونے میں بندھی پڑیا کو کھول کر چائے میں گھول دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صدیقہ! ایک بات تو بتاؤ؟" صدیقہ اس کے کمرے میں موجود تھی اور لالہ کے لمبے' سیاہ بالوں میں تیل لگا رہی تھی۔ حالانکہ صدیقہ کو بھی نہ بولنے کی بیماری لاحق تھی۔ ایک چپ کا تالا صدیقہ کے ہونٹوں پر بھی لگا رہتا تھا۔ اور وہ بھی خاموشی کی بکل اس گھر کے مکینوں کی طرح لپیٹے رکھتی تھی۔

"جی۔" صدیقہ کے ہونٹ محض دھیرے سے پھڑپھڑائے تھے۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"اس بات کا کیسے خیال آیا آپ کو؟" صدیقہ کے ہاتھوں کی حرکت لمحہ بھر کے لیے رک گئی [illegible]

"بس ایسے ہی' تمہارے سفید [illegible]"

لالہ تیل کٹورے سے ناخن تراش رہی تھی۔ مگر اس کا سارا دھیان صدیقہ کی طرف تھا۔

"آپ جانتی تو ہیں۔" صدیقہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"میری ماں نے اماں جی سے دعا کروائی تھی کہ اگر اس دفعہ بیٹا ہوا تو مجھ کو عمر بھر کے لیے آپ کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دے گی۔ ماں کو بیٹا مل گیا اور اس نے اپنی منت مجھے یہاں بھیج کر پوری کر دی۔" صدیقہ نے سانولے ہاتھوں کی جھریوں میں شاید گزرے ماہ و سال تلاش کرنا شروع کر دیے تھے۔

"اور تم نے خاموشی سے اپنی ماں کی طرف سے دی گئی اس سزا کو قبول کر لیا؟" وہ مجھے دل سے پوچھ رہی تھی۔

"تو اور کیا کرتی۔"

"اس گھٹن سے دل نہیں گھبراتا؟" ایک دم ہی لالہ کا دل گہری کھائی میں جا گرا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ بے چین ہو اٹھی۔

"بس عادت ہو گئی ہے۔" صدیقہ افسردگی سے بولی۔

"یہ کہو صبر کر لیا ہے۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"پھر میرے لیے بھی ایسے ہی [illegible] میں بھی اپنے حال سے راضی ہو [illegible] صدیقہ کے اٹھ کر چلے جانے کے [illegible]

اور اس شب [illegible] اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ [illegible] لالہ سے کیا بات کرنا تھی۔ [illegible] تک لالہ ان کا انتظار کرتی رہی تھی۔ [illegible] سے طویل تر ہو رہے تھے۔ [illegible] شروع ہوا تو لالہ کا صبر بھی جواب دے گیا تھا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تھی' جب انہوں نے آواز دے کر روکا۔

"رک جاؤ لالہ رخسار۔"

"جی اماں۔" وہ رک بھی گئی تھی اور پلٹ بھی آئی'

بڑی جلالی قسم کی آواز تھی۔ لالہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"آج کل کہاں ہوتی ہو؟" پہلا سوال ہی خاصا دہلا دینے والا تھا۔ لالہ کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔

"اپنے کمرے میں اماں جی! اور کہاں جانا ہے۔"

"جھوٹ بھی بولنے لگی ہو؟" ان کی آواز میں پھنکار تھی۔

"نن' نہیں اماں جی!" وہ ہکلا کر رہ گئی تھی۔ ان کی شخصیت کا رعب ہی کچھ ایسا تھا' [illegible] تھی کہ کوئی اونچی آواز میں ان کے سامنے بول [illegible] خوف کے مارے زرد پڑ [illegible] جس کے سامنے بات کرنے [illegible] مرتبہ سوچنا پڑتا تھا' بھلا اماں ایسی [illegible]

"اماں جی! [illegible] نہیں کیوں جھوٹ [illegible]"

"دیکھو [illegible] جھڑک کر بولیں۔ "کن کاموں میں [illegible] جان کھپا رہی ہو آج کل؟ کس راستے پر [illegible] یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہیں ایک اعلا [illegible] ملنے والا ہے' یہ شان' یہ رتبہ' یہ بزرگی تمہیں عطا کر دی جائے گی تو پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ رہی ہو؟ اپنے نفس کو اور خواہشات کو لگام دے لو' یہ ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ جھاڑ' پھونک' یہ سفلی عملیات' یہ سب تمہیں زیب دیتا ہے؟" جلال کے مارے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"مجھے یہ بزرگی' یہ عظمت' یہ منصب' ان میں سے کچھ نہیں چاہیے اماں جی۔" وہ دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"تو کیا چاہتی ہے؟" ان کے اندر گویا بھانبڑ جل اٹھے تھے۔ گول گول ڈیلوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

"مجھے یہ جاگیریں' مرتبے اور شان و شوکت نہیں چاہیے۔ مریدوں کی آنکھوں میں موجود عقیدت نہیں چاہیے۔ میں دیوی نہیں بننا چاہتی کہ لوگ آکر مجھے پوجتے رہیں۔ میں اس کمرے میں قید ہونا بھی نہیں چاہتی اماں جی! مجھے ایک جھونپڑی کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا کچا' پکا مکان جس کے ہر در' دریچے میں ننھے منے بچوں کی قلقاریاں اور ہنسنے کی آواز سنائی دے۔" بھلا اس [illegible] اور کتنا کھول کھول کر بتاتی کہ اسے بھی [illegible] نہیں چاہیے۔ اسے تارک نہیں بننا۔ اس کی خواہشات سن رسیدہ کونپلوں کی دہکتی بھی [illegible]

"یہ رسم ہے ہمارے خاندان کی۔ جو آدمی اپنی اولاد [illegible] سے محروم اس دنیا سے جاتا ہے۔ اس کی بیٹی کو ہی گدی کا وارث بنایا جاتا ہے' تجھے اس گدی پر بیٹھنا ہے ہر صورت۔"

"اماں جی! آپ میری ماں ہیں اور آپ بھی میری بات سمجھ نہیں پا رہیں۔ آپ اپنی بیٹی کو کیوں زندہ درگور کر دینا چاہتی ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ جوڑے گویا التجا کر رہی تھی۔

"تجھے غیرت نہ آئی۔ پیر علی حضرت کی پوتی ہو کر ایک مرد کو لبھانے کی کوشش کرتی ہے۔ آج کے بعد تجھے ٹونے کرتے دیکھ لیا تو یاد رکھنا' مائی جھنداں کے تندور میں راتوں رات پھنکوا دوں گی۔" ان کا وجود غیض و غضب سے ــــ کانپ رہا تھا اور ادھر لالہ رخسار نے حقارت سے اس کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔

"ہونہہ' کیا کر لیں گی آپ۔ میں ان لفظوں کے تیروں سے گھائل نہیں ہو سکتی۔ جو چاہے کر لیں مگر ایک بات تو طے ہے' اپنے حصے کی خوشی کو میں کسی اور کی جھولی میں نہیں گرنے دوں گی۔"

اس کمرے کی قبر سے باہر نکلتے ہوئے لالہ رخسار نے حقارت سے سوچا تھا۔ اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہاتھ میں ایک صراحی موجود تھی۔ جس کو گلاب کے عرق سے بھرا ہوا تھا۔ کھجور کی گٹھلیوں کی ایک لمبی سی مالا تھی جو اس نے اپنے گلے میں ڈال رکھی تھی۔ دوسری ہتھیلی پر ایک دیا رکھا ہوا تھا۔ دیا جل رہا تھا اور اس دیے میں تعویذ بھی موجود تھے۔ جو دھیرے

دھیرے سلگ رہے تھے۔ وہ کالک کی سیدھ میں چلتی جارہی تھی۔

اس کا رخ حیام کے کمرے کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نیند میں دھت حیام کے پلنگ کے ارد گرد گول گول گھوم رہی تھی۔ اس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔ اور وہ تعویذوں کے دھویں کو پورے کمرے میں پھیلا دینا چاہتی تھی۔ اسے حیام کی نیند ٹوٹ جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کیونکہ آج دودھ میں اس نے نیند کی گولیاں گھول کر اسے پلا دی تھیں اور یہ کام وہ پچھلے ایک ہفتے سے کررہی تھی۔ اس کام سے مطمئن ہوکر وہ احتیاط سے دروازہ بند کرکے باہر نکل گئی تھی۔

اس سے اگلی رات بھی لالہ نے یہی عمل دہرایا تھا۔ اس رات بھی وہ حیام کے گرد چکر لگا کر کھلے آسمان تلے چلی آئی تھی۔ اب وہ سر سے چادر اتار رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے سر کے بال کھول دیے اور پیشانی کو ٹھنڈے فرش پر رکھ کر دعائیں مار مار کر رونے لگی۔

"اے اللہ! میں نہیں جانتی' یہ کام ٹھیک ہے یا غلط' گناہ کا کام ہے یا ثواب کا۔ حیام کا دل میری طرف مائل ہورہا ہے اور یہ میرے لیے بڑی کامیابی ہے مالک! میں تیرے بندوں کی دیوی نہیں بن سکتی۔ وہ بندے تیرے' اور آئیں میرے پاس' اور میں بغیر علم کے بغیر علم کی سوجھ بوجھ کے انہیں گمراہ کردوں' نہیں مالک! یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ اس گدی پر تیرے عبادت گزار' متقی اور پرہیزگار بندے بیٹھنے کے اہل ہیں۔ جو تیری بچی بندگی میں مشغول رہتے ہیں۔ جن پر نفس حاوی نہیں ہوتا۔ خواہشیں جن سے دور ہوتی ہیں جو گھر اور ور کی امید نہیں کرتے' جو چاہے جانے اور سراہے جانے کی طلب نہیں کرتے۔ جن کے دل میں کسی کی چاہ نہیں ہوتی۔ اور میں بھلا کون ہوں؟ ایک عورت جو اپنا جائز مقام اور نام چاہتی ہے۔ میں ایک ایب نارمل زندگی کی تمنائی نہیں۔ یا اللہ! مجھے توقیر بیگم نہیں بننا اور نہ ہی میں خانقاہ میں [illegible] عورتوں جیسی زندگی گزارنا چاہتی ہوں [illegible] درخت اور قرآن پاک سے نکاح [illegible]

اس غیر فطری زندگی سے بچالے میرے مالک۔"

وہ اپنی پیشانی رگڑ رگڑ کر رو رہی تھی اور اس کمرے کی چھت کے نیچے توقیر بیگم اپنے چہرے پر جلال کے سارے رنگ لیے تسبیح پڑھتے ہوئے دائیں بائیں سر ہلا رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی پراسرار لکیریں۔ اور ان لکیروں میں توقیر بیگم کی اپنی زندگی کی داستان کا لفظ لفظ چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔

"کبھی نہیں' کبھی نہیں' تجھ کو اسی مقبرے میں بچنا ہے میری بچی' یہ مقبرہ ہی تمہاری زندگی کا حاصل ہے۔ میری بدصورت اور کریہہ شکل والی جوانی بھی اسی مقبرے میں گل سڑ گئی تھی۔ تیرا حسن' تیری وہ تیزی اور تابناکی وہ درخشندگی بھی اسی مقبرے میں گل سڑ جائے گی۔ حیام تیرا کبھی نہ ہوپائے گا میری جان! کیونکہ میں حیام کو ایسا کرنے نہیں دوں گی۔ پیرزادگی کی نسل کی اس آخری عورت کو اپنے باپ' دادا کے گناہوں اور جرم عظیم کی کچھ تو سزا پانی چاہیے نا۔" وہ وحشت کے عالم میں ان دیواروں سے پوچھ رہی تھیں۔ جو ہمیشہ کی طرح خاموش' چپ اور اداس تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے عمل کا آج اٹھارواں دن تھا۔ سائیں جی نے کہا تھا کہ اس کی منزل اب بہت قریب ہے۔ ایسے حالات میں اسے مزید ثابت قدم رہنا [illegible] پھر دہی۔ عمل دہرا رہی تھی [illegible] ہر سو ہولناک سناٹا اور [illegible] تھی۔ وہ عمل کے انتہائی [illegible] ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا حیام [illegible] سویا ہوا ہے۔ لاشعور اس پر حاوی تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر دراصل وہ [illegible] تھا اور نیند کی حالت میں ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور نیند ہی کی حالت میں چلنے اور بولنے لگا تھا۔ کھویا کھویا سا سویا سویا سا۔ سائیں جی کا عمل کامیابی کے آخری کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ حیام کی سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے والی دماغی صلاحیتوں کو سلب ہوچکی تھیں۔ یہ اثر عارضی ہوتا تھا۔ یعنی کچھ گھڑیوں پر مشتمل'

تعویذوں کے جلنے کا اثر اس قدر شدید ہوتا تھا کہ حیام سدھ بدھ بھول کر دوبارہ غنیمت میں دھت ہوجاتا۔ لیکن پریشانی یہ تھی کہ نیند کی حالت میں کہی وہ اپنی ہر بات بھول جاتا تھا۔

نہ جانے یہ کیسا عمل تھا اور اس کا نتیجہ کیا نکلتا۔ وہ گھبرا گئی تھی کہ کہیں حیام کی دماغی حالت ان تعویذوں کی نحوست کی وجہ سے ابتر نہ ہوجائے اور عام حالت میں بھی حیام پر اس کا اثر قائم نہ رہے۔ اس نے اپنے خوف کو سائیں جی کے سامنے ظاہر کیا [illegible] پریشان تھی کہ کہیں شادی کے بعد بھی حیام پر ایسی کیفیات طاری نہ رہیں۔

سائیں جی نے [illegible] تسلی دی تھی۔ انہوں نے لالہ کو [illegible] اتنا سخت نہیں کہ حیام ہوجائے [illegible] دماغی حالت پر کوئی اثر نہیں رہے گا۔ حیام [illegible] ہی سہی اس کی طرف متوجہ [illegible] ہر رات کو نیند کی حالت میں نہیں [illegible] جب بھی لالہ مہینے میں ایک مرتبہ اپنا عمل دہراتی تھی تب تعویذوں کی گھبراہٹ اور عمل کی سختی اس کی طبیعت کو حد درجہ خراب کردیتی تھی اور یہ عمل" مہینے میں ایک مرتبہ ہوتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حیام کو صبح تک اپنی رات والی کیفیت بھول جایا کرتی تھی۔ اسے قطعا" کچھ بھی یاد نہیں رہتا تھا۔

اس دن حیام بہت خوش تھا۔ اسے نوکری مل گئی تھی۔ اور وہ اپنی خوشی سب سے پہلے لالہ سے شیئر کرنے گھر بھاگا بھاگا چلا آیا تھا۔

"مجھے جاب مل گئی۔" اس کی بے ساختہ خوشی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

"مبارک ہو۔" لالہ نے اپنی خوشی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟"

"کیا مجھے خوش ہونا چاہیے تھا؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولی۔ دراصل وہ اس کے جواب کی گہرائی کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں۔"

"پھر کیوں؟ نوکری تو تمہیں ملی ہے۔" لالہ نے معنی خیزی سے کہا۔

[illegible] حیام سے جواب بن نہیں پایا تھا اور [illegible] پاس رکا بھی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں لالہ [illegible] سامنے ہوتی تو وہ عجیب و غریب قسم کی کیفیات کا شکار ہوجاتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا گویا اس کا ذہن دھیرے دھیرے سونے لگا ہے۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کسی قوت کے زیر اثر ہیں۔ اور وہ خود کو لالہ کے سامنے مکمل طور پر بے بس پاتا ہے۔

اسے یوں لگتا تھا گویا وہ لالہ کے سامنے کبھی اپنی مرضی کی گفتگو نہیں کرپائے گا۔ وہ صرف لالہ کی زبان میں بات کرے گا۔ اور اس کے ذہن سے ہی سوچے گا بھی۔ بھلا یہ اس کے ساتھ کیا ہورہا تھا؟ حیام سمجھنے اور نہ سمجھنے کے درمیان الجھا ہوا تھا۔ اپنے اندر کی کشمکش' بے چینی اور گھبراہٹ کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' صرف کچھ عرصے سے وہ ان کیفیات کے زیر اثر تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ چاند کی پھر--- آخر راتیں تھیں۔ لالہ پچھلے صحن میں مٹی کی کٹوری میں تیل ڈالے عمل کرنے میں مصروف تھی اور جب اس کا عمل اختتام کو پہنچنے لگا تو صدیقہ کی آواز نے اسے کپکپا کر رکھ دیا۔

"کیوں آئی ہو میرے پیچھے۔" وہ پھنکار کر بولی تھی۔

"اماں جی نے آپ کو بلوایا ہے۔" صدیقہ کچھ خوف زدہ تھی۔ یقینا" اماں جی کو دھوئی کی بدبو اور تعویذ جلانے کی مخصوص مہک نے چونکا دیا تھا۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" وہ مٹی کی کٹوری کو ایک گملے کی اوٹ میں کرکے توقیر بیگم کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ توقیر بیگم جاگ رہی تھیں اور اس وقت جائے نماز کے بجائے کمرے میں بڑے جلال کے عالم میں ٹہل رہی تھیں۔

"جی اماں!" اس نے سر جھکائے ادب سے کہا۔ وہ

کافی دیر اسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی تھیں اور پھر کرخت آواز میں پوچھنے لگیں۔
"کیا چاہتی ہے تو؟ کیا چاہیے تجھے؟"
"حیام۔" لالہ کا اطمینان قابل دید تھا۔
"بے غیرت! بے شرم! تیرے منہ میں انگارے پڑیں بدبخت! بے حیائی کی بات کرتی ہے۔" وہ پھر کر اس تک آئی تھیں اور پھر اس کے منہ پر زور کا طمانچہ جڑ دیا۔ "یہ سفلی عمل، یہ جادو ٹونے ان سے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"
"یہ عمل، یہ ٹونے مجھے خوشی اور سکون نہیں دیتے۔ میں یہ سب چھوڑ دیتی ہوں اماں جی! پر میری ایک بات سمجھ لو نا۔ آپ۔ آپ میری شادی حیام سے کردو۔ اس جاگیر اور دھن دولت کے سارے اختیار حیام کو دے دینا اور میں ایک عام عورت جیسی زندگی کو اپنا لوں گی۔ آپ تو میری ماں ہو نا اماں جی! اور مائیں تو بن کہے اندر کا حال جان لیتی ہیں، پھر میرے اندر کی خواہشوں کا حال آپ تک کیوں نہیں پہنچتا۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے سسک رہی تھی جب توقیر بیگم نے ایک دم دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔
"میں سب سمجھتی ہوں، پر پھر بھی مجبور ہوں۔"
"کیسی مجبوری اماں جی! آپ کے سر پر کون تلوار لے کر کھڑا ہے؟ آپ اپنے فیصلوں میں بااختیار ہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔
"میں اپنے بزرگوں کی مجرم نہیں بن سکتی۔ میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتی۔" انہوں نے دو ٹوک تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔ لالہ رخسار نے ایک زخمی نظر سے اپنی ماں کے بدصورت چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس لمحے اسے اپنی ماں کا چہرہ اور بھی بگڑا اور بدصورت نظر آیا۔ یوں کہ اس کا دل بری طرح سے متلا گیا تھا اور وہ کسی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح اٹھتے ہوئے بولی تھی۔
"اماں جی! تم سب جانتے بوجھتے میری [illegible] زہر اتارنا چاہتی ہو مگر میں اپنی زندگی [illegible] بزرگوں کی غلط رسومات کی بھینٹ [illegible] نہیں چڑھاؤں [illegible]

گی۔" وہ ان کی اجازت کے بغیر پہلی مرتبہ تیز تیز قدموں سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔ اور یہ لالہ رخسار کی طرف سے کھلا بغاوت کا اعلان تھا۔
"تو کچھ نہیں کر پائے گی۔ میری اجازت کے بغیر حیام سانس بھی نہیں لیتا۔ بھلا تیرے ان عملیات کا کتنی دیر تک اثر رہے گا؟ ایک بات تو طے ہے۔ پیر ذاکر کی بیٹی کے بالوں میں سفیدی اتار کر ہی دم لوں گی۔ اس کے ہاتھ پر کبھی مہندی کا رنگ نہیں رچے گا۔ کبھی چوڑی اور پازیب کی آواز نہیں آئے گی۔ کبھی ہار سنگھار اور خوشبو کی باس نہیں اٹھے گی اس کا وجود قبرستان نہ بنایا تو میرا نام توقیر بیگم نہیں۔"
انہوں نے حقارت سے سوچا تھا اور پھر جائے نماز بچھا کر عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

توقیر بیگم نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اس کے سارے عمل اور ٹونے بیکار گئے تھے اور گھر میں رخشندہ کی ڈولی اتر آئی تھی۔ لالہ رخسار کے اندر گویا آگ کے بھانبھڑ جل اٹھے تھے۔ یہ شکست نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ ہار، جیت کے معنوں میں الجھنا چاہتی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ رخشندہ کے آ جانے سے [illegible] زندگی کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اب کوئی [illegible] باقی نہیں بچی تھی۔ آگے کھائی اور پیچھے [illegible] بھلا جاتی بھی تو کہاں۔
مگر ہمت ہار کر بیٹھنا [illegible] تھا۔ وہ جانتی تھی اگر اس نے ہمت [illegible] لیے ایک قبر [illegible] قید ہو جائے [illegible]
[illegible] کا تھا جو اپنے جیتے جاگتے وجود [illegible] حقیقت بن کر اس کے سامنے کھڑی [illegible] عورت کو بھلا راستے سے کیسے ہٹایا جا سکتا تھا۔ وہ اسے زہر دے کر مارنا نہیں چاہتی تھی۔
اس نے رخشندہ کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے سائیں جی کے تعویذوں کو ہتھیار بنایا تھا۔ اسے پوری امید تھی۔ حیام کے ایب نارمل رویے اسے نیند کی

حالت میں چلتے ہوئے دیکھ کر اور کتنا صبر کرے گی رخشندہ اس گھر میں ٹکے گی۔ وہ چاہتی تھی کہ حیام سے روٹھ کے رخشندہ خوف زدہ ہو کر خود ہی واپسی کی راہ پکڑے۔ اور لالہ، رخشندہ کو خوف زدہ کرنے کے لیے ہر روز ایک نئے طریقے سے اس کے سامنے آتی تھی۔ اور سائیں جی کے اس "عمل" کو میں دو مرتبہ دہرانے لگی تھی تاکہ رخشندہ جلد از جلد یہاں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جائے۔ وہ حیام کو پاگل [illegible] دیوانہ سمجھ لے جو راتوں کو اٹھ کر [illegible] تھا۔ وہ اسے مخبوط الحواس سمجھ لے [illegible] اس کی ساری کوششیں اس وقت بیکار [illegible] جب اس نے رخشندہ کو کبھی [illegible]
"وہ حیام کو [illegible] بجائے اس کے علاج کے لیے فکر مند [illegible] اور وہ [illegible] سمجھتی تھی کہ حیام کو کس نفسیاتی [illegible] ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے رخشندہ نے [illegible] کی زرگون غنی کو گھر بلایا تھا۔ لالہ رخسار کی ساری تدبیریں الٹ رہی تھیں۔
اس نے ایک دفعہ پھر سفلی عملیات کا سہارا لیا تھا۔ وہ رات رات بھر چلے کاٹنے لگی تھی۔ وہ حیام کے نام کا جنتا اور ورد کر رہی تھی۔ وہ اتنا ہی لالہ کی حدود اور کھینچے گئے دائرے سے باہر نکل رہا تھا۔ رخشندہ کا یقین اور محبت اپنا اثر کر رہی تھی اور توقیر بیگم بھی اس کے جادو کا توڑ کرنے کے لیے قرآنی آیات پڑھتی رہتی تھیں وہ یہ ساری ریاضت نہ تو رخشندہ کی ہمدردی میں کر رہی ہیں اور نہ حیام کی محبت میں۔ وہ تو صرف لالہ رخسار کا یقین توڑنا چاہتی تھیں۔
"وہ لالہ رخسار کے اندر سے ہر جذبے، امنگ، خواب اور خواہش کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتی تھیں۔ وہ دراصل لالہ رخسار کو اپنے جیسی زندگی —— بخشنا چاہتی تھی۔
پھر ایک دن کیا ہوا۔ لالہ رخسار کو جیتنے کا ایک موقع مل گیا۔ زرگون غنی کی صورت میں جسے —— رخشندہ نے گھر بلایا تھا۔ لالہ کا خیال یہی تھا۔ وہ غنی سے اپنے لیے یا حیام کے لیے دوا وغیرہ لے گی۔

لالہ کے ذہن نے تیزی سے منصوبہ بنایا تھا۔ اس نے صداقت کو [illegible] اپنا کر کمرے کے دروازے بند کر کے [illegible]
[illegible] وقت قریب تھا اور لالہ حیام کے [illegible] توقیر بیگم کو ایک من گھڑت داستان [illegible] مشتعل کر چکی تھی۔ کمرے میں بند غنی اور رخشندہ کو دیکھ کر مزید بھلا کسی ثبوت کی ضرورت تھی؟ حیام اور توقیر بیگم دونوں رخشندہ سے بدگمان ہو چکے تھے۔ اور دونوں ہی اسے گھر نکالنے کے بعد [illegible] تھے۔ دونوں ہی اپنے اپنے حجروں میں بند تھے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔
لالہ کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ رخشندہ اس کے راستے سے ہٹ گئی تھی۔ اب تو صرف حیام تک پہنچنا تھا۔ اور یہ بھلا کیسے ہوگا؟ یہ سوچنا ابھی باقی تھا۔ منزل بہت قریب تھی اور لالہ کا خیال تھا وہ سائیں جی سے کہہ کر اپنا اور حیام کا نکاح چپ کر پڑھوائے گی اور وہ دونوں یہ حویلی چھوڑ کر چلے جائیں گے مگر لالہ رخسار یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ساری تدبیروں پر "تقدیر" حاوی ہو جائے گی۔ تقدیر جو اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے۔ جو اٹل ہوتی ہے۔
رخشندہ حیام پھر سے آ گئی تھی۔ حیام اسے لے آیا تھا۔ کیوں؟ کیسے؟ کس طرح؟ وہ گویا پاگل ہو کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم آ گئی ہو؟" لالہ کا لہجہ بکھرا بکھرا تھا۔ گویا اس نے اپنی ہار تسلیم کر لی تھی۔ وہ رخشندہ حیام کے آگے گھٹنے ٹیک گئی تھی۔
"ہاں!" آج کی رخشندہ کل کی رخشندہ سے بہت مختلف تھی۔ بااعتماد، پراعتماد، مضبوط۔ اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑی ہوئی۔ یہ اعتماد، یہ مضبوطی، حیام کی بخشی ہوئی تھی۔
"اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔ وہ مجھے لے کر آئے ہیں۔ تمہارا پلان ناکام ہو گیا۔ تمہارے لگائے گئے الزام غلط ثابت ہو گئے۔ انہوں نے مجھ پر لگائے

الزام بہتان کی معافی مانگ لی تھی۔ وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ شرمندہ تھے، پچھتا رہے تھے اور میں نے انہیں معاف کر دیا۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ بھلا میں اپنے گھر سے نکل کر کہاں جاتی؟ میرے دل میں حیام کے لیے بہت محبت تھی۔ اس محبت نے مجھے کسی اور طرف بھٹکنے نہیں دیا تھا۔" وہ بہت دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ بہت صبر اور حوصلے کے ساتھ۔

"محبت!" لالہ نے ویران ویران نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں "محبت!" رخشندہ کا لہجہ بلا کا ٹھہرا ہوا رواں تھا۔ "وہ محبت جو مجھے حیام سے ہے۔ وہ محبت جو حیام کو مجھ سے ہے۔ اور وہ محبت جو تمہیں نہ حیام سے ہے اور نہ کسی اور سے۔" وہ بہت تول تول کر اور سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔ لالہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"تم نے سچ کہا۔ مجھے حیام سے محبت نہیں۔" وہ چوکھٹ تھامے تھامے ویران سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"تمہیں واقعی حیام سے محبت نہیں تھی لالہ! اگر تمہارے جذبے بے کھوٹ ہوتے۔ نیت خالص ہوتی تو حیام تمہیں مل ہی جاتا۔ وہ تم سے محبت بھی کر لیتا۔ اس نے تمہیں اپنا بھی لینا تھا۔ دراصل تم نے دل میں محبت کو نہیں صرف غرض کو جگہ دی۔ تم نے اپنے حصے کی "خوشی" چھیننے کے لیے غلط راستے اختیار کر لیے۔ تمہاری خواہش غلط نہیں تھی۔ خواب غلط نہیں تھے۔ وہ راہ غلط تھی جس پر تم بغیر سوچے سمجھے چل پڑیں۔ سائیں جی کی جھونپڑی تک جانے والا راستہ دراصل گمراہی کا راستہ تھا۔ جادو ٹونے "عملیات" اور گرہوں میں پھونکیں مارنا یہ بدترین کبیرہ گناہ ہے۔ ہم دوسروں کو تکلیف دینے اور اجاڑنے کی کوشش میں خود پر ظلم کرتے ہیں۔ ہم صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ مگر اللہ نے پھر بھی تم پر اپنا انعام کیا۔ اپنی رحمت کا سایہ نہیں ہٹایا۔ میں [illegible] ہوں تمہارے لیے خوشی کا سندیسہ [illegible] خوش خبری لے کر۔

اس وقت جب میں اس گھر سے ننگے سر اور ننگے پاؤں حویلی سے نکل رہی تھی۔ تب میں نے آخری دفعہ اس حویلی کی بالائی منزل پر تمہیں کھڑا دیکھا تھا اور میرے ساتھ زرگون غنی نے بھی تمہیں دیکھ لیا۔ اور اس کا ایک نظر دیکھنا تمہارے لیے خوشی کی کہکشاں اتار گیا تھا۔ اس نے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا ہے۔ پسند کر لیا ہے۔ تمہیں زندگی کی حقیقی خوشیوں سے سرفراز کرنے کا میں نے خود سے وعدہ کر رکھا تھا۔ اب یہ عہد میں نے حیام کے سپرد کر دیا ہے۔ اب یہ حیام کی ہمت پر منحصر ہے کہ وہ توقیر بیگم سے کس طرح یہ جنگ جیتے گا۔ کیونکہ حیام یہ چاہتا ہے اس گھر میں پیدا ہونے والی کسی بھی بیٹی کو ایک زندان نہ دیا جائے بلکہ اسے قانون فطرت کے تحت وہ سب کچھ دیا جائے جسے اللہ پاک نے اس کے لیے حلال اور جائز قرار دیا ہے۔

میں اور حیام تمہارا زرگون غنی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بہت اچھا ہے لالہ! بہت زندہ دل۔ وہ تمہیں ایک اور دنیا میں لے جائے گا۔ جہاں صرف خوشیاں ہوں گی، رونقیں ہوں گی، ستارے ہوں گے۔ تمہاری مردہ سوچ اور گھٹن کو تازگی میں بدل دے [illegible] تمہیں اس قید خانے سے نجات دے [illegible] قید خانہ جس کو تمہاری غیر حقیقی ماں نے [illegible] بنا رکھا ہے۔ تم ہر زنجیر سے آزاد ہو جاؤ [illegible]"

رخشندہ پھوٹ پھوٹ کر روتی لالہ کے قریب بیٹھ گئی۔ پھر اس [illegible] حسین چہرے پر پھیلے آنسوؤں [illegible]

"[illegible] گلاب، شبنم اور اوس میں بھیگ کر تمہارے [illegible] کی طرح کھو جاتا ہے۔"

"[illegible] مجھے معاف کر دو رخشندہ! میں بہت بری ہوں، بہت گناہ گار ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ مجھے معاف کر دو رخشندہ! میں نے اپنے لیے دوزخ خرید لی۔ میں سفلی عملیات کے پیچھے بھاگتی رہی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر جس کے قبضہ قدرت میں ہر ایک ذی نفس کی جان ہے۔ بھلا اس کے حکم کے بغیر یہ جادو اور عمل اپنا اثر دکھا سکتے تھے۔ میں بھی بھٹک بھٹک کر اسی پاک ذات کی طرف لوٹی تھی۔ مجھے اپنے اللہ کی طرف ہی لوٹنا تھا۔ اور پچھلے پہر کی خاموشی میں میرے ندامت میں بہنے والے آنسو اسے اتنے پسند آئے کہ میرے اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ مجھے نواز دیا۔ مجھے زندگی بخش دی۔"

لالہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو [illegible] نے تمہارے لیے برا سوچا مگر تم نے میرے [illegible]"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ [illegible] کے پیروں پر رکھ دیے۔

"میں نے [illegible] نہیں کیا۔ میں نے یہ سب اللہ کی [illegible] کیا ہے۔ پلیز! مجھے گناہ گار نہ کرو۔ [illegible] ان آنسوؤں کو پونچھ لو۔ بہت رو لیا ہے۔" [illegible] نے اس کے آنسو پونچھ کر بازوؤں سے لگا لیا تھا۔ اور وہ اشک ندامت بہاتے بہاتے [illegible] سے مسکرا دی۔

۞ ۞ ۞

توقیر بیگم کے فیصلوں سے ٹکرانا اتنا آسان نہیں تھا مگر کھیل تو اسی وقت ہو گئی تھی جب حیام رخشندہ کو ان کے منع کرنے اور حکم دینے کے باوجود لے آیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ رخشندہ اس گھر میں نہیں آسکتی۔ مگر حیام رخشندہ کو لے آیا تھا۔ گھر میں ایک سرد جنگ کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا۔

رخشندہ کا اس گھر میں دوبارہ آنا بھی کسی طور ممکن نہیں تھا۔ حیام اس سے نفرت کی حد تک بدگمان ہو چکا تھا۔ وہ اس کی صورت تک بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر اس شب حیام نے صدیقہ اور توقیر بیگم کی کچھ باتیں سن لی تھیں۔ صدیقہ، توقیر بیگم کو بتا رہی تھی۔ اور حیام سن سا سنے جا رہا تھا۔

"ہاں جی! لالہ بی بی نے رخشندہ بی بی کو تو راستے سے ہٹا دیا ہے۔ اب وہ حیام پیر کو نکاح کا پیغام بھجوا رہی ہیں۔ اگر میں نے بات آگے نہ سنبھالی تو وہ خود کر لیں گی ان سے بات۔"

صدیقہ [illegible] منصوبہ بھی وہ بیڑا اٹھا تھا جو لالہ اور توقیر بیگم نے رخشندہ کو منظر سے ہٹانے کے لیے بنایا تھا۔ حیام تو گویا ششدر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اماں جی اور لالہ اس قدر گھٹیا منصوبہ بنا کر رخشندہ کو [illegible] بدر کروا دیں گی۔

ایک وہ عورت تھی جو حیام کی ماں کی جگہ تھی اور دوسری اس خاندان کی آخری گدی نشین تھی۔ جس کے بارے میں توقیر بیگم نے اسے بتا رکھا تھا کہ لالہ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس خاندان کا اصول تھا کہ جس آدمی کی اولاد نرینہ نہ ہوتی۔ اس کی بیٹی کو گدی کا وارث بنا دیا جاتا تھا۔

لالہ کی بغاوت کو تو توقیر بیگم کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھیں۔ مگر رخشندہ نے جب آواز بلند کی تو ان کو کھٹکنا اور سوچنا پڑا۔ دراصل رخشندہ کی بغاوت سے وہ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے گھر سے نکال دینا چاہتی تھیں اور یہ موقع انہیں جلد ہی میسر آگیا تھا۔ اپنے تئیں انہوں نے رخشندہ کو رنگے ہاتھوں غنی کے ساتھ پکڑا تھا۔ سو وہ پر یقین تھیں کہ حیام اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ رخشندہ کو واپس لے آئے۔

مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ حیام ساری حقیقت سے واقف ہو جائے گا اور رخشندہ ایک دفعہ پھر ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بے خوف، نڈر اور پر اعتماد یوں کہ توقیر بیگم آگ کی طرح بھڑک اٹھیں۔

"کیوں آئی ہو یہاں نیچ ذات کی عورت۔"

"خود نہیں آئی۔ آپ کا بیٹا لے کر آیا ہے۔" وہ بھی سخت کٹیلے لہجے میں بولی۔ "میں اس گھر سے کبھی نہ جانے کے لیے آئی ہوں۔ ایک بات تو آپ کی نظر میں واضح ہو چکی ہوگی کہ سچ ہمیشہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جیسے میری بے گناہی حیام کی نظر میں ثابت ہو گئی۔" وہ گہرے کاٹ دار طنزیہ لہجے میں دھاڑی۔

"کیا کرنے آئی ہے تو میرے کمرے میں؟" ان کے

سرخ جوڑے کو باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔

"صرف یہ بتانے کہ لالہ رخسار کا ماہر سائیکاٹرسٹ زرگون غنی سے جمعہ کی شام کو نکاح ہے۔ اگر آپ شرکت کرنا چاہتی ہیں تو موسٹ ویلکم اگر نہیں آئیں گی تو پھر بھی یہ نکاح ہو کر رہے گا۔" اس نے گویا توقیر بیگم کے سر پر بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تو ہمارے رواجوں اور رسموں کو توڑے گی۔ میں تیری بوٹیاں نوچ لوں گی بدبخت عورت! تو کون ہوتی ہے میری بیٹی کے فیصلے کرنے والی۔" غصے اور تنفر کی وجہ سے ان کا دماغ گھوم رہا تھا۔ فشار خون بلند ہو جانے کی وجہ سے ان کی کنپٹیاں پھڑک رہی تھیں۔ "وہ سنگسار کرے گی ہرگز نہیں۔"

"مت ظلم کریں۔ توقیر بیگم! اپنی زندگی اور نصیب کے لکھے عذاب لالہ کی جھولی میں مت ڈالیں۔ وہ آپ کی نہ سہی "آپ کے شوہر کی تو اولاد ہے نا۔ پر آپ نے اس پر ظلم کیا۔ اسے زندان میں قید کیا۔ آپ کے اختیار میں سب کچھ تھا مگر آپ نے اسے نہ تعلیم دی نہ اچھی زندگی دی نہ خوشی دی نہ مرضی سے سانس لینے دیا۔ آپ نے اس کے اندر گھٹن بھر دی تھی۔ اور لالہ رخسار نے اس گھٹن سے باہر نکلنے کے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔ آپ جانتے بوجھتے اسے گناہ کرتے دیکھتی رہیں۔

وہ تعویذ گنڈوں اور جادو ٹونے کے چکر میں اپنا اصل بھولتی جا رہی تھی۔ آپ نے اسے ذہنی طور پر بیمار کر دیا تھا۔ آپ نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا مجھے اس گھر سے نکالنے کے بعد آپ نے اسے ایک زندان میں ایک کمرے میں قید کر دیا تھا اور وہ وقت دور نہیں تھا۔ جب لالہ پر ہسٹریا کے دورے پڑنے شروع ہو جانے تھے۔ پھر اسے زنجیروں میں باندھ دیا تھا وہ مر جاتی تو آپ کی کون سی حس کو سکون میسر آتا تھا توقیر بیگم [illegible] کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ پیر ذاکر کی محبوبہ [illegible] کی اولاد تھی۔ وہ آپ کے بطن سے [illegible] اس لیے؟" رخشندہ کے زہر میں [illegible] نے توقیر بیگم کو ارزاں کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہاتھ میں آئینہ پکڑ کر کھڑی تھی۔ اس آئینے میں توقیر بیگم کی شکل اور بھی کریہہ نظر آ رہی تھی۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلانے لگی تھیں۔ سچ کھل گیا تھا اور وہ بھی ایک غیر عورت کے سامنے بھلا رخشندہ کو ان کے ماضی کے بارے میں کیسے خبر ہوگئی؟! اس سوچ نے انہیں نیم جاں کر دیا تھا۔

"آپ نے اپنے حصے کے عذاب اس لیے لالہ رخسار کی جھولی میں ڈال دیے تھے توقیر بیگم کہ آپ خود ایک بیاہتا کنواری تھیں۔ لالہ کے باپ نے آپ کو دھتکار دیا تھا۔ اس لیے آپ اس کی بیٹی کو زندگی کی ہر رنگینی سے دور کر دینا چاہتی تھیں۔"

رخشندہ نے آخری زہر میں بجھا تیر پھینک کر ان کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ ادھر توقیر بیگم پر گویا دورے کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ان کے جسم نے پھڑکنا شروع کر دیا تھا اور صدیقہ، رخشندہ کے ہمراہ لالہ رخسار کے لیے سنگھار کا سامان لینے چل دی تھی۔ صدیقہ اس عورت کی چیخوں سے خوف زدہ ہوئی تھی۔ رخشندہ پر سارے سچ اور حقیقتوں کو کھولنے والی بھی صدیقہ ہی تھی اور اب وہ مزید توقیر بیگم کے گھٹن زدہ کمرے میں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اور توقیر بیگم [illegible] مسلسل چلائے جا رہی تھیں۔

توقیر بیگم اور پیر واثق دونوں بہن بھائی [illegible] پیر عالی حضرت کی بہن کی اولاد [illegible] پیر عالی حضرت نے اپنے لاڈلے [illegible] کر دیا تھا جبکہ پیر ذاکر اپنی [illegible] محبت کرتے تھے۔ ان دونوں [illegible] شادی کرلی تھی۔ پیر عالی حضرت [illegible] در بدر کر دیا اور توقیر بیگم کے حوالے [illegible]۔ توقیر بیگم رخصتی کے انتظار میں [illegible] دس سال بھی لگا چکی تھیں جب ایک دن پیر ذاکر اور فیروزہ کی میتیں [illegible]۔

ان کے مر جانے کے بعد توقیر بیگم پر بیوگی کا لیبل لگا کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ ان کا کام صرف پیر ذاکر اور فیروزہ کی بچی کا خیال رکھنا تھا جس کی صورت میں وہ اپنی سوکن کا چہرہ دیکھ دیکھ کر سلگتی رہتی تھیں۔

جو نفرت حقارت انہیں پیر ذاکر کی طرف سے ملی تھی۔ وہ توقیر بیگم بھلا نہیں سکتی تھیں۔ پیر ذاکر نے انہیں ان کی بدصورتی کی وجہ سے مسترد کیا تھا اور توقیر بیگم کو فیروزہ کی بیٹی کے حسن سے نفرت تھی۔

اس دن ان کا پورا وجود زہر زہر ہو گیا تھا جب لالہ نے اپنے منہ سے حیام کے ساتھ شادی کی بات کی تھی۔ بھلا وہ اپنے بھتیجے کا اس ڈائن کی بیٹی سے نکاح کر سکتی تھیں۔ جوان کا سہاگ کھا گئی اور وہ [illegible] جوڑا اور چوڑیاں بن پہنے ہی جلا کر [illegible] ہو گئیں تب انہوں نے "آنا فانا" ایک [illegible] کی لڑکی سے حیام کو بیاہ دیا۔ وہ [illegible] کہ لالہ کے حسن سے متاثر ہو [illegible] حیام ان کے سامنے تن کر کھڑا ہو جائے۔

لالہ کے [illegible] بے کار گئے تھے۔ وہ لالہ کو پوری [illegible] تھیں۔ جب حیام کی دلہن ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مگر وہ اسے بھی اپنی راہ سے ہٹا کر فارغ کر چکی تھیں اگر حیام اسے پھر سے نہ [illegible] وہ ایک دفعہ پھر ان کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر انہیں آئینہ دکھا رہی تھی۔ اور اس کے لفظوں کے کوڑوں نے توقیر بیگم کو لہولہان کر دیا۔

"آپ اگر چاہتیں تو اپنے حصے میں آیا دیا جلا کر اپنے نام اور اپنے وجود کو امر کر سکتی تھیں۔ خود کو آنے والی نسلوں کے لیے یادگار بنا دیتیں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اپنی خوشیاں حاصل نہ کر سکیں مگر کسی کے خواب لوٹنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا آپ کو توقیر بیگم! میں نے اپنے حصے کی مشعل روشن کر دی ہے۔ میرا دل مطمئن ہے میرا ضمیر مطمئن ہے۔" رخشندہ کے لفظوں کے کوڑے ہر روز ان کے دماغ پر برستے رہتے تھے اور وہ ان لفظوں کے زہر سے نیل نیل ہو جاتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جمعہ کی شب لالہ اور غنی کا نکاح ہو گیا تھا۔ اسے شہر کی مشہور ماہر بیوٹیشن نے سجایا سنوارا تھا۔ وہ بیاہ کر نوشابہ بھابھی کے گھر گئی تھی۔ وہ ان زنجیروں کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ [illegible] توقیر بیگم نے خوب چلا چلا کر واویلا کیا تھا [illegible] کسی نے دھیان نہیں دیا۔ لالہ اور [illegible] کے بعد آئرلینڈ چلے گئے تھے۔ [illegible] بھابھی لائبہ کے پاس یورپ چلے گئے۔ [illegible] نہیں لگتا تھا وہ چھلاوہ غنی اور لالہ کے پاس [illegible] لائبہ کے گھر رہتے تھے بھابھی کے سیاحت کے شوق بھی خوب پورے ہو رہے تھے۔

اور رہی رخشندہ تو اس نے حیام کے مجبور کرنے اور بہت دفعہ اصرار پر بھی اس حویلی کو نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے اس حویلی کو نئے سرے سے سجایا اور سنوارا تھا۔ رخشندہ نے اپنی خدمت گزار صدیقہ کی تین بچوں کے باپ سے شادی کر دی تھی۔ اس حویلی کی دیواروں سے اب کسی کی سسکیاں سنائی نہیں دیتی تھیں اب ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں۔ وسیع و عریض باغ میں رخشندہ اور حیام کے بچے کھیلتے تھے۔ توقیر بیگم کے پاس صرف پچھتاوے تھے۔

"تم نے سچ کہا تھا رخشندہ میں اپنے حصے کا دیا نفرت، حسد، بغض کی نظر کر دیا تھا آج اسی لیے خود بھی اندھیروں میں گم ہوں۔ اگر شمع بن کر جل جاتی تو لالہ رخسار کو روشنی کی تلاش میں سامری جیسے جادوگر کی جھونپڑی میں دھکے کھانا تو نہ پڑتے انسان کو تو صرف اپنے حصے میں آئی نیکی کرنا ہوتی ہے۔ لالہ کی قسمت میں خوشیاں تھیں۔ اسے مل گئیں۔ مجھے نیکی کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے گنوا دیا وہ سوچتی رہ جاتی تھیں۔

لالہ اور غنی اپنی چھوٹی سی جنت میں مگن تھے۔ کبھی کبھی چھٹیوں میں واپس حویلی آتے تو گویا۔ ہر سو قہقہے اور ہنسی بکھر جاتی تھی اور رخشندہ اپنے ہرے بھرے باغ کی ہر شاخ پر جھولتی تتلی کو دیکھ کر دل ہی دل میں سجدہ شکر بجا لاتی تھی۔

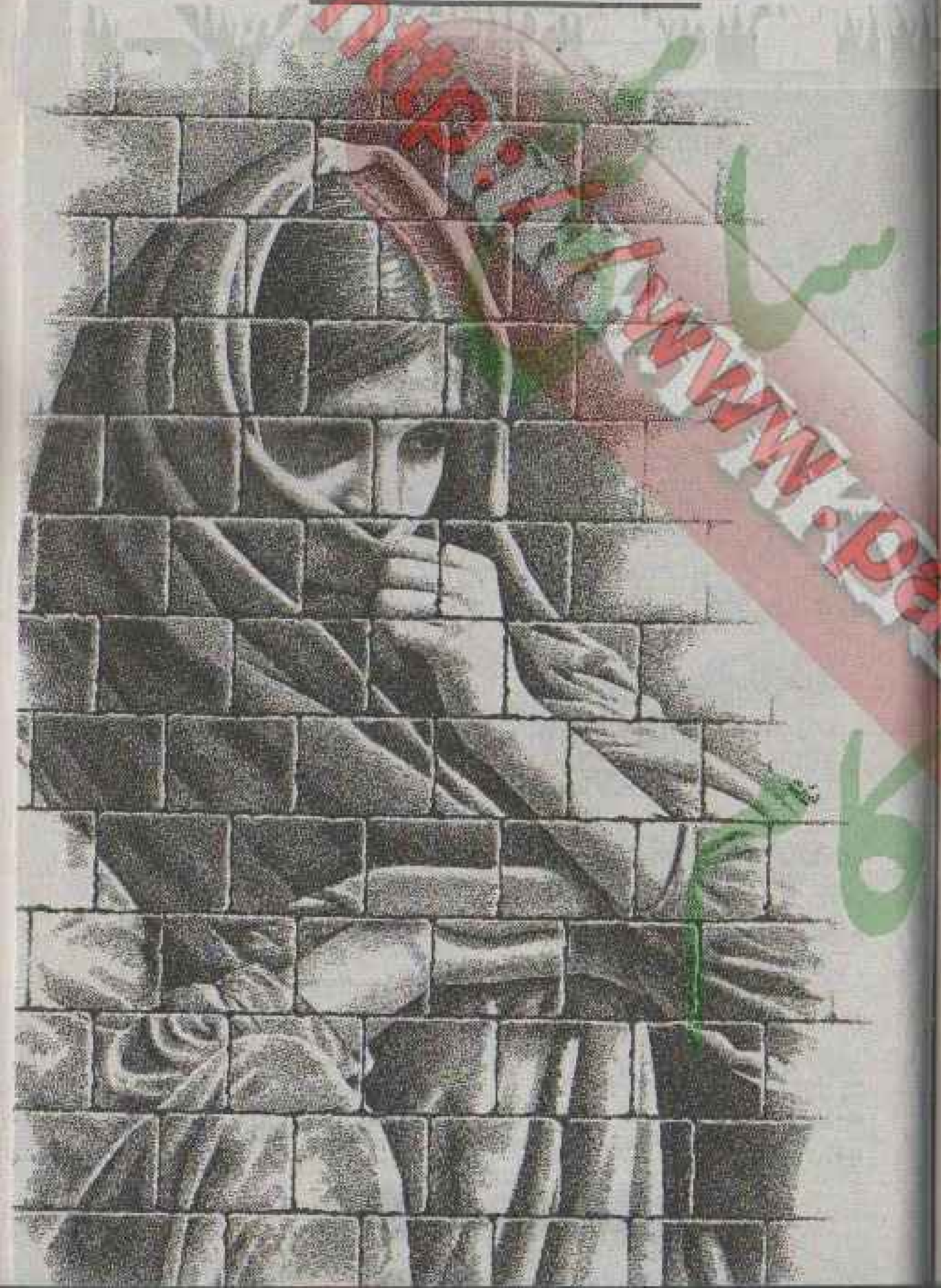
اس نے ایک سانس لیتے اشکوں سے بھرے "وجود" کو سالوں پرانی "رسموں" فرسودہ رواجوں اور دیمک زدہ اصولوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا تھا۔

☼

ناولٹ

بشریٰ سعید

سفال گر



ساغر جم سے میرا جام سفال اچھا ہے

انسان محض ارتقا کے ابتدائی ادوار میں "گیلی مٹی" کی مانند ہوتے ہیں۔ جنہیں معاشرے کا "کمہار" تربیت کے "چاک" پر دھرتا ہے اور بازار حیات کی "مانگ" کو مدنظر رکھ کر اپنی نیت اور چاہت کے ہاتھوں سے ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس قالب سازی کے دوران اس کی "انگلیاں" ہر "برتن" کے بدن پر رسموں' رواجوں' مذہب' سیاست' جذبوں' خوابوں اور سرابوں کی ان گنت پیچیدہ تحریریں رقم کرتی ہیں۔

گیلی مٹی کے یہ "سانچے" حالات کے "آوے" میں ڈھلتے ہیں۔ ان مراحل سے گزرتے ہوئے ہر برتن کا "ظرف" اور "نصیب" اس کی ہیئت کا تعین کرتا ہے۔ کچھ "سفال گر" کی بے توجہی کا شکار ہو جاتے ہیں' کچھ اس کے اناڑی پن کی نذر ہوتے ہیں۔ کچھ "آوے" کی "دہک" برداشت نہیں کر پاتے اور تڑخ جاتے ہیں' کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بازار تک تو پہنچتے ہیں مگر انہیں کوئی "خریدار" میسر نہیں آتا۔ ان کا نصیب اور بازار کا اسلوب ہر "ظرف" کا مقام طے کرتا ہے۔ گل دان اور پیک دان میں ساخت کا فرق بھلے نہ ہو مگر نصیب کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ یہی میرے ناول کی تھیم ہے۔

محض چند واقعات کو اپنے انداز میں آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ کرداروں کے ساتھ انصاف کرنے کی زحمت میں نے نہیں اٹھائی کیونکہ میرا فہم ادراک ناقص اور نامکمل ہے۔ میں یہ کام آپ پر چھوڑ رہی ہوں کیونکہ آپ کو خود سے بہتر منصف پاتی ہوں۔ میں اپنی رائے بھی نہیں دے رہی۔ صرف آپ کی رائے مانگ رہی ہوں۔ آپ اس ناول کو جس بھی تناظر میں دیکھیں مگر اسے مٹی کے بے جان برتنوں کی کہانی مت سمجھیے گا۔ یہ جیتے جاگتے وجود رکھنے والے اور جدوجہد کرنے والے انسانوں کی داستان ہے۔

بشریٰ سعید



گیارہویں قسط

وہ اسے گھسیٹ کر کچن میں لے گیا تھا۔ سنک میں ان دھلے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور گندا پانی جمع تھا۔ کچن کے سنک کی یہ حالت کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ چوبیس گھنٹے ایسا ہی بدحال رہتا تھا۔ اس میں برتن جمع ہوتے رہتے اور جب بے حد مجبوری ہوتی تو ضرورت کے دو چار برتن دھو کر باقیوں کو یوں ہی پڑے رہنے دیا جاتا۔

گرانٹ نے سنک میں تیرتا ہوا ایک کپ نکالا اور اس کو غلیظ پانی سے بھر کر صوفیہ کے منہ کے نزدیک کر دیا۔

"پیو۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"میں کہہ رہا ہوں اسے پیو، تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔"

اس نے بھاگ کر کچن سے باہر جانا چاہا مگر گرانٹ نے دروازے کے سامنے آتے ہوئے اس کی کوشش ناکام بنا دی۔

"جہنمیوں کو زخموں کی پیپ اور خون پینے کو دیا جائے گا تم سے یہ بے ضرر پانی نہیں پیا جا رہا تو پیپ اور خون کیسے پیو گی؟"

اس نے دو انگلیوں اور انگوٹھے میں صوفیہ کا منہ جکڑ لیا اور وہ بدبودار پانی اس کے ہونٹوں پر گرانے لگا۔ "تم اپنے ناپاک منہ سے خدا کا نام لے کر جھوٹ بولتی ہو تم تو اس قابل ہو کہ میں تمہیں گٹر کا پانی پلاؤں۔"

اس نے اپنے بچاؤ میں بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کچھ پانی اس کے منہ اور ناک میں گھس گیا۔ جھرجھری لے کر وہ قے کرنے لگی تھی۔ گرانٹ اس کے سر پہ کھڑا تھپتھپاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"اب تم جھوٹ بولو گی؟ اب تم [illegible] ملو گی؟ اب تم Prostitute بنو گی؟"

✿ ✿ ✿

"صوفیہ! تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"بہت لمبی نماز ہے، میں پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہوں، آج میرے سر میں درد ہے۔"

"یہ نماز چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ابھی اٹھو اور وضو کرو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی، مجھے بخار بھی محسوس ہو رہا ہے۔ میں آج نہیں پڑھ سکتی۔"

"میں تم پر واضح کر چکا ہوں کہ تم خدا کے وضع کیے ہوئے طریقے پر نہیں چلو گی تو تمہارے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ بستر سے نکلو، ابھی اور اسی وقت۔" گرانٹ نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ "چلو جا کر وضو کرو۔"

"نہیں۔ میں آج نہیں پڑھوں گی، میری [illegible] ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی؟ شاید [illegible] تم سے نہ پوچھوں۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے [illegible]۔" گرانٹ اسے [illegible] دروازے [illegible] "گھر سے نکل جاؤ اور تب واپس [illegible] تم خدا کی اطاعت کرنے والی بن جاؤ [illegible]" دروازہ کھول کر اسے باہر دھکا دیا۔

"[illegible] سے ساری نمازیں پڑھوں گی۔"

"[illegible] کل واپس آنا۔"

دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہ آیا کہ گرانٹ نے واقعی اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ چند منٹ وہ خاموش کھڑی دروازہ کھلنے کی منتظر رہی، لیکن جب

خاصا وقت گزر جانے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو پہلی بار اسے حقیقی پریشانی نے گھیرا۔ آسمان سیاہ بادلوں سے اٹا ہوا تھا، ہوا بے حد سرد تھی اور رہ رہ کر بجلی چمکتی تھی۔ کسی بھی آن بارش شروع ہو سکتی تھی۔ اس کے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ اترنے لگی۔ ایک تو اسے بخار تھا اور دوسرے وہ گرم بستر سے نکل کر سیدھی خنک ہوا میں آگئی تھی۔ اس کی گردن، کندھوں اور پسلیوں میں درد بھی ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ [illegible] امید نہیں تھی کہ گرانٹ آسانی سے نرم [illegible] بھی وہ اسے آوازیں دیتی رہی۔

"مجھے اندر آنے دو۔ [illegible] آئندہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت [illegible] باہر بہت سردی ہے، خدا کے [illegible] دو۔"

دستک [illegible] اسے ابا کا خیال آیا تھا۔ اس وقت وہ [illegible] تک قدموں سے گھر کے عقب میں آئی۔ جب وہ کھڑکی کے سامنے پہنچی تو [illegible] ہو چکا تھا۔ تیز ہوا کے ساتھ یخ بستہ بوندیں اس پر گرنے لگیں۔ کھڑکی کے شیشے سے چپکتے ہوئے اس نے ابا کو متوجہ کرنے کی ہر ممکن تدابیر آزمائی، لیکن وہ ایسی بے سدھ سو رہی تھی کہ اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔ یقیناً وہ کوکین کے خمار میں تھی۔ اس کی طرف سے مایوس ہو کر بھاگتے ہوئے وہ دوبارہ مرکزی دروازے تک آئی اور زور زور سے دروازہ پیٹتے ہوئے التجا کرنے لگی۔

"اب تم جیسے کہو گے میں ویسے کروں گی۔ میں ابھی نماز پڑھوں گی، دروازہ کھولو۔ باہر تیز بارش ہو رہی ہے۔ سردی سے میں مر جاؤں گی۔ مجھے واقعی بخار ہے۔ مجھے اندر آنے کی اجازت دے دو۔ میں اب کبھی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں ان سب چیزوں سے دور رہوں گی جن سے خدا نے روک دیا ہے۔ اگر چاکلیٹ کھانا یا سائیکل چلانا بھی گناہ ہو تو میں کبھی ان کاموں کے نزدیک نہ جاؤں۔ مجھے ایک موقع دے دو میں پھر کوئی حکم عدولی نہیں کروں گی۔"

اب اس کے دانت شدت سے بجنے لگے تھے اور بولتے ہوئے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

بارش کی طوفانی بوچھاڑیں مکانوں کی چھتوں اور درختوں کی شاخوں پر [illegible] سے جھپٹ رہی تھیں۔ [illegible] اور کھمبوں سے ٹکراتے ہوئے ہوائیں [illegible] گونج رہی تھیں۔ اس کا رواں رواں [illegible] سے چپک گیا تھا۔ بارش سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ اس نے گھٹنوں تلے گھس کر سر چھپایا۔ درختوں کے تنوں سے لپٹ کر جھولتی ہوئی شاخوں کی آڑ لی مگر سب بے سود۔ بپھری ہوئی ہوا بوندوں کو ہر طرف اور ہر گوشے میں اچھال رہی تھی۔

وہ اونچی آواز سے رو رہی تھی۔ ہڈیوں میں اترتی ہوئی ٹھنڈ نے اسے اس حد تک بے بس کر دیا تھا کہ رونے کے علاوہ اسے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھے زمین پر اکڑوں بیٹھی دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔ اسے خوف آرہا تھا۔ بارش، ہوا، آوازیں، تاریکی، تنہائی، درخت، مکانوں کی روشن اور بجھی ہوئی کھڑکیاں، ساری کائنات بے مہر تھی۔ جب روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی، لیکن بارش، ہوا اور بند دروازے میں سے کوئی منظر بھی نہ بدلا تو اس نے سنجیدگی سے اپنی صورت حال پر غور کیا۔

وہ کسی ہمسائے سے مدد مانگتی تو اسے ساری کہانی بیان کرنا پڑتی۔ اس کے بعد بھی ضروری نہیں تھا کہ سننے والا اسے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دے دیتا۔ آس پاس کے گھرانوں سے ان کے تعلقات ذرا بھی خوشگوار نہ تھے۔ سوچتے سوچتے اسے ایک خیال آیا تھا۔

مسز [illegible] گریگور کے لان کے گرد کوئی دیوار نہ تھی۔ گھاس کے وسیع قطعے کے حاشیوں پر ایک باڑھ اگائی گئی تھی جس نے حد قائم کر رکھی تھی۔ باڑ کے اندر ایک گوشے میں صحرائی بید کی سدا بہار جھاڑیاں لگی تھیں۔ ان گھنی پھول دار جھاڑیوں کے حلقے میں سایہ دار جگہ پر لکڑی کے چند روغن شدہ تختوں کو جوڑ کر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی گئی تھی۔ یہ جھونپڑی درحقیقت مسز ینگ گریگور کے Landseer

نسل کے پالتو کتے کی آرام گاہ تھی۔ گرمیوں کی دوپہروں میں وہ اس میں لیٹ کر ستایا کرتا تھا۔

صوفیہ نے وہیں سر چھپانے کا سوچا اور گرتی پڑتی چلنے لگی۔ ہوا اس کے قدم زمین پر ٹکنے نہ دیتی تھی۔ وہ دائیں سمت بڑھنے کا قصد کرتی تو ہوا مخالف سمت میں لڑھکا دیتی۔

باڑ سے تھوڑی دور رک کر اس نے آنکھوں کے گرد ہاتھوں سے ڈھال بنائی اور گھر کے رہائشی کمروں کا جائزہ لیا۔ مسز برگنڈا میک گریگور کے سونے کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ ممکن تھا وہ جاگ رہی ہوں اور انگیٹھی کے قریب آرام دہ کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہی ہوں۔ جیسا کہ وہ اکثر کرتی تھیں۔

ان کے پاس لمبی نال والی ایک بندوق تھی جو ان کے مرحوم شوہر نے انہیں خرید کر دی تھی۔ مسز میک گریگور اسے چلانے میں مہارت رکھتی تھیں اور اگر اس وقت اتفاقاً ان کی نظر صوفیہ پر پڑ جاتی تو کچھ بعید نہیں تھا کہ اسے چور گردانتے ہوئے وہ بنا خبردار کیے اس پر گولی چلا دیتیں۔ اس خیال نے صوفیہ کو اتنا ہراساں کیا کہ باڑ عبور کرتے ہی وہ زمین پر بارش کے پانی میں لیٹ گئی اور کہنیوں اور گھٹنوں کے بل لڑھکتی ہوئی ڈاگ ہاؤس تک پہنچی۔ اس دوران اس کے ایک پاؤں کا جوتا اتر کر کہیں کھو گیا اور پانی اس کے لبادے کی آستینوں میں بھر گیا۔

ڈاگ ہاؤس کے سامنے والے تختے پر ایک بڑی سی جھاڑی گری ہوئی تھی جس نے دروازے کو ڈھانپ لیا تھا۔ بے جان ہاتھوں سے جھاڑی کی شاخیں ہٹاتے ہوئے وہ اندر رینگ گئی۔ جھاڑی کی وجہ سے بارش کا پانی اندر نہیں آیا تھا اور فرش تقریباً خشک تھا۔

تاریکی میں اس کے نتھنوں سے کسی مری ہوئی شے کی بو ٹکرائی۔ اسے بے اختیار ابکائی آئی تھی۔ [illegible] کہ باہر نکل جائے مگر جی کڑا کر کے لیٹی رہی۔

وہ اس حالت میں تھی کہ اس کا [illegible] ہوا تھا اور سر جھونپڑی کی دیوار [illegible] تھا۔ وہ نہ کروٹ لے سکتی تھی اور نہ ہی اٹھ کر بیٹھ سکتی تھی۔ غنیمت تھا کہ جھاڑی نے پانی کو اندر آنے سے روک رکھا تھا۔ ڈاگ ہاؤس کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی بوندیں گونجیلی آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔

جو ٹھنڈی ہوا درزوں سے آ رہی تھی وہ اس کے بھیگے ہوئے لباس کو برف کی پرتوں میں ڈھال رہی تھی۔ سانس لیتے ہوئے اس کے سینے سے سیٹی سی برآمد ہوتی اور اوپر تلے کے دانت آپس میں زور سے ٹکراتے۔

اینٹھی ہوئی گردن کو سیدھا کرنے کے لیے اس نے سر گھمایا تو اس کے گال سے کوئی نرم پردار شے چھو گئی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی سعی کی۔ اسے کچھ نظر نہ آسکا۔ خاصی دیر بعد ڈرتے ڈرتے اس نے ہاتھ پھیلا کر اس مقام کو ٹٹولا۔

تھوڑی سی جانچ سے اسے معلوم ہو گیا کہ وہ پردار چیز کسی مردہ پرندے کا بچا کھچا جسم تھی۔ فضا میں رچے ہوئے تعفن کا باعث بھی یہی تھا۔ شاید یہ کسی بلی کی کارگزاری تھی کیونکہ مسز میک گریگور کا کتا انتہائی امن پسند اور شریف طبع تھا کہ کسی جاندار شے پر حملہ آور ہونا تو درکنار، وہ غراتا تک نہیں تھا۔ اسے تو صرف گیند سے کھیلنے اور تیراکی سے شغف تھا۔ [illegible] باقیات کو ہاتھ سے پرے اچھالتے ہوئے اس نے [illegible] بوجھل سر کو زمین پر گرا دیا۔

وہ رات اتنی طویل تھی کہ [illegible] ختم ہونے میں ہی نہ آتی تھی۔ [illegible] نہیں سوئی۔ سردی، درد [illegible] ہی ہوئی اس کائنات میں وہ اکیلی تھی۔ [illegible] رات نے صوفیہ کی کایا پلٹ دی۔ تمام رات وہ ایک ہی سوال کو حل کرتی رہی۔

خدا گرانٹ کو اس کے ساتھ یہ سب کرنے کی اجازت دے رہا تھا۔ خدا گرانٹ کے ساتھ تھا تو اس کے ساتھ کون تھا؟

جسٹن اور سلینا اسکول کے ان طلبا میں سے تھے جن کو مشہور ہونے کے لیے تعلیمی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں نمایاں کارکردگی پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ ان کے خاندان کا حوالہ ہی ان کی شناخت تھی۔ وہ دونوں کزن تھے۔ ان کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو پشتوں سے دولت اور نیک نامی کے خزانوں کا امین تھا۔ ان کے دادا نے فزیالوجی کے شعبے میں نوبل انعام جیتا تھا۔ ایک چچا بین الاقوامی شہرت یافتہ گلوکار تھا۔ ایک خالہ سینیٹر تھی۔ دونوں کے باپ ایک بڑی براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن تھے۔ الغرض مراتب کو شمار کرنا ان کے خاندان کے افراد کا مشغلہ تھا۔ جسٹن اور سلینا اپنے حلقہ احباب میں صرف ان [illegible] کا خیال کرتے تھے جو خاندانی جاہ و حشمت کے [illegible] ہوں۔ کسی کم حیثیت والے [illegible] ہی معیوب لگتے تھے۔ وہ کسی کو دوست [illegible] عطا کر دیتے تو سب اس کی قسمت پر رشک کرتے۔ یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر صوفیہ [illegible] کی جب ایک روز وقفہ کے دوران ان [illegible] نے اس سے گفتگو شروع کی۔

وہ ایک دور افتادہ گوشے میں کورل درختوں کے بیچ کے باہر زمین پر بیٹھی انگلیوں سے مٹی پر کچھ بے ڈھب شکلیں بنا رہی تھی کہ سلینا اور جسٹن اس کے پاس آئے اور دونوں نے اسے ہیلو کہا۔ پہلے تو اسے شک گزرا کہ وہ مخالف سمت سے چل کر آتی ہوئی مگن سے مخاطب تھے، لیکن جب جسٹن نے اس کا نام لے کر پکارا تو اسے اعتبار کرنا پڑا۔

"صوفیہ مارسیلو! کیا ہم تمہاری تنہائی میں مخل ہو رہے ہیں؟"

جسٹن کی زبان سے اپنا نام سن کر اسے فخر ہوا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس کا نام جانتا ہوگا۔ سلینا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بوکھلا کر زمین سے اٹھ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر لگی گرد کو دیکھا اور سلینا کا ہاتھ تھامنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو لباس سے رگڑ کر اچھی طرح صاف کیا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ اب تک ہم تمہاری دوستی سے محروم رہے۔ اگر ہمیں پہلے علم ہو جاتا کہ تم ایک فلمی اداکارہ کی بیٹی ہو تو ہم تم سے تعارف حاصل کرنے میں اتنا وقت نہ لگاتے۔"

جسٹن نے [illegible] سے کہا تو صوفیہ کا دل ڈوب گیا۔ وہ [illegible] کی وجہ سے اسے قابل توجہ سمجھ رہے تھے۔ [illegible] کی تردید یا تائید کے بجائے وہ بے بسی سے مسکرانے لگی۔

"تمہاری ماں فلم ایکٹریس ہے نا؟" اس بار سلینا نے پوچھا تھا۔

"ہاں وہ فلموں میں کام کرتی رہی ہے مگر وہ کوئی زیادہ مشہور ہستی نہیں ہے۔" صوفیہ نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

"تم بہت ہی عاجزانہ طبیعت کی مالک ہو۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک ہالی ووڈ سلیبریٹی کی اولاد ہونے پر سارے اسکول کو اپنے پیچھے دوڑاتا۔"

اس مبالغے پر اسے شرم آ گئی تھی۔

"صوفیہ! ہم تمہیں اپنے دوستوں کے گروہ میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ امید ہے تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔" اس اعزاز پر وہ خوشی سے پھولے نہ سمائی۔ ایک شرمیلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"کل میں نے گھر پر دوستوں کو اکٹھا کرنے کی غرض سے ایک چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کیا ہے۔" جسٹن بتانے لگا۔ "ہم تمہیں مدعو کر رہے ہیں۔ ہم تمہیں اپنے دوستوں سے متعارف بھی کروا دیں گے۔ دوستی کا آغاز کرنے کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ تم کیا کہتی ہو؟ آؤ گی نا؟"

صوفیہ کو اقرار کرنے میں تامل تھا لیکن وہ ان دونوں سے اس قدر مرعوب تھی کہ ان کی کسی تجویز سے اختلاف کرنا اسے خلاف تہذیب لگ رہا تھا۔ مرے ہوئے دل سے اس نے ہامی بھری۔

"تم ضرور آنا۔ سب دوست تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" سلینا نے تاکید کی۔ "اگر تم کہو تو میں تمہیں لینے کے لیے شوفر کو بھجوا دوں؟"

"نہیں میں خود آ جاؤں گی۔" صوفیہ نے لجاجت

سے کہا تھا۔
زندگی میں پہلا اتفاق تھا کہ ابا کی ذات کسی حوالے سے اس کے لیے خوشگواریت کا سبب بن رہی تھی۔
وہ دونوں رخصت ہوئے تو صوفیہ کچھ بے یقینی کی کیفیت میں دوبارہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اسے یہ ماننے میں بے حد مشکل ہو رہی تھی کہ جسٹن نے حقیقتاً اسے اپنی پارٹی میں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے وعدہ تو کرلیا تھا مگر اب اس پر گھبراہٹ کا غلبہ ہو رہا تھا۔ اسے گرانٹ کی ممکنہ مخالفت کا ڈر نہیں تھا کیونکہ وہ کسی فلم کی شوٹنگ میں حصہ لینے کینیڈا گیا ہوا تھا۔
اسے نئی دوسری چیزیں پریشان کر رہی تھیں۔ اس عالی نسب گھرانے کی کسی تقریب میں پہن کر جانے کے لائق اس کے پاس کیا تھا۔ وہ طبقہ اشرافیہ میں رائج شدہ آداب واطوار سے بھی نابلد تھی۔ کوئی خلاف تہذیب حرکت ہو جاتی تو کیسی شرم کی بات ہوتی۔
دن کا باقی وقت وہ اسی فکر میں ڈوبی رہی۔ اسکول سے آکر اس نے اپنی سائیکل کے زنگ آلود حصوں کو رگڑ کر صاف کیا۔ سائیکل کی حالت میں کوئی نمایاں بہتری تو نہ آئی البتہ اس کی اصل رنگت دکھائی دینے لگی تھی۔
اس کا سب سے کم پرانا اسکرٹ، جسے استعمال کرتے ہوئے اسے ڈیڑھ برس ہونے کو آیا تھا، دو جگہوں سے پھٹا ہوا تھا۔ وہ مارکیٹ سے اسکرٹ کے نمونے سے ملتے جلتے کپڑے پر چپکنے والے اسٹیکر لے کر آئی جن کی مدد سے اس نے ان چھیدوں کو چھپا دیا اور جوتوں کے اکھڑے ہوئے تلووں کو گلو لگا کر دھوپ میں سوکھنے کے لیے رکھ چھوڑا۔
مقررہ وقت پر وہ جسٹن کے گھر کے سامنے پہنچی تو بری طرح پچھتائی۔ اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کرکے سنگین غلطی کی تھی۔ اس گھر کی دیواریں اتنی طویل تھیں کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھنے کے لیے گردن کو نیم دائرے میں گھمانا پڑتا تھا اور [illegible] روم، جو گھر کا سب سے بلند کمرا تھا، [illegible] ساٹھ فٹ کی اونچائی پر واقع تھا۔ [illegible]

میں دنیا کی مہنگی ترین گاڑیوں کی ایک بھیڑ جمع تھی۔ ان میں سے دو لموزین تھیں، ایک مرسیڈیز، ایک رولز رائس اور باقی گاڑیاں بھی اسی معیار کی یا ان سے برتر تھیں۔ کئی گاڑیوں کے ساتھ باوردی شوفر موجود تھے جن میں سے چند پورچ میں کھڑے آپس میں بات چیت کر رہے تھے جبکہ چند گاڑیوں کے اندر براجمان تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ جسٹن اور سلینا کے کافی دوست آچکے تھے۔
جب اس نے اپنی سائیکل ان شاندار گاڑیوں کے بیچ ایک خالی جگہ پر کھڑی کی تو وہ یوں دکھائی دینے لگی جیسے کسی نے اجلے کپڑوں کے ڈھیر میں ایک میلی دھجی اچھال دی ہو۔ ان روشن در و دیوار میں اسے اپنا آپ بھی ایک گدلی ناصاف شے کی مانند لگ رہا تھا۔ چمکتے ہوئے سفید فرش پر اس کے گرد آلود جوتے ایسے بھدے نظر آتے تھے کہ شرم سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ وہ دل میں خود کو ملامت کرنے لگی۔ یہاں آکر اس نے کتنی بڑی بے وقوفی کی تھی۔ مزید شرمندگی سے بچنے کی خاطر وہ لوٹ جانے کا ارادہ باندھ رہی تھی کہ چندن کے چھجے دار دروازے سے باہر آتی ہوئی سلینا کی نظر اس پر پڑ گئی۔
"او صوفیہ! تم آ گئی ہو؟ کتنی [illegible] دوست تمہارے ہی منتظر ہیں۔ جلدی [illegible]"
وہ صوفیہ کا ہاتھ پکڑ کر [illegible] میں ایک دم خاموشی چھا گئی [illegible] نظریں صوفیہ پر جم [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] جسٹن اور سلینا کو ملا کر وہ کل گیارہ [illegible] اور سات لڑکے [illegible] کچھ چہروں کو وہ اسکول [illegible] سی رہی تھی۔
"[illegible] صوفیہ ہے [illegible] جس کے بارے میں میں تم لوگوں کو بتا رہا تھا۔ یہ ہماری نئی دوست ہیں۔" جسٹن کے جملوں سے اسے حوصلہ ملا تھا۔ وہ صوفے تک جانے کے لیے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ سلینا نے روک دیا۔
"تمہیں برا تو نہیں لگے گا مگر آگے آنے سے قبل تمہیں

اپنے جوتے اتارنے ہوں گے۔"
"وہ کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔
"قالین کی وجہ سے۔" سلینا نے جواب دیا۔
"معاف کرنا میں سمجھی نہیں۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔"
صوفیہ نے فرش پر بچھے تین انچ موٹائی کے حامل پیچیدہ گرہوں پر مبنی نمونے والے سبز اور نیلے قالین کو دیکھا۔ سب ہی لڑکے لڑکیوں نے جوتے پہن رکھے تھے۔ قالین پر کوئی بھی ننگے پیر نہیں تھا۔
"اپنے جوتوں کو دیکھو صوفیہ! [illegible] ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ تم ان جوتوں سے [illegible] قالین پر چلو۔ ہماری آنٹ [illegible] نے یہ قالین اصفہان سے منگوایا [illegible] کی قیمت کا درست اندازہ تو مجھے [illegible] بہرحال تم اسے نوادر میں شمار کر سکتی [illegible]"
[illegible] خود بخود اپنے جوتوں پر گئیں۔ تازہ [illegible] مٹی کے بے شمار ذرات چپکے تھے۔ پھر اس نے باری باری قالین پر موجود سب جوتوں کو دیکھا۔ وہ تمام یوں چمک رہے تھے جیسے ابھی ابھی وہ کسی نمائشی الماری میں سے نکالے گئے ہوں۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی کچھ اور بوندیں نمودار ہو گئیں۔ آنکھیں فرش پر مرکوز کرتے ہوئے اس نے جھک کر جوتے اتارے اور قالین پر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی ہوئی ان کے درمیان آ گئی۔ جسٹن نے اسے گلے لگایا اور ایک ایک کے پاس لے جاتے ہوئے اس کا تعارف کروانے لگا۔ وہ بطور خاص ابا کے اداکار ہونے کا ذکر کر رہا تھا۔ تقریباً سب ہی لوگ گرم جوشی سے ملے تھے۔
ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ اسکول کے قصے سنائے گئے۔ پسندیدہ کھلاڑیوں اور پسندیدہ اداکاروں پر تبادلہ خیال ہوا۔ دو لڑکوں اور ایک لڑکی نے مل کر گٹار کی دھن پر گیت سنائے۔ لطیفوں کا ایک دور چلا۔ صوفیہ بھی مقدور بھر گفتگو میں شریک ہوتی رہی۔ اس کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ جلد از جلد یہ محفل برخاست ہو اور وہ ایک لمحہ گنوائے بنا یہاں سے بھاگ کھڑی ہو۔

پھر بٹلر نے آکر انہیں کھانے کی میز پر آنے کے لیے کہا تو خوشگوار [illegible] جب ڈائننگ ہال کی سمت چل دیے [illegible] اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا کہ جوتوں [illegible] بغیر [illegible] ذلت کی علامت تھے۔ ملائم قالینوں سے [illegible] کسی ہوئی غلام گردشوں میں چلتے ہوئے [illegible] کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔
کھانے کی میز پر چنے ہوئے کھانوں کی تعداد اور تنوع شاید اسے کہیں زیادہ مرعوب کرتا اگر ایک اور مسئلہ اسے الجھا نہ دیتا۔ جب وہ لوگ نشستوں پر بیٹھ گئے تو سلینا نے اشارے سے بٹلر کو قریب بلا کر کوئی ہدایت کی۔ بٹلر تفہیمی انداز میں سر کو خم کرتے ہوئے چلا گیا اور چند لمحوں بعد دوبارہ آیا تو اس کے ہاتھوں میں ایک پلیٹ تھی۔ صوفیہ کے سامنے پہلے سے رکھی ہوئی پلیٹ اٹھا کر اس نے وہ دوسری پلیٹ رکھ دی تھی۔ اس کے دل میں کھد بد سی ہونے لگی۔ میز پر سجی ہوئی تمام پلیٹیں سفید تھیں جو کسی ایک ہی سیٹ کا حصہ تھیں جبکہ بٹلر اس کے لیے جو پلیٹ لایا تھا، وہ سبز رنگ کی تھی۔ اس کا کنارہ ایک مقام پر ذرا سا ٹوٹا ہوا تھا۔ اس امتیازی سلوک کی کوئی توجیہہ صوفیہ کے ذہن میں نہ آ سکی مگر کھانے کی اشتہا انگیز گرم خوشبو نے اس کے حواس پر اثر انداز ہونا بند کر دیا۔ اس نے اسپنیچ پزا Spinach Pizza کا ایک مختصر ٹکڑا اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔ سلینا نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا۔
"میں شرط لگا سکتی ہوں کہ ان میں سے کئی کھانوں کو تم نے آج سے پہلے دیکھا تک نہیں ہوگا۔ اگر میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے بائیں ہاتھ کے قریب پڑے ہوئے نوڈلز کے پیالے کی قیمت ستر ڈالر ہے تو کہیں تم کرسی سے گر تو نہیں جاؤ گی۔"
کئی قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے۔ منہ کی طرف خوراک لے جاتا ہوا صوفیہ کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ہوا میں تحلیل ہو کر سب کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کی پلکیں گالوں سے چپک گئی تھیں۔ سلینا کہہ رہی تھی۔
"تمہارے طبقے کے لوگ ایسی چیزوں کے متعلق سوچنے کی بھی سکت نہیں رکھتے۔ یہ کوئی عام نوڈلز نہیں

ہیں۔ یہ جاپانی پاستا Ramen کی ایک خصوصی ترکیب ہے۔" وہ کسی رٹے ہوئے سبق کی طرح اس کھانے کے محاسن اور فضائل گنوانے لگی۔ صوفیہ ضرور اٹھ کر بھاگ جاتی اگر قندیل بشر دروازے کے بیچ رکاوٹ بن کر کھڑی نہ ہوتا۔

وہ صوفیہ کی زندگی کا طویل ترین کھانا تھا۔ سلینا نے اس پر اور بھی کئی پھبتیاں کسی تھیں۔ برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا وہ سر جھکائے کھانے کے جلد اختتام کی دعائیں مانگتی رہی۔ بالآخر سب لوگ کھا چکے اور جسٹن نے ایک اور کمرے کی طرف ان کی رہنمائی شروع کی تو صوفیہ نے پست آواز میں اس سے گھر جانے کی اجازت مانگی۔

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں گھر میں کہہ کر آئی تھی کہ اندھیرا ہونے سے پہلے لوٹ آؤں گی۔ اب تو نو بجنے والے ہیں۔"

جسٹن نے اس کی درخواست رد کر دی۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم کوئی ننھی بچی تو نہیں ہو جسے کوئی بھی کام کرتے ہوئے گھر والوں سے پوچھنا پڑے۔ میں اور سلینا اگر پوری رات بھی گھر سے باہر رہیں تو کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ ہم سے جواب طلبی کرے۔ ابھی تم بالکل نہیں جا سکتیں۔ اس پارٹی اور آج کے دن کا سب سے اہم واقعہ تو اب پیش آنے والا ہے۔ کیا تم لوگ مجھ سے اتفاق کرتے ہو؟"

جسٹن نے چہرہ گھماتے ہوئے باقی لوگوں سے دریافت کیا۔

"درست۔۔۔ درست۔۔۔ کوئی شک نہیں۔" سب نے آواز ملائی۔

صوفیہ اس ہلڑبازی سے کوئی مطلب اخذ نہ کر سکی۔ اس نے بے چارگی سے اپنی بات دہرائی۔ "میں اور نہیں رک سکتی۔ مجھے مجبور نہ کرو۔ مجھے اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔"

"ہمارے کہنے پر تھوڑی دیر اور ٹھہر جاؤ۔ میں [illegible] کرتا ہوں تم اس دن کو کبھی نہیں بھولو گی۔ اگر میری بات غلط ثابت ہو جائے تو تمہیں اختیار [illegible] کسی بھی برے نام سے پکارنا جیسے چغد، احمق یا مسخرہ جو تمہارے جی میں آئے۔"

ایک بار پھر اس کے چاروں طرف ہنسی ہونے لگی۔ اس کے انکار اور احتجاج کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

وہ کمرہ ہال نما تھا۔ چھت سے ایک ہشت پہلو فانوس لٹکا تھا۔ قطاروں میں ترتیب سے کرسیاں رکھی تھیں جن کی اونچی پشتوں پر زعفرانی مخمل چڑھا تھا۔ کرسیوں کی اولین صف سے چند گز کے فاصلے پر ایک چبوترہ بنا تھا جس پر منقش لکڑی کے چوکھٹے میں ٹیلی ویژن سیٹ نصب تھا۔ سب مہمانوں کو نشستوں پر بٹھا کر جسٹن نے دروازہ مقفل کر دیا۔

پھر وہ چبوترے پر چڑھ گیا۔ چوکھٹے کے نیچے بنی ہوئی بڑی دراز کھینچ کر اس نے ایک ویڈیو کیسٹ برآمد کی۔ کیسٹ پلیئر میں کیسٹ لگانے کے بعد وہ چبوترے سے اتر کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ اسکرین پر پہلا منظر ظاہر ہوا تو صوفیہ کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ وہ ایک پورنوگرافک فلم تھی۔ فلموں کی اس قسم سے وہ واقف تو تھی البتہ تاحال اس نے ایسی کوئی فلم دیکھی نہیں تھی۔

"میں اسے نہیں دیکھوں گی۔ ہم ابھی چھوٹے ہیں۔ ہمیں ان چیزوں سے دور رہنا چاہیے۔ مجھے اس کمرے سے باہر جانے دو۔"

اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا مگر [illegible] سلینا نے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

"[illegible] اسے غلط [illegible]" اس نے احتجاج کیا۔ اس بات [illegible] کر اس کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مجبوراً اسے خاموش ہونا پڑا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی [illegible] کسی طور بیت جائیں تو وہ اس [illegible] باہر کھلی فضا میں سکھ کا سانس لے۔

"میں دوبارہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔ جیسے ہی یہ وقت گزر جائے تو میں اس عذاب سے نجات پاؤں گی۔"

اسے خبر نہیں تھی کہ جسے وہ عذاب گردان رہی تھی وہ تو محض معمولی خراشوں جیسا تھا۔ ویسی خراشیں جو کسی کو جھاڑیوں سے گزرتے یا دوڑتے ہوئے ٹھوکر کھا کر گرنے سے لگ جاتی ہیں۔ اصل زخم تو اب آنے والے تھے۔

فلم چند منٹ چل چکی تھی جب ایک ایسا منظر ابھرا جس نے صوفیہ کو گندگی کے عظیم ڈھیر میں غرق کر دیا۔ اسکرین پر البا نظر آ رہی تھی۔ اس نے پہلے اپنی بصارت کو جھٹلانا چاہا مگر وہ ایک حقیقت تھی۔ کسی نے [illegible] اس کی آنکھوں میں جھونک [illegible] سے اٹھ کر دروازے کی طرف [illegible] قطار کے آخری کرسی [illegible] اس کے پیروں میں ٹانگ الجھا کر [illegible]

"کہاں جا رہی ہو تم؟ [illegible] تو ہے وہ نامور فنکارہ جس [illegible] ہے اپنی ماں کو اسکرین پر دیکھ کر تمہیں [illegible] خوشی نہیں ہوئی۔"

جسٹن اس کے اوپر جھکا ہوا کہہ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دوبارہ بھاگی۔ سلینا اور ایک دوسری لڑکی نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بے بس کر دیا۔ وہ مزاحمت کرنے لگی مگر خود کو ان کی گرفت سے چھڑا نہیں پائی۔ وہ اسے فرش پر گھسیٹتے ہوئے ٹیلی ویژن کے نزدیک لے جا رہی تھیں۔ اچانک سب لڑکے لڑکیاں بولنے اور چلانے لگے تھے۔ کون کیا کہہ رہا تھا۔ وہ آوازوں میں تمیز نہیں کر سکتی تھی۔ صرف ایک چیز اس کی سمجھ میں آئی تھی۔ وہ سب اس کے اور البا کے متعلق کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ اسے کھینچ کر ٹیلی ویژن کے سامنے پھینک دیا گیا۔ اس سے گردن اٹھانے اور آنکھیں کھول کر اسکرین کو دیکھنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس نے کان کے قریب جسٹن کی چیختی ہوئی آواز سنی۔

"اپنی عظیم ماں کی اداکاری دیکھنے سے گریزاں کیوں ہو؟ میں نے اپنا وعدہ نبھا دیا ہے۔ اس دن کو تم کبھی فراموش نہیں کرو گی۔ آنکھیں کھولو۔۔۔ آنکھیں کھولو۔" وہ سب یک آہنگ ہو کر نعرے لگانے لگے۔

اس نے اتنی سختی سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں کہ پپوٹے اور رخساروں کی ہڈیاں دکھنے لگی تھیں۔ قہقہے۔۔۔ [illegible] چیخیں۔۔۔ ٹی وی کی آوازیں۔۔۔ خوف نفرت۔۔۔ ذلت۔۔۔ بے بسی۔۔۔ اس دن کے یادگار [illegible] کوئی [illegible] نہیں تھا۔

اس دن کے بعد اس نے اسکول جانا چھوڑ دیا۔ گرانٹ کو اس عمل پر کوئی اعتراض نہ ہوا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ صوفیہ مستقل گھر میں موجود ہو گی تو وہ اس کی زیادہ اچھی تربیت کر سکے گا۔ اگلے دو تین برس اس نے اسکول کا منہ نہیں دیکھا۔ جب اسے موقع میسر آتا وہ ڈاؤن ٹاؤن لاس اینجلس چلی جاتی اور شاپنگ مالز میں گھومتی رہتی۔ وہ کسی بھی شے کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھی مگر ان قیمتی، چمکتی ہوئی چیزوں کو دیر تک گھورتے رہنا اسے دلچسپ لگتا تھا۔

ان ہی دنوں میں اس نے چیزیں چرانا شروع کر دیں۔ دو تین دفعہ اس مہم جوئی کے دوران وہ پکڑی بھی گئی تھی مگر کم عمر ہونے کی بنا پر معمولی سرزنش کر کے اسے جانے دیا جاتا۔ چاکلیٹ کی بار اور کھلونوں سے لے کر ٹائیوں اور کراکری تک وہ ہر شے پر ہاتھ صاف کرتی۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ چرائی جانے والی چیزوں کی اسے ضرورت بھی ہوتی تھی یا نہیں۔ بس اس طریقے سے وہ اپنا غصہ نکالا کرتی تھی۔

☆☆☆

اس رات البا خاصی تاخیر سے گھر آئی تھی۔ گرانٹ نہیں گیا ہوا تھا اور صوفیہ کچن کے فرش پر کمبل اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی۔ البا کے ہمراہ ایک مرد تھا۔ جب وہ دونوں کچن کے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے تو صوفیہ کو اس شخص کی ایک جھلک دکھائی دی۔ ہاتھوں پر دستانے، سر پر اونی ٹوپی تھی اور نصف سے زائد چہرہ اونی مفلر نے ڈھانپ رکھا تھا۔ رات خنک تھی مگر ایسی شدید ٹھنڈ بھی نہیں تھی کہ گھر کے اندر آنے کے بعد بھی اسے دستانے اور مفلر ہٹانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

"کیا گھر میں کوئی اور ہے؟" اس کی آواز میں

سرسراہٹ سی تھی۔ سنا؟ "ابا" مظہر کی آواز سے بولنے پر ایسا تاثر پیدا ہو رہا تھا۔

"کوئی نہیں۔ اور تو کوئی بھی نہیں۔ صرف تم اور صرف میں۔ میں اور تم، تم اور میں۔"

اس نے الیا کو گنگناتے ہوئے سنا۔ آواز کی لہک گواہ تھی کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

صوفیہ نے سر تک کمبل تان کر کروٹ لے لی۔

معاً ایک درد آلود چیخ بلند ہوئی۔ خوف سے صوفیہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک اور چیخ گونجی جو چیخ سے زیادہ خرخراہٹ لگتی تھی۔ الیا یوں چلائی تھی جیسے اسے ذبح کیا جا رہا ہو۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ گہری اور جامد خاموشی۔ صوفیہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اس سے ہاتھ پاؤں بھی ہلائے نہ جاتے تھے۔

بھاری جوتوں کی تیز چاپ کچن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وحشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے اس نے دروازے میں سے اس آدمی کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ اس کی صورت اب بھی مظہر نے چھپا رکھی تھی۔ اس کے دستانوں اور کوٹ پر تازہ خون لگا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو دبا ہوا تھا جس کا تیز دھار پھل گاڑھے سرخ خون سے تر تھا۔ صوفیہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر تھم گیا۔ صوفیہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں کسی فسوں کے اثر سے اسی سمت جم گئی تھیں۔

"مجھے دیکھ کر تم ایک بھیانک غلطی کا ارتکاب کر رہی ہو۔ تمہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ منہ پر کمبل ڈال لو۔"

اس سرسراتی ہوئی آواز نے صوفیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑا دیں۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے تیزی سے کمبل کو منہ اور سر کے گرد لپیٹ لیا۔

"تم ایک خوش قسمت لڑکی ہو کہ تم نے میرا چہرہ نہیں دیکھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو... خیر چھوڑو۔ تم ہمیشہ شکر گزار رہو گی کہ ایسا نہیں ہوا۔" وہ پرسکون ٹھہرے ہوئے لہجے میں باتیں کرنے لگا۔

صوفیہ نے نل کھولے جانے اور پانی گرنے کی آواز سنی تھی۔

"شاید ہماری ملاقات نہ ہوتی کیونکہ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ ادھر ادھر کے معاملات میں بالکل نہیں الجھتا مگر ہوا یہ کہ باتھ روم میں پانی نہیں آ رہا تھا اور باہر جانے سے پہلے مجھے کچھ چیزوں کو دھونے کی سخت ضرورت تھی۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں۔ میرے دماغ میں آوازیں آتی ہیں جو مجھے اکساتی ہیں۔ مجھے ان کی بات ماننا ہی پڑتی ہے۔ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میں معاشرے کی صفائی پر مامور کیا گیا ہوں۔ ہر کسی کو اپنے فرائض نبھانے چاہئیں۔ میں بھی نبھا رہا ہوں۔ میں برا آدمی ہوتا تو میں تمہیں بھی... ہاں اتنا یاد رکھو کہ مجھے نافرمانی اور چالاکی سے نفرت ہے۔ تم صبح تک اسی جگہ ایسے ہی کمبل تانے لیٹی رہو۔ میں تمہیں سہانے سپنوں کی دعا دیتا ہوں۔"

گرتے ہوئے پانی کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔ اس نے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ چلا گیا تھا یا وہیں کھڑا اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ سانس روکے پڑی رہی۔ جب بہت وقت بیت گیا اور معمولی سی آہٹ بھی نہ ابھری تو اس نے نہایت آہستگی سے کمبل نیچے سرکایا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ کچن سے نکل آئی اور دیوار کے ساتھ لگ کر چلتے ہوئے قدم بڑھاتی الیا کے تاریکی میں ڈوبے کمرے تک پہنچی۔ بتی روشن کرنے [illegible] اکائی آئی تھی۔ الیا اپنے [illegible] تھی۔ اس کی آنکھیں [illegible] تھیں۔ الیا کی ناک کا بانسا [illegible] تھا۔ اس کے ماتھے پر [illegible] کھدے ہوئے تھے۔ صوفیہ نے [illegible] اسے WHORE لکھا ہوا دکھائی دیا۔

الیا کی [illegible] میں گڑی ہوئی اس گالی کو دیکھ کر جانے اسے کیا ہو گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی کچن میں واپس گئی اور وہاں سے صابن، پانی اور ایک رومال لے کر آئی۔ الیا کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے وہ تن دہی سے اس کی پیشانی دھونے لگی۔ کسی اور کی نظر پڑنے سے

قبل اسے وہ گالی مٹانا تھی۔ وہ صابن اور پانی سے مل مل کر الیا کی پیشانی صاف کرتی رہی مگر وہ اس گالی کو معدوم نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ کسی قلم سے تحریر کیے ہوئے حروف نہیں تھے۔ وہ کھال کے اندر اترے ہوئے گوشت میں کھبے ہوئے الفاظ تھے۔

جب گرانٹ اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے صوفیہ کو پاگلوں کی طرح ایک خون آلود کپڑے سے مری ہوئی الیا کا ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

الیا کے فیونرل پر گرانٹ نے اس سے کہا تھا۔

"کبھی کبھی خدا گناہ گاروں کو دنیا میں ہی عبرت کا نمونہ بنا دیتا ہے۔ اس کی نعش دوسروں کو بتا رہی ہے کہ وہ کس طرح کی [illegible] تھی۔ قیامت کے دن بھی اپنی پیشانی پر [illegible] اسی نشان کے ساتھ اٹھے گی۔ اس کا [illegible] نہیں ہوا۔ وہ جہنم میں جلے گی [illegible] عورت تھی۔ تم بھی اس جیسی بننے کی [illegible] کرنا۔ اس کے ماتھے پر لکھی ہوئی یہ [illegible] رکھنا۔"

✡ ✡ ✡

عمر کو جس فون کال کا شدت سے انتظار تھا۔ آخر ایک دن وہ آ گئی۔

"کیا تم محمد عمر ہو؟ میں آج اپنے پرانے گھر گیا تھا اور مجھے تمہارا پیغام ملا۔ میں داؤد بات کر رہا ہوں۔"

عمر یقین نہ کر سکا کہ اس کی آواز میں قدرتی طور پر کپکپاہٹ تھی یا وہ کسی جذباتی رو کے زیر اثر تھا۔

"جی میں عمر ہوں۔" اس نے تصدیق کی۔

"میں تم سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کہ مجھے کہاں آنا ہو گا۔"

"آپ مت آئیے۔ میں خود آپ کے گھر آ جاتا ہوں۔ آپ مجھے پتا بتا دیجئے۔"

"ٹھیک ہے جیسے تم چاہو۔ پتا ہے چھ سو بائیس این رائنسن اسٹریٹ، اسلو ایک ورسٹرشٹ۔ تم آج ہی آؤ گے نا؟"

"ہاں میں ابھی کچھ دیر میں روانہ ہو جاتا ہوں۔" عمر نے کہا۔

"ہم لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تمہیں یہاں تک آنے میں اندازاً کتنا وقت لگے گا؟ تم فوراً آ جاؤ۔"

اس کے انداز میں بے تابی تھی۔ فون رکھنے سے قبل اس نے متعدد بار یہی بات دہرائی تھی۔ جب وہ راستے بتائے ہوئے مکان پر پہنچا تو اسے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے دو افراد دکھائی دیے۔ جیسے وہ اس کا استقبال کرنے وہاں موجود تھے۔ اسے تھوڑی سی جھجک محسوس ہوئی تھی۔ پینتالیس چھیالیس سال کا ایک درمیانے قد کا خوش رو مرد آگے آیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ اشتیاق بھری آنکھوں سے عمر کو گھور رہا تھا۔

"میں داؤد ہوں۔ وہ گھر میرا تھا جہاں تم پیغام چھوڑ گئے تھے۔"

فربہ جسم والی بوڑھی عورت داؤد کو پرے ہٹاتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور روہانسی آواز میں بولی۔ "تم پرنیاں کے بیٹے ہو؟ میری پرنیاں کے بیٹے۔ وہ کہاں ہے؟ اسے ساتھ لے کر کیوں نہیں آئے؟"

داؤد نے اس عورت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا۔ "آنٹی! ابھی اندر چل کر تسلی سے بات کرتے ہیں۔ مجھے اطمینان کر لینے دیں کہ یہ واقعی ہماری پرنیاں کا بیٹا ہے۔"

بوڑھی عورت کو اس بات سے تکلیف ہوئی تھی۔

"اسے دیکھنے کے بعد بھی تمہیں کسی پوچھ تاچھ کی ضرورت ہے؟ تمہیں اس کی آنکھیں نظر نہیں آ رہیں؟ رنگ اور بناوٹ میں انیس بیس کا فرق بھی نہیں ہے اور یہ دیکھو اس کی گردن پر تل ہے۔ پرنیاں کی اولاد کے سوا کسی کی گردن پر ایسا تل ہو سکتا ہے بھلا؟"

اب وہ مرتعش ہاتھوں سے عمر کی گردن کو چھو رہی تھی۔

عمر اس صورتحال سے خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ داؤد نے معذرت خواہانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "یہ

پرنیاں کی ہی ہیں۔ ان کا اس طرح سے محسوس کرنا ایک قدرتی سی بات ہے۔

تو وہ اس کی نانی تھی۔ عمر نے ایک نئی نظر سے اسے دیکھنا شروع کیا۔ اگر بڑھاپے نے اس کے نقوش کو اتنا بدل نہ ڈالا ہوتا تو اس میں پرنیاں کی شباہت ڈھونڈنا آسان ہوتا۔ اس کی رنگت پرنیاں کی طرح ہی سفید تھی اور پیشانی پر بالوں سے بننے والی قوس بھی مماثل تھی۔ اس نے کئی بار سوچا تھا کہ اگر کبھی آپا کے گھر والوں سے سامنا ہوا تو اس کا رد عمل کیا ہو گا۔ اس وقت وہ متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ وہ آپا کے لیے خوش تھا اور خود ان سے بے گانگی محسوس کر رہا تھا۔

پرنیاں کی ماں کبھی اس کے شانوں پر ہاتھ پھیرتی اور کبھی اس کے چہرے کو انگلیوں سے چھوتی۔

"یہ اپنے منہ سے انکار کر دے تو بھی میں نہ مانوں کہ یہ پرنیاں کا بیٹا نہیں ہے۔ میں پہچان سکتی ہوں۔ میری آنکھ دھوکا نہیں کھا سکتی۔ بیٹا! میں تمہاری نانی ہوں۔ پرنیاں تم سے میرا ذکر کرتی رہتی ہو گی؟"

وہ خاموش رہا۔

داؤد نے مداخلت کی تھی۔ "وینس آنٹی! ہم لوگ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ ذرا تحمل سے کام لیں۔ آؤ عمر! ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

داؤد، وینس کو بازوؤں سے تھام کر اسے داخلی دروازے کی سمت لے جانے لگا۔ وہ مسلسل گردن گھما کر عمر کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی بوڑھی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

ڈرائنگ روم میں اسے گھر کے دیگر لوگوں سے ملوایا گیا۔ ڈاکٹر داؤد کی بیوی، اس کا بیٹا اور دو بیٹیاں، ایک پختہ عمر کا گونگا بہرا آدمی جو غالباً ذہنی لحاظ سے غیر متوازن تھا۔ داؤد نے اس کے بارے میں عمر کو بتایا کہ وہ اس کا ماموں گونی تھا۔

"کیا پرنیاں امریکہ میں ہے؟ کیا ہم اس سے مل سکتے ہیں؟"

داؤد کے اس سوال پر فضا میں امید کی [illegible] تھی۔ وہاں بیٹھے ہوئے سب [illegible]

گئے تھے۔

"نہیں۔ وہ پاکستان میں ہیں۔ لاہور میں رہتی ہیں۔"

"لاہور میں کب سے رہتی ہے؟"

"شاید پچھلے انیس بیس سال سے۔"

وینس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ "وہ مجھ سے چند سو میل دور رہتی تھی اور میں اسے ڈھونڈ نہ سکی۔ کیسی بد قسمت ہوں میں۔"

"لاہور میں کس کے پاس رہتی ہے؟" داؤد نے اگلا سوال کیا۔

"اکیلی رہتی ہیں۔ وہ ایک اسکول میں پڑھاتی ہیں۔"

"تمہیں میرے گھر کا پتا کیسے ملا؟ کیا اس نے تمہیں میرے پاس بھجوایا ہے؟ کیا اب وہ ہم لوگوں سے ملنا چاہتی ہے؟"

انہیں مایوس کر کے عمر کو دکھ ہوتا لیکن اس نے صاف گوئی سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔

"میرا نہیں خیال کہ وہ آپ لوگوں سے ملنے کی خواہش مند ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے گھر والوں کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ آپا کے علم میں نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کو تلاش کر رہا ہوں۔ آپ سے [illegible] کرنے کا فیصلہ سراسر میرا اپنا ہے۔ [illegible] نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے [illegible] یا نہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں [illegible] غلطی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ آپ [illegible] سے شرمندہ ہیں۔"

"نہیں۔ [illegible] غلطی نہیں تھی۔" وینس نے تڑپ کر کہا۔ "غلطی مجھ سے ہوئی۔ بیٹا! سارا قصور میرا [illegible] نے اس کی شادی طے کی تو وہ پہلے ہی ایک مسلمان آدمی سے نکاح کر چکی تھی۔"

اس جملے نے عمر کو ساکت کر دیا۔ اس کا باپ مسلمان تھا۔ یہ وہ غلطی تھی جس نے آپا کو دربدر کر دیا تھا۔

وینس رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بول رہی

تھی تو وہ سرکش نہیں تھی۔ اس میں بغاوت نہیں تھی۔ وہ محبت میں مجبور ہوئی ہو گی۔ وہ کم عمر تھی، نا سمجھ تھی۔ اس نے مجھ سے حقیقت بیان کر دی تھی مگر میں خود غرض بن گئی۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ میں نے اسے اتنا عاجز کر دیا کہ گھر سے بھاگ جانے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہ بچا۔ وہ شرم کے مارے مجھے یہ نہ بتا سکی کہ وہ پریگننٹ [illegible]۔ جو وہ کر چکی تھی وہ کیسے لوٹتا؟ میں چاہتی تو اسے معاف [illegible] چاہتی تو اس کی مدد کرتی۔ میں نے [illegible] میں نے معاف نہیں کیا۔ وہ اور کیا کرتی [illegible] کی ماں ہی کوئی ایک [illegible] وہ [illegible] سے کہتی؟ اور کس سے [illegible] آنسوؤں کی تندی سے وینس کی آواز [illegible]

داؤد [illegible] سے آپس میں پیوست تھے۔ اس [illegible] کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔

"تم [illegible] تک یہ نہیں بتایا کہ تمہیں میرے [illegible] میں کیسے معلوم ہوا؟"

عمر نے جیب سے پرنیاں کا لکھا ہوا خط نکال کر داؤد کو دے دیا۔ "یہ ایک روز اتفاقاً ان کے ٹرنک میں سے مجھے ملا تھا۔"

داؤد سے پہلے وینس نے اسے پڑھا تھا۔ پڑھتے ہوئے بار بار وہ گالوں پر بہتا ہوا پانی پونچھ رہی تھی۔ پھر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اونچی آواز سے رونے لگی۔

"مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں مناؤں گی اسے۔ ماں سے بھی کوئی روٹھتا ہے کیا۔ یہ کوئی ہر روز مجھے مارتا ہے۔ کئی دفعہ اتنے زور سے کہ میرے جسم پر نشان پڑ جاتے ہیں اور یہ کبھی شرمندہ نہیں ہوا۔ میری پرنیاں نے اپنے لیے اتنی کڑی سزا تجویز کر لی۔ اتنی شرمندہ ہے کہ تمام زندگی اپنی ماں سے آنکھ ملانا نہیں چاہتی۔ مجھے اس کا فون نمبر بتاؤ۔ میں ابھی اس سے بات کروں گی۔ میری آواز سن کر۔۔۔" اس سے آگے وینس سے بولا نہ گیا۔

داؤد خط پڑھ چکا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر وینس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آنٹی! ہم ابھی اس سے بات کریں گے لیکن مجھے خوف ہے [illegible] کہیں روپوش نہ ہو جائے۔ عمر اس کی مرضی کے بغیر یہاں نہیں آیا۔ پرنیاں نے گلٹ کی اس حد تک خود اذیتی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ [illegible] ری ایکٹ کرے گی، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اس خط کو پڑھ کر آپ کو لگتا ہے کہ وہ آسانی سے ہم سے ملنے پر تیار ہو جائے گی؟ ہمیں اس بارے میں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔"

وینس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ برستی آنکھوں سے عمر کی صورت دیکھتی رہی۔ چند لمحوں بعد آنسوؤں کی روانی میں کمی آئی تو وہ بولی۔

"میں کچھ نہیں جانتی کہ کیا ہو گا اور کیا نہیں۔ مجھے بس اتنا پتا ہے کہ وہ میری بیٹی ہے اور میں اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہر قیمت پر کچھ بھی کرو اسے میرے سامنے لے آؤ۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں مر جاؤں گی۔ کسی بھی طرح اسے مجھ سے ملوا دو۔"

"ایسا ہی ہو گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" داؤد نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

پھر وہ دونوں عمر سے سوال پوچھنے لگے۔

اس کی تربیت پرنیاں نے کی تھی تو وہ مسلمان کیوں تھا؟ اس کے پورے نام محمد عمر سے داؤد کو اس بات کا دھیان آیا تھا۔

وہ پرنیاں کو آپا کیوں کہتا تھا؟ کیا پرنیاں نے کبھی اس کے باپ کے متعلق کچھ بتایا تھا؟ وہ کیسی زندگی بسر کر رہی تھی؟ اس کی صحت کیسی تھی؟ کیا اس کے پاس پرنیاں کی کوئی حالیہ تصویر تھی؟

ان کے ہونٹوں پر سوال ہی سوال تھے۔

☼ ☼ ☼

"آپا کی ماں اور بھائی آپ کے ساتھ ہی رہتے ہیں؟"

"نہیں۔ وینس آنٹی علاج کے سلسلے میں آئی ہیں۔"

"پچھلے دنوں ہی ان کی ہارٹ بائی پاس سرجری ہوئی ہے۔"

"آپ کون ہیں پاپا کے؟"

اس کے پوچھنے پر داؤد اداسی سے مسکرایا۔ "کزن کہہ سکتے ہو' ویسے ہمارے درمیان کوئی قریبی رشتہ داری نہیں ہے۔ ہم دونوں کی گریٹ گرینڈ مدر ایک ہیں۔ پرنیاں کے ابو اور میرے ڈیڈی میں شروع سے ہی بہت اچھی دوستی تھی۔ وہ ایک اسکول اور ایک کالج سے پڑھے تھے۔ وہ سگے بھائیوں سے زیادہ قریب تھے۔ پرنیاں میرے ڈیڈی کو چچا اور میری مدر کو چاچی کہا کرتی تھی۔ اسی بنا پر میرے اور پرنیاں کے درمیان۔۔۔" اس نے لحہ بھر توقف کیا۔ "میں اسے پسند کرتا تھا۔ میں سمجھتا تھا' وہ بھی ایسا ہی محسوس کرتی ہے۔ میں غلط تھا۔ اس کی شادی مجھ سے ہونے والی تھی۔"

عمر کو اپنے سوال پر ندامت ہوئی۔ میز پر پڑی ہوئی ایک کتاب اٹھا کر وہ بلا مقصد اس کے اوراق پلٹنے لگا۔

"آپ کو یہ تو علم ہو گا کہ وہ میرے فادر سے کہاں ملی تھیں۔ امریکہ میں یا پاکستان میں؟" اس نے بدستور صفحے الٹتے ہوئے کہا۔

"پرنیاں نے اپنی زبان سے تو کبھی کچھ نہیں بتایا' البتہ میں سب جانتا ہوں' مجھے ان کی ایک ایک ملاقات کا احوال معلوم ہے۔ وہ ایک مفلوک الحال شخص تھا۔ وہ میساچوسٹس سے ہالی ووڈ اسٹار بننے کا عزم لے کر لاس اینجلس آیا تھا۔ یہاں ایک پارک میں اس کی پرنیاں سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہیں سے ان کے بیچ پسندیدگی کا سلسلہ شروع ہوا۔"

"آپ یہ سب کیسے جانتے ہیں؟"

"کیونکہ میں تمہارے باپ کو جانتا ہوں عمر!"

اس نے کتاب بند کرتے ہوئے داؤد کے چہرے پر آنکھیں گاڑ دیں۔

"وہ کون ہیں؟ کیا آپ کبھی ان سے ملے ہیں؟ وہ کہاں ہیں؟ آپ ان کے متعلق کیا جانتے [illegible]" مضطرب ہو کر کرسی پر آگے کھسک آیا۔

"یہ سب باتیں خود اسی نے مجھے [illegible] اس سے نکاح کرنے کے ایک دن بعد پرنیاں اور ہم سب پاکستان چلے گئے کیونکہ تمہارے نانا بستر مرگ پر تھے اور مرنے سے پہلے میری اور پرنیاں کی شادی کے خواہش مند تھے۔ اسی دوران پرنیاں اور تمہارے باپ احمد عباس کا اسکرین نیم ایڈم گرانٹ ہے۔ ان دونوں کی فون پر بات ہوتی رہی۔ اس نے پرنیاں سے وعدہ کیا کہ شادی کی تاریخ سے قبل اسے لینے پاکستان پہنچ جائے گا۔ جب وہ پاکستان جانے کی تیاری مکمل کر چکا تو اس کی ایکس گرل فرینڈ البا نے بلیک میل کر کے اسے روک لیا۔ دراصل اس نے معاشی حالات سے مجبور ہو کر ایک پورنو گرافک رسالے کے لیے کام کیا تھا۔ اسی کو بنیاد بنا کر البا نے اسے پاکستان جانے نہیں دیا۔

ان دنوں اسے ایک بڑی امپورٹنٹ فلم میں لیڈ رول ملا تھا۔ اگر البا ڈائریکٹر یا اسٹوڈیوز کو وہ میگزین دکھا دیتی تو اسے بلیک بال کر دیا جاتا۔ پرنیاں کو علم ہوا کہ وہ پریگننٹ ہو چکی ہے تو وہ کسی کو بتائے بغیر گھر سے کہیں چلی گئی۔ اس نے پھر گرانٹ سے کنٹیکٹ کیا اور اپنے پریگننٹ ہونے کی خبر سنائی مگر البا کی بلیک میلنگ سے ڈر کر اس نے پرنیاں سے کہہ دیا کہ ان کے نکاح کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے بعد پرنیاں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ بعد میں گرانٹ کے ہاتھ سے وہ فلم بھی نکل گئی [illegible] ایکسٹرا کے طور پر کام کرنے لگا۔ [illegible] پروڈکشنز وہ اور البا کئی سال ایک [illegible] رہے۔ البا کا [illegible] گرانٹ نے پرورش کی۔ وہ [illegible] ہے۔ میرے منع کرنے [illegible] پاکستان گیا پرنیاں کو تلاش کرنے [illegible]۔ ہم لوگ ہر جگہ ڈھونڈ چکے تھے۔ [illegible] پرنیاں کے نام بے شمار خطوط لکھے۔ ظاہر ہے [illegible] جواب نہیں آیا۔ پرنیاں کہاں رہی اور [illegible] رہی ہمیں کچھ پتا نہیں۔"

[illegible] عمر کو پتا تھا کہ پاپا کس حال میں رہی تھی۔ [illegible] نے اسے کتنا خوار کیا تھا۔ پورنو گرافک رسالے اور فلموں کا تذکرہ سن کر اس کا سر گھومنے لگا تھا۔ اس نے اپنی نظر پر اعتبار کیا تھا' پاپا کے آنسوؤں پر نہیں۔

اس کے ذہن کے پردے پر دیوانہ وار آگ بجھاتی ہوئی پاپا کا عکس نمودار ہوا۔

"انہیں نہ جلاؤ' تمہیں خدا کا واسطہ' نیلام نہ کرو' میں تمہیں ان کے متعلق سمجھا سکتی ہوں۔۔۔"

اسے کوئی چیز چبھ رہی تھی۔ اتنی شدت سے کہ اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ آپ کو یہ باتیں کیوں بتاتے رہے۔ جبکہ آپ دونوں کے درمیان [illegible] Rivalry (رقابت) ہونی چاہیے [illegible] پھر آپ لوگوں میں ایسے مراسم کیسے ہوئے کہ وہ اپنی ذاتی چیزیں آپ سے شیئر کرتے۔" اس نے صدمے سے سنبھل کر کہا۔

داؤد ہاتھ [illegible] کنپٹی کو سہلا رہا تھا۔ "شیئر کرنے کو کوئی اور تھا ہی نہیں۔ پرنیاں کی باتیں کرنے کے [illegible] میں ہی دستیاب تھا تو اس نے مجھ ہی پر [illegible] کر لیا۔ پرنیاں کی گمشدگی کے بعد وہ مجھ سے ملنے [illegible]۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں پرنیاں تک جانے کا [illegible] راستہ دکھا سکوں پھر ہم وقتے وقتے سے ملتے رہے۔ میں اس سے پرنیاں کی بابت پوچھتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا۔ ہم دونوں میں ایک عجیب سا تعلق استوار ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہماری ملاقاتوں کا درمیانی وقفہ بڑھتا رہا' پھر بھی ہم ایک دوسرے سے غافل نہیں ہوئے اور عمر! میں تمہیں اس سے ملوا سکتا ہوں۔"

اس کا جسم تن گیا۔ گھٹنے پر دھری ہوئی کتاب پھسل کر فرش پر جا گری تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ ایڈم گرانٹ ہے۔" داؤد نے بیڈ پر لیٹے ہوئے ایک دبلے اور نحیف شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلان کیا۔

عمر بے ساختہ اس کے قریب چلا گیا۔ پھر اس کے قدم یوں رک گئے جیسے کسی چابی بھرے کھلونے کی چابی گھوم کر چکر مکمل کر چکی ہو۔ وہ جیسے کسی آئینے میں خود کو دیکھ رہا تھا۔ تاہم وہ عکس تیس سال بعد والے عمر کا تھا۔ اس کے سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک ایک ایک عضو میں عمر کو اپنا آپ دکھائی دیا۔ اگر وہ اس سے پہلے کہیں ملا ہوتا تو کسی کے بتائے بغیر ہی اسے پہچان لیتا۔ وہ بھی عمر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی [illegible] آنکھوں میں الجھن اور ناگواری تھی۔ پھر اس کی توجہ داؤد کی جانب مبذول ہوئی۔

"داؤد فرینڈ! تم کل پورا دن نہیں آئے۔ میں آدھی رات تک اسٹاف سے پوچھتا رہا۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تمہیں میری تنہائی پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ اگر تم مصروف تھے تو کم از کم تمہیں پیغام بھجوانا چاہیے تھا۔ جب تمہیں پتا ہے کہ تمہارے علاوہ یہاں کوئی نہیں آتا تو تم اتنی لاپروائی کیوں برتتے ہو؟" بولتے ہوئے وہ اٹک رہا تھا۔

"میں تمہاری تنہائی کا بندوبست کر کے لایا ہوں۔ اب ایک اور مہمان بھی تم سے ملنے آیا کرے گا۔ اس سے ملو' یہ تمہارا اپنا بیٹا ہے عمر۔" داؤد نے عمر کو اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ وہ یوں بدکا جیسے کسی بھوت کو دیکھ رہا ہو۔

"تم کتنے برے مذاق کرتے ہو ڈاکٹر! میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اپنی بیوی کو تو میں نے مار دیا تھا۔ پرنیاں کو قتل کر دیا تھا۔ پھر بیٹا کہاں سے آگیا۔" وہ خاموش ہو کر سوچنے لگا۔

"لیکن مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نے پرنیاں کو قتل نہیں کیا تھا۔ کسی اور کو کیا تھا۔ کسی کو جان سے مارا تو ضرور تھا مگر وہ تھا کون؟"

عمر نے تشویش سے داؤد کو دیکھا۔ جواباً اس نے سر کو اس انداز سے جنبش دی جیسے اسے انتظار کرنے کو کہہ رہا ہو۔

"گرانٹ! یہ پرنیاں [illegible] کا بیٹا ہے۔ تمہارا اور پرنیاں کا بیٹا۔ پاکستان سے تمہیں تلاش کرنے آیا ہے۔ تم اس سے بات تو کرو۔ تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ۔" داؤد نے رسان سے گرانٹ کو سمجھایا۔

"میں نہیں مانتا۔ میں یہ بات تسلیم ہی نہیں کر سکتا۔" گرانٹ درشتی سے بولنے لگا۔ "میں تو اکیلا ہوں صحرا میں اگنے والے کسی تھوہر کی طرح۔ میری یادداشت اتنی بھی خراب نہیں ہوئی کہ میں اپنے بیٹے کو بھول جاؤں۔ پرنیاں نے کہا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ مگر اس بات کو زمانے گزر گئے۔ میرا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ اسے میرے پاس ضرور بھیجتی۔ وہ مجھ سے لاکھ نفرت کرتی ہو، میرے بیٹے کو بھی مجھ سے دور نہ رکھتی۔ اس کا دل ایسا سخت ہے ہی نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ ان دنوں تو اتنی کثرت سے کہ میں کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتا۔ اول تو تم آتے نہیں داؤد اور اگر آتے ہو تو میری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہو۔ جاؤ چلے جاؤ اور اس لڑکے کو بھی لے جاؤ۔"

اس نے ایک ناراض نگاہ عمر پر ڈالی اور کروٹ لے کر رخ بدل لیا۔

داؤد نے ایک اسٹول کھینچ کر عمر کو بیٹھنے کے لیے کہا اور اس کے شانوں پر ہاتھوں سے ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے باہر نکل گیا۔ عمر کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ اس شخص سے کیا بات کرے۔ وہ چپ چاپ اس کی ابھری ہوئی ہڈیوں والی پشت کو دیکھتا رہا۔ وہ کسمسا رہا تھا اور دھیرے دھیرے دیوار کی سمت کھسکتا جاتا تھا۔ جیسے وہ بہت بے چینی محسوس کر رہا ہو۔ پھر اس نے آہستگی سے گردن موڑی اور پیچھے دیکھا۔ عمر کو وہیں بیٹھے دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل آگئے تھے۔

"تم مجھے کیوں ستا رہے ہو؟ کیا تمہیں ایک بوڑھے بیمار آدمی کی بے چارگی کا تماشا دیکھ کر مزہ آتا ہے۔"

اس نے پھر سے دیوار کی طرف چہرہ گھما لیا اور تب عمر کو اس کی پنڈلی پر اور سرکے ہوئے میلے پاجامے سے کچھ نشان نظر آگئے تھے۔

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا اور اس کی نگاہ داؤد کی تلاش میں یہاں وہاں بھٹکنے لگی۔ وہ راہداری [illegible] پر ایک ادھ کھلے دروازے میں ایستادہ [illegible] نظر آگیا تھا۔ وہ کسی شخص کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا۔ اس نے بھی عمر کو دیکھ لیا اور اشارے سے اسے قریب بلایا۔ اسے لے کر وہ دفتر کی طرز پر سجے ہوئے ایک کمرے میں آگیا۔

"تم کچھ پینا چاہو گے؟ چائے یا کافی۔"

داؤد کے پوچھنے پر اس نے نفی میں جواب دیا تھا۔

"ان کو کیا بیماری ہے؟ میں نے ان کے جسم پر Leisons (چھالے) دیکھے ہیں۔ کیا ان ہی کی وجہ سے وہ زیر علاج ہیں؟"

داؤد کے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا ہوئے جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ کیا جواب دے۔ چند لمحے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسائے انہیں چٹخاتا رہا۔

"یہ ایک قسم کا کینسر ہے۔"

عمر کو افسوس ہوا تھا۔ ویسا ہی افسوس جیسا کسی مصیبت زدہ انسان کے بارے میں جان کر ایک حساس دل رکھنے والا دوسرا انسان محسوس کرتا ہے۔

"اس کا علاج ممکن ہے؟ میرا مطلب ہے کیا ان کے صحت یاب ہونے کی امید ہے؟" داؤد نے میز پر بکھرے ہوئے کاغذوں کو ترتیب دیتے ہوئے دھیرے سے سر ہلایا۔ "علاج تو ممکن ہے۔ لیکن گرانٹ کے کیس میں یہ ناممکن ہے۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ایسا کیوں ہے؟" عمر نے تعجب سے پوچھا۔

"دراصل میں [illegible]" اس نے [illegible] ہوئے گردن کی پشت [illegible]

عمر کے دل [illegible] ہونٹ بھینچ لیے۔

عمر کو [illegible] تھا۔ وہ زندگی میں ایک ایسے [illegible] کے روبرو ہوا تھا جب اس سے کبھی وابستگی قائم ہونے کے امکانات ناپید نہیں تو محدود ضرور تھے۔ گرانٹ کی قدر کرنے کے لیے اس کے [illegible] میں ہمدردی سے زائد مالیت کا کوئی سکہ نہ تھا۔

"اس کی یادداشت کا بھی مسئلہ ہے۔ کبھی کبھار تو وہ اپنا نام تک یاد نہیں رکھ پاتا۔ وہ اندھیرے میں راہ

بھٹکے ہوئے انسان کی مانند خوف زدہ اور تنہا ہے۔" داؤد مزید کہہ رہا تھا۔ "تم اگر اس سے ملنے آجایا کرو تو اسے اچھا لگنے لگے گا۔ اس کی تنہائی کم ہو جائے گی۔"

عمر نے خود کو یاد دلایا کہ اس کا کام یہیں ختم ہو جاتا تھا۔ اس سے آگے بڑھنے کی اسے چاہت تھی نہ حاجت۔ کیا کچھ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے کے لیے وہ جو کر سکتا تھا، اس نے کر دیا تھا۔ جہاں تک گرانٹ کا تعلق تھا تو عمر اور اس کے مابین [illegible] والے معاملے تھا۔ ایک بار [illegible] الگ ہو جائیں تو لاکھ کیا کیے جائیں پھر سے [illegible] نہیں بنتا۔ اس نے [illegible] کے بعد دوبارہ گرانٹ سے [illegible]

معذرت [illegible] سے داؤد کو دیکھتے ہوئے وہ بولا۔ "[illegible] کروں گا البتہ وعدہ نہیں کرتا۔ فرصت [illegible]"

[illegible] کرسی سے اٹھتے ہوئے دیکھ کر داؤد کی آنکھوں [illegible] سی در آئی۔ "تم جا رہے ہو؟ ویس آئی تو بعد [illegible] کہ تم جب تک امریکہ میں ہو ہمارے پاس رہو۔ میری بھی یہی خواہش ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے عمر!"

"یہ مناسب نہیں لگتا۔"

"اس میں غیر مناسب کیا ہے؟ ہم تمہارے اپنے ہیں کوئی غیر تو نہیں۔" داؤد نے اصرار کیا۔

وہ کوئی جواب دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ داؤد کے اجازت دینے پر ایک میل نرس نے اندر آکر کہا۔ "ڈاکٹر فرڈیننڈ! کمرہ نمبر تیرہ کا مریض آپ کو بلانے پر اصرار کر رہا ہے اور وہ بری طرح چیخ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔"

نرس کے جانے کے بعد داؤد دروازے کی جانب بڑھا تو عمر اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "اچھا تو پھر میں جا رہا ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔"

داؤد گردن ٹیڑھی کر کے اسے دیکھتے ہوئے عجیب انداز سے مسکرایا۔ "وہ تمہیں بلا رہا ہے۔ مجھے بلانے کے لیے اس [illegible] بھی یہ تجربہ نہیں ہو پایا۔"

"کون بتا [illegible]"

"[illegible] والا۔"

[illegible] کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ غضب ناک آنکھوں سے عمر کو گھورنے لگا۔ "ادھر آؤ یہاں میرے قریب آؤ۔" اس نے چلا کر حکم دیا۔

عمر نے اس کی فرمائش پوری کر دی تھی۔

"سچ سچ بتاؤ تم نے یہ کیوں کہا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ تمہیں میرے بارے میں معلوم کیسے ہوا کہ میری کوئی ایسی اولاد بھی ہے جس سے میں کبھی ملا ہی نہیں۔ یہ ڈاکٹر بھی اس منصوبے میں تمہارا ساتھی ہے؟ تم دونوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنانے کا سوچا ہے۔ کیا یہ خیال کسی فلم کو دیکھ کر آیا ہے؟"

عمر اس افتاد سے گھبرا گیا تھا مگر اس نے نرمی سے کہا۔ "میں فلمیں نہیں دیکھتا۔"

"وہ بھی نہیں دیکھتی تھی۔ میری خاطر اس نے دیکھنا شروع کر دیں۔" گرانٹ کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"آپ کی خاطر تو وہ اب بھی دیکھتی ہیں۔" عمر کی زبان سے بے اختیار پھسل گیا۔

"میرے ساتھ یہ خوف ناک مذاق کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ کیا غلطی ہے میری جس کی سزا دینے تم آئے ہو۔ چلے جاؤ۔ میں تمہاری صورت نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ گلا پھاڑ کر چیخنے لگا۔ عمر کو اس کے ہونٹوں پر سرخ بلبلے پھوٹتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بستر پر دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

داؤد تیزی سے آگے آیا اور ایک ہاتھ سے گرانٹ کا سر تھام کر دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر سہلانے لگا۔

"چپ چپ مت۔ کوئی تمہارے خلاف سازش نہیں کر رہا۔ کوئی تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا۔" وہ اسے چھوٹے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔

گرانٹ نے داؤد کے بازو کی اوٹ سے عمر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا اور دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

"اس کی آنکھیں۔ ہو بہو اس کی آنکھیں۔"

وہ بے دم ہو کر داؤد کے بازوؤں میں جھول گیا۔

"عمر! میں امید رکھوں کہ جلد ہی تم گرانٹ سے دوبارہ ملنے آؤ گے۔" کمرے سے باہر آ کر داؤد نے اپنی بات دہرائی تھی۔

عمر خاموشی سے اس کے پہلو میں چلتا رہا۔

"میں تمہاری ہچکچاہٹ کی وجہ سمجھتا ہوں لیکن پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ تمہیں آنا چاہیے۔"

"میرا اور اس کا مختصر رشتہ ہے۔ جانے کب وقت نکال پاؤں یا نہیں۔" اس نے پھر معذرت کی تھی۔

"گرانٹ کے پاس بھی بہت کم وقت باقی ہے۔ تمہیں زیادہ دن نہیں آنا پڑے گا۔" داؤد نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حکیم بیگم نے استری کیے ہوئے کپڑے ترتیب سے الماری کے خانے میں رکھے پھر چارپائی پر پڑی ہوئی بستر کی چادریں تہہ کر کے دوسرے خانے میں اوپر تلے جمانے لگی۔ پٹ بند کر کے وہ تھوڑی دیر کمر سیدھی کرتی رہی اور مڑ کر پرنیاں کو دیکھا جو بیڈ کی پشت کے سہارے نیم دراز ایک کتاب پڑھتے ہوئے اونگھ رہی تھی۔ الماری کے زنگ کھائے ہوئے قبضوں سے برآمد ہونے والی چرچراہٹ نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ کتاب بند کرتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی۔

حکیم بیگم بولی۔ "مجھے کپڑوں پر لوہا کرنے دی جاچ نہیں ہے دھیئے! اینھیں دھوبی دا خرچا بچ جاندا (مجھے کپڑے استری کرنے کا طریقہ نہیں آتا) ورنہ دھوبی کا خرچ بچ جاتا۔)"

پرنیاں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"کل سا نجھر سے چھوہاں دا جوائی آئے گا مجھے پنڈ لے جانے کے لیے۔ ہن تو ٹھیک ہے۔ چھوٹے موٹے کم آپ کر سکتی ہے۔ میں صالحہ اور بزل بڑی اداس ہو گئی ہوں۔ تے تو روکتی ہے تے نئیں جاتی۔ کی مرضی ہے تیری؟" (کل سانجھر سے چھوہاں کا داماد آئے گا مجھے پنڈ لے جانے کے لیے۔ اب تو ٹھیک ہے۔ اپنے چھوٹے بڑے کام آپ کر سکتی ہے۔ میں صالحہ اور بزل کے لیے اداس ہو گئی ہوں۔ اگر تو روکتی ہے تو میں نہیں جاتی۔ کیا مرضی ہے تیری؟) حکیم بیگم نے نزدیک آتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں ہفتہ دس دن ٹھہر کے فیر پھیرا مار جاؤں گی۔"

(میں ہفتہ دس دن بعد پھر چکر لگاؤں گی۔)

"آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ میں آپ سے کہنے ہی والی تھی کہ بہت دن ہو گئے آپ کو گھر جانا چاہیے۔ اچھا ہوا آپ نے خود ہی ارادہ کر لیا۔" پرنیاں نے کہا۔

"میں ٹیلی فون تے خیر پوچھتی رہوں گی۔ تجھے اک بھورا پریشانی آئے، مجھے بلا لینا۔ میں کجھ کھان پین لئی لے آواں۔ کسی شے کو جی کرتا ہے آج؟"

(میں فون پر خیریت پوچھتی رہوں گی تجھ کو ذرا سی بھی پریشانی ہو تو مجھے بلا لینا۔ میں کچھ کھانے پینے کے لیے لے آؤں۔ کس چیز کو دل چاہتا ہے آج؟)

پرنیاں نے انکار کر دیا۔ "ابھی تھوڑی دیر تو ہوئی مجھے کھانا کھائے ہوئے۔ شام کو میں خود کوئی چیز پکا لوں گی۔"

"لے دس! بچاری نے چار دانے دال [illegible] تیرا رج ہو گیا؟ کھلا دیندا کر تیرے جثے [illegible] آئے۔" (لو بتاؤ ذرا سی روٹی اور دال [illegible] کر تیرا پیٹ بھر گیا؟ کھلایا [illegible] بدن میں ذرا جان آئے۔)

"ابھی مجھے [illegible] تو میں کھا لوں گی۔ میں زیادہ [illegible] رہی ہوں اس لیے بھوک کم لگتی [illegible] نے کہا۔

"جیسی تیری مرضی۔ میں ویہڑے دا کھلارا نبیڑ کے آ جاواں۔" (میں صحن کا پھیلاوا سمیٹ کر آتی ہوں۔) "تو سوچ لے، کج ہانڈی کی پکانی ہے۔" حکیم بیگم صحن میں چلی گئی اور جھاڑو سے گرد سمیٹنے لگی۔

جتنے دن پرنیاں اسے کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پچھلے کئی روز سے حکیم بیگم اس کی خدمت کر رہی

تھی۔ وہ ایک ماں، بہن اور خادمہ کی طرح اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ اکتائے بغیر، کچھ جتائے بغیر۔ سسٹر سوزین نے اسے مدد کی پیشکش کی تھی۔ مگر حکیم بیگم کے ہوتے اسے بہت آرام تھا۔ کسی اور شاید اس طریقے سے اس کا خیال نہ رکھ پاتا۔ کلائیوں کے زخم اب مندمل ہو چکے تھے۔ بائیں ہاتھ میں بے حسی تھی تاہم وہ کسی حد تک اس سے کام لینے پر قادر ہو گئی تھی۔

وہ آہستگی سے بستر سے [illegible] ہوئے کھڑی ہو گئی۔ ہلکی سی نقاہت باقی تھی [illegible] بستر محسوس کر رہی [illegible] ہوئی وہ صحن میں آئی اور [illegible] جھاڑو لے لی۔

"مجھے [illegible] ہی میرے بدن کی توانائی [illegible] آپ ذرا آرام کر لیں۔"

[illegible] نہیں ہوئی۔ "ڈاکٹر وی کہتا تھا کہ [illegible] تو چھیتی ٹھیک ہو جائے گی۔"

(ڈاکٹر بھی کہتا تھا چلنے پھرنے سے تو جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔)

جھک کر جھاڑو دینے کی مشقت سے جلد ہی اس کا سانس پھول گیا۔ وہ رک رک کر ستاتے ہوئے صفائی کرتی رہی۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئی تو حکیم بیگم باورچی خانے کے دروازے میں کرسی پر بیٹھی چاولوں سے کنکر چن رہی تھی۔

"آج یخنی والا پلاؤ بنا لیتی ہوں۔ کرارا (تیکھا) کر کے بناؤں گی۔ بے سوادے پھیکے کھانے کھا کے تیرا منہ بھسا ہو گیا ہے۔" (بے مزہ پھیکے کھانے کھا کے تیرے منہ کا ذائقہ خراب ہو گیا ہے۔)

اس کے متوجہ ہونے پر حکیم بیگم مسکرائی تھی۔ کیسی بے ریا مسکراہٹ تھی۔ اس میں کوئی بھید نہیں تھا۔ کوئی دکھاوا نہیں تھا۔ وہ کل صبح واپس جا رہی تھی۔ پرنیاں نے سوچا کہ اب وہ کہہ ڈالے جو مدتوں پہلے اسے کہہ دینا چاہیے تھا۔ وہ لفظ جو اس پر قرض تھے انہیں حکیم بیگم کے سپرد کرنے کا موقع شاید اس کے بعد بھی نہ آتا۔ وہ کمرے سے ایک کرسی گھسیٹ کر باہر لائی اور حکیم بیگم کے پاس بیٹھ گئی۔ گود میں دھرے اس کے کھردرے ہاتھوں پر آنکھیں جماتے ہوئے اس نے بات شروع کی۔

"میں نے کبھی آپ سے شکریے کا ایک لفظ نہیں کہا۔ حالانکہ میں لاکھ بار بھی شکریہ کہتی تو کم ہوتا۔ آپ نے اس وقت میرے لیے اپنے گھر کا دروازہ کھولا جب مجھ پر سب در بند کر دیے گئے تھے۔ آپ نے تب میری مدد کی جب کوئی دوسرا یہ کام کرنے پر تیار نہیں تھا۔ آپ نے میری خاطر اپنی برسوں کی کمائی ہوئی نیک نامی کو داؤ پر لگا دیا۔ آپ نے لوگوں کی ملامت سہی، اپنوں کی ناراضی برداشت کی اور ایک لمحے کے لیے بھی احسان نہیں جتایا۔ کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ انسان ہیں تو میں آپ کو فرشتہ کہتی۔ میں خاک بن کر آپ کے پیروں میں بچھ جاؤں تو بھی آپ کی نیکی کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔

اگر عمر کی تربیت میں نے کی ہوتی تو بھی اسے اتنا اچھا نہ بنا سکتی۔ آپ نے جیسی تربیت کی میں کبھی کسی نہ کر پاتی۔ اس نے اپنی ہر اچھی عادت آپ سے لی ہے۔ وہ اچھا انسان ہے، اچھا مسلمان ہے۔ جو بھی خوبی اس میں ہے، وہ آپ کی وجہ سے ہے۔ مجھے عمر کی ماں ہونے پر فخر ہے۔ وہ میرا بیٹا ہونے پر شرمسار ہے تو اس میں اس کی غلطی نہیں۔ میں نے اس کی زندگی مشکل بنانے میں کیا کسر چھوڑی؟ کون سا ایسا قصور ہے جو مجھ سے نہیں ہوا؟ مجھے اس پر حق جتاتے ہوئے کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔

آپ کے لیے اس کا پیار دیکھ کر مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔ وہ آپ سے علیحدہ ہو کر کتنا ناخوش تھا مگر میں ضد پر اڑی رہی۔ جب میں اسے آپ سے مانگنے گئی تو آپ کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں آئی۔ ایسا حوصلہ کہاں سے لیا ہے آپ نے؟ اپنا دل نکال کر خود اپنے ہاتھوں سے کون کسی کو دیتا ہے؟

مجھے کسی نے ایک چڑیا کا بچہ پالنے کے لیے دیا ہوتا اور دس دن بعد آ کر مجھ سے واپس مانگتا تو میں کبھی نہ دیتی۔ آپ نے اٹھارہ سال عمر کو پال پوس کر میرے

ایک بار مانگنے پر اسے مجھے دے دیا۔ میرا مذہب مختلف ہے لوگ اس فرق کو لے کر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے خلوص میں تعصب کا ایک تنکا تک شامل نہیں ہونے دیا۔ اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ تم کسی Saint (ولی) سے ملی ہو تو میں بلا جھجک آپ کا نام لے دوں گی۔"

حکیم بیگم کو اب کنکر نہیں مل رہے تھے۔ اس کے ہاتھ محض چاولوں کو بکھیرنے اور سمیٹنے میں مصروف تھے۔ پرنیاں نے نظر اٹھائی تو ان دونوں کی آنکھیں ملیں۔ حکیم بیگم کی آنکھوں میں نمی تھی۔ گلوگیر آواز میں وہ بولی۔

"میری صفتاں کر کے میرے دل وچ تکبر نہ پیدا کر۔ میرے پلے کجھ وی نئیں۔ میرے اللہ دا کرم نہ ہووے تے میں پیر پیر تے منہ بھار ڈھے جاواں۔ سب اسی دی رضا ہے۔ بندے دی ڈور اس دے ہتھ وچ ہے۔"

(میری تعریفیں کر کے میرے دل میں تکبر نہ پیدا کر۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ میرے اللہ کا کرم نہ ہو تو میں قدم قدم پر منہ کے بل گروں۔ سب اس کی رضا ہے۔ بندے کی ڈور اس کے ہاتھ میں ہے۔)

پرنیاں اپنے کمرے سے سنہری غلاف میں لپٹی ہوئی ایک ضخیم کتاب لے کر آئی اور احتیاط سے اسے حکیم بیگم کے حوالے کیا۔

"میں آپ کو کوئی تحفہ دینا چاہتی تھی۔ میں نے بہت غور کیا اور اس سے بہتر کوئی تحفہ میرے ذہن میں نہیں آسکا۔ یہ قرآن میں نے آپ کے لیے منگوایا ہے۔"

حکیم بیگم نے قرآن کے غلاف کو بوسہ دے کر اسے سینے سے بھینچ لیا اور اٹھ کر پرنیاں کا ماتھا چوم لیا۔

"میں صدقے، میں واری تیری سیانف توں اللہ تیری اس نیکی دا اجر دے گا۔ تیری ہر مشکل، ہر اوکھیائی دور ہو گی۔ عمرے دور جان دا غم نہ کر۔ وہ آپ تیرے کول آئے گا۔ تیری دلجوئی کرے گا۔ تیرا اودر [illegible] گا۔"

(میں صدقے تیری اس سمجھ داری کے۔ میرا اس نیکی کا اللہ اجر دے گا۔ تیری ہر مشکل، پریشانی دور ہو گی۔ عمر کے دور جانے کے غم نہ کر۔ وہ خود تیرے پاس آئے گا۔ تیری دل جوئی کرے گا۔ تیرا اودر [illegible] گا۔)

پرنیاں کے ہونٹوں پر بجھی ہوئی راکھ جیسی مسکراہٹ آگئی۔ "شاید آجائے، شاید نہ آئے۔ وہ بھی تو تقدیر کا مارا ہوا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح میرے ساتھ گزارہ کر رہا تھا۔ وہ ضرور رہ لیتا اگر تقدیر اسے رہنے دیتی۔ جانے اس نے آپ کو مجھ سے متنفر ہونے کی وجہ بتائی یا نہیں۔ اسے میرے سامان میں غیر اخلاقی تصاویر والا ایک رسالہ ملا تھا۔ وہ اسے میرے کردار کی پستی کا ثبوت سمجھا ہو گا۔ دراصل اس رسالے میں اس کے باپ کی تصویریں تھیں۔ میں نے کچھ دوسری یادگاروں کے ساتھ اسے بھی سنبھال رکھا تھا۔ جب عمر روٹھ کر جا رہا تھا تو میرا دل چاہا کہ میں وضاحت کروں، اپنی صفائی پیش کروں۔ پھر یہ سوچ کر چپ ہو رہی کہ اس کا باپ اس کی نظر میں ذلیل ہو جائے گا۔ ماں پر تو اسے کبھی فخر تھا ہی نہیں، باپ بھی نظر سے گر جاتا تو اس کی تکلیف اور بڑھ جاتی۔ میرے بے عزت ہونے سے اس کی اذیت کم رہتی تھی تو میرا بے عزت ہونا ہی اچھا تھا۔"

حکیم بیگم کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

☆ ☆ ☆

سڑک کے کنارے، جہاں [illegible] سنبل کے سیدھے تنوں [illegible] آرا تھے، چنگ سے محو [illegible] کی چھتوں کی مانند سیڑھی [illegible] پھیلی تھی۔ سوکھے ہوئے پتے [illegible] ٹھنڈی ہوا کی ٹھوکر سے بکھری اور کئی [illegible] ہوا تھم کر بیٹھ رہی تھی۔ [illegible] کوئی جھونکا آتا اس پر پتے اور تنکے اچھال دیتا۔ وہ اپنے بالوں اور لباس میں لٹکنے والے ان تنکوں کو جھاڑتی نہیں تھی۔ اب یہ بھی خیال نہیں تھا کہ اس کی چادر شانوں سے پھسل کر نیچے گر چکی تھی اور چادر کا پلو سیڑھیاں اترتے چڑھتے لوگوں کے پیروں تلے روندا جا رہا تھا۔

اسی عالم میں چرچ کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے اسے کئی گھنٹے بیت گئے تھے۔ سروس شروع ہونے سے بہت پہلے وہ آکر وہاں بیٹھ گئی تھی۔ عبادت میں شریک ہونے کے لیے آنے والے لوگوں نے اسے دیکھا تھا۔ کسی نے ہمدردی سے، کسی نے لاتعلقی سے، [illegible] حیرت سے۔ لیکن وہ سب گزر گئے تھے۔ اس کے پاس رکے بغیر، منہ سے ایک بھی لفظ کہے بغیر۔

اب جب کہ سروس اختتام [illegible] ہو گئی اور لوگ گھروں کو لوٹنے لگے تھے، تب بھی وہ اسی کھوئی ہوئی کیفیت میں اسی جگہ [illegible]

وہ چہرے [illegible] کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی [illegible] ان میں سے بعض چہرے آسودہ تھے۔ بعض [illegible] اور بعض عبادت کی پاکیزگی سے دمکتے [illegible]۔ ان سب میں ایک خاصیت مشترک تھی۔ وہ [illegible] کی قربت سے سرفراز تھے۔ ان سب پر خدا کی [illegible] نگاہ تھی۔

ہر چہرے کو دیکھنے کے بعد اس کی یاسیت اور ملال میں کچھ اضافہ ہو جاتا۔ وہ ٹکٹکی باندھے ان عبادت گزاروں کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھتی رہی حتیٰ کہ سب چلے گئے۔ سنگ مرمر کی سیڑھیاں خالی رہ گئیں۔ ان کا لمس سرد تھا اور تواتر سے اس کے بدن میں اتر رہا تھا۔ دھوپ کے دھبے اب اس کے پیروں پر چڑھ رہے تھے۔ اچانک ایک ہاتھ کا دباؤ اسے اپنے شانے پر محسوس ہوا۔ اس نے گردن گھماتے ہوئے پہلو میں دیکھا تھا۔

سسٹر سوزین اس کے برابر زینے پر بیٹھ رہی تھی۔

"میں نے نو بجے کے قریب تمہیں یہاں دیکھا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ تم تب سے اسی جگہ بیٹھی ہوئی ہو اور عبادت میں شامل نہیں ہوئیں۔ کیا میرا شک درست ہے؟"

جھوٹ بولنے کی خواہش کے باوجود اس نے اقرار کر لیا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"ایسا کیوں پرنیاں! تم کیوں اس طرح راستے میں بیٹھی ہوئی ہو؟" سسٹر سوزین پریشان ہو گئی۔

"[illegible] راستہ تو نہیں ہے۔ کیا مجھے چرچ کی سیڑھیوں [illegible] بیٹھنے کا بھی حق نہیں ہے؟"

"[illegible] یہ پوچھ رہی ہوں کہ سیڑھیوں میں کیوں؟ اندر کیوں نہیں جاتیں تم؟"

سسٹر سوزین اس کے بالوں میں الجھے ہوئے پتے چننے لگی۔

"مجھے اندر جانے کا اذن نہیں۔ دہلیز پر بیٹھ جاؤں، غنیمت ہے۔" اس نے سنبل کے پیڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اپنے اندر جو چھپائے پھرتی ہو، اسے ظاہر کر دو۔ بوجھ اتار دو۔ تم تھک چکی ہو۔" وہ درختوں کے تنوں کو گھورتی رہی۔

"میں نے اپنی مرضی سے خدا کو چھوڑا تھا۔ اب وہ مجھے چھوڑ دے تو مجھے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

سسٹر سوزین نے اس کی چادر اٹھا کر جھاڑی اور اسے اوڑھاتے ہوئے بولی۔ "خدا ایسا نہیں کرتا۔ ایسا تو دنیا کرتی ہے۔ دھوپ کو دیکھو، وہ ہر شے پر اتر رہی ہے۔ بلاتخصیص سب کو نواز رہی ہے۔ کسی کو حرارت اور روشنی سے محروم نہیں کر رہی۔"

پرنیاں کی بے تاثر نظریں ہوا میں معلق تھیں۔

"دھوپ پیڑ پر اترتی ہے تو وہ پھول اور پھل دیتا ہے اور کسی پتھر پر سو برس دھوپ پڑتی ہے، وہ کیا دے گا۔ بے فیض، ناشکرا پڑا رہے گا جوں کا توں۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔"

سسٹر سوزین کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ چند ثانیے خاموش رہ کر وہ آہستہ سے بولی۔

"ہم دنیا کو تھامے رکھنے کی خاطر ہلکان ہو جاتے ہیں۔ دنیا چلی نہ جائے، دنیا چھوٹ نہ جائے۔ اس ڈر سے اتنی زور سے مٹھیاں دباتے ہیں کہ ہتھیلیاں لال ہو جاتی ہیں، کلائیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ اگر ہم مٹھیاں کھول کر دنیا کو جانے دیں تو کوئی قیامت نہیں ٹوٹے گی۔ صرف ہماری تکلیف کم ہو جائے گی۔ ہمیں اس بیگار

سے نجات مل جائے گی۔ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ تمہیں اس بارے میں سوچنے کو کہا ہے۔ آج پھر کہہ رہی ہوں سنجیدگی سے غور کرو۔ دنیا کو چھوڑ دو۔ خداوند کی مہربان پناہ میں آجاؤ۔"

پرنیاں کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ سسٹر سوزین اسے تشویش سے پر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"دنیا تو وہ چھوڑے جس کے پاس دنیا ہو۔ میں تو خالی ہاتھ ہوں۔ خدا اور دنیا' دونوں طرف سے کوری ہوں۔ آپ ایک مفلس سے دولت لٹانے کو کہہ رہی ہیں؟"

وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔

"پرنیاں! تمہاری حالت پر میرا دل کڑھتا ہے۔ تمہارے رنج کی کوئی حد ہی نہیں۔ تم کیوں خود کو برباد کر رہی ہو؟ اگر دنیا نے تمہاری قدر نہیں کی تو خدا کے پاس آجاؤ۔ تمہیں دروازہ کھلا ملے گا۔ کتنی ہی ان کو میں جانتی ہوں جو ہر رشتے سے مایوس ہو کر سکون ڈھونڈتی ہوئی آئیں اور آج وہ چین سے ہیں۔ ان کا اضطراب دور ہو چکا ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنا مسیحا ہاتھ ان کے غمگین دلوں پر رکھ دیا ہے۔"

پرنیاں کی ہنسی تھم گئی۔ اس نے سنگ مرمر کے قدمچے کو ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے ایک نظر سسٹر سوزین کو دیکھا۔

"ہم تب خدا سے رجوع کرتے ہیں' جب دنیا ہمیں رد کر چکی ہوتی ہے۔ تمام دروازوں سے دھتکارے جانے کے بعد ہم خدا کے در پر دستک دیتے ہیں۔ خدا ہمیشہ ہمارا سیکنڈ آپشن کیوں ہوتا ہے؟ ہماری اولین ترجیح ہمیشہ دنیا ہوتی ہے اور حیرت کی بات ہے کہ ہم اس پر ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہمیں لگتا ہے کہ ترتیب کے رد و بدل سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کتنی بڑی بھول ہے۔ ترتیب ہی تو اصل شے ہے۔ کون پہلے آتا ہے' کون بعد میں۔ کھیل کا یہ بنیادی اصول ہی نظر انداز کر دیا تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔ صرف بھگدڑ اور بدحواسی۔"

وہ اٹھ کر سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔ سسٹر سوزین چپ چاپ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

ٹیلی فون کے ریسیور سے پھوٹتی آواز نے اسے پتھر کا بنا دیا تھا۔ کیا کسی آواز میں اتنی طاقت ہو سکتی تھی کہ وہ اس کے بدن سے روح کھینچ لے۔ کم از کم اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا تھا۔

"پرنیاں! بولو۔ اب بول پڑو اور کتنا انتظار کرواؤ گی؟ تم نے کبھی پلٹ کر دیکھا ہوتا' ایک بار تو میرا حال پوچھ لیا ہوتا۔" وینس رونے لگی تھی۔

وہ اس کی ذہنی اختراع نہیں تھی۔ وہ حقیقت میں وینس کی آواز تھی۔ اس میں بڑھاپے کا ضعف آگیا تھا پھر بھی اسے شناخت کرنے میں پرنیاں کو مغالطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بے جان ہاتھ میں ریسیور تھامے بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس کے اندر سینکڑوں آوازیں شور مچا رہی تھیں لیکن انہیں لفظوں میں کیسے ڈھالنا تھا۔ پرنیاں کو یہ ہنر بھول گیا تھا۔ جیسے وہ ہمیشہ سے گونگی ہو۔ پھر وہ آوازیں اس کی آنکھوں کے راستے باہر آنے لگیں۔

پہلا آنسو گرتے ہی ان پر چھایا ہوا جمود ٹوٹ گیا۔ اس کا وجود کسی زلزلے کی زد میں آگیا۔ وہ دھاڑیں مار کر رو رہی تھی۔

"امی! میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں [illegible] کو دکھ دے سکتی ہوں [illegible] میں ایسی ہوں بھلا؟"

اس کا دل [illegible] رونے لگا تھا۔

"تم [illegible] اتنی دور تو [illegible] بھی نہیں [illegible] کی قبر پر تو جا سکتی ہوں۔ وہاں رو سکتی ہوں [illegible] نے تو کوئی نشان ہی نہیں چھوڑا۔ پرنیاں! تم نے [illegible] کے اندھا کر دیا۔"

"میں نے ابو کو نہیں مارا۔ ان میں تو میری جان تھی۔ میں انہیں کیسے مار سکتی ہوں۔ آپ بتائیں امی! کیا میں انہیں مار سکتی ہوں؟"

وہ بے خودی میں ریسیور کے ساتھ یوں گال رگڑ رہی تھی جیسے اس کا چہرہ وینس کے چہرے سے مس ہو رہا ہو۔

"میں نے غصے میں کہہ دیا اور تم نے پلو میں گرہ دے لی۔ میری بس ایک بات یاد رہ گئی تمہیں؟ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ 'پرنیاں! تم خدا کا تحفہ ہو۔' میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری ہنسی اور تمہارے آنسوؤں کے سوا دنیا میں کسی شے کی حقیقت نہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ تم میری آنکھوں کا نور ہو۔ ان میں سے کوئی بھی بات تمہیں یاد نہیں رہ گئی؟ تم مجھ سے کیوں چھپ گئیں؟ کیوں اوجھل ہو گئیں؟"

وینس کا سانس [illegible] جیسے وہ دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔

"میں [illegible] آپ کو اپنی شکل کیسے دکھاتی؟ کیسے آپ کا سامنا کرتی؟ [illegible] بڑی خطا ہو گئی۔ میں کیا کرتی امی؟"

"خطا تو میں نے معاف کی لیکن یہ غلطی میں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ تم نے مجھ پر اتنا بڑا ظلم کیا۔ رات کے اندھیرے میں چھپ کر گھر سے چلی گئیں اور پھر کبھی میری خبر نہیں لی۔ جب میں نے آخری بار تمہیں دیکھا تو تم بیس سال کی تھیں۔ آج اکتالیس سال کی ہو۔ تم نے کبھی سوچا کہ درمیان کے اکیس سال میں نے کیسے گزارے ہوں گے۔ تم نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا تاکہ میں رو رو کر ختم ہو جاؤں۔ اگر میں تمہیں تلاش نہ کر لیتی تو تم کبھی میرے پاس نہ آتیں۔ کیسی بیٹی تھی نا تمہاری۔"

"نہیں امی! میں آپ سے دور رہ کر کتنی تکلیف میں رہی کیسے سمجھاؤں۔ مجھ پر جو گزر گئی۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ نہیں امی! میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتی تھی لیکن ہو گیا۔ سب غلط ہو گیا۔"

وہ اور بھی شدت سے رونے لگی تھی۔ وینس کی ہچکیوں کی آواز اس کے کانوں میں آرہی تھی۔ پھر ریسیور کسی اور کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔

"کیسی ہو پرنیاں؟ میں داؤد بات کر رہا ہوں۔"

وضاحت بھی دیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ وہ کون تھا۔
"میں کیسی ہو سکتی ہوں۔"
"یہ پوچھو کہ تم مجھ تک کیسے پہنچے۔"
بھیگی آواز میں کہے گئے اس سوال پر اسے خیال آیا کہ یہ بات اب تک اس کے ذہن میں کیوں نہیں آئی تھی۔ شکر یہ بھی تھا کہ وہ کچھ سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔
"تم خود ہی بتا دو۔" اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"یہ عمر کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔"
اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ داؤد عمر کو کیسے جانتا تھا۔
"ایک خط جو تم نے لکھ کر پوسٹ نہیں کیا" وہ اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔" داؤد اسے تفصیل بتانے لگا۔
اس نے عمر سے کبھی یہ امید نہیں کی تھی کہ وہ اس کی خاطر اتنا تردد کرے گا۔ اس نے الجھے ہوئے دھاگے کا ایک سرا پکڑ کر کھینچا تھا۔ اور الجھنیں سلجھ گئی تھیں۔ اس کے دل نے عمر کا احسان تسلیم کیا۔ وہ اپنی ماں سے بہتر تھا۔ وہ اپنی ذات سے آگے دیکھنے کی ہمت رکھتا تھا۔
وہ دیر تک ویئس اور داؤد سے باتیں کرتی رہی۔ وہ اکیس سال کی کہانی کو ایک فون کال میں بیان کرنا چاہتے تھے۔ داؤد کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ چچا اور چاچی دونوں اب اس دنیا میں نہیں تھے۔ گونی کے سر کے تمام بال سفید ہو گئے تھے۔ ویئس نے اسے گونی کی بے معنی آوازیں بھی سنوائیں۔ پھر داؤد بولا۔
"جب ہم دونوں کی شادی طے کی جا رہی تھی تب تم نے مجھ سے مدد مانگی تھی اور میں نے جواب میں جو کیا۔۔۔ سچ مانو تو اس میں میرا اتنا بھی قصور نہیں تھا۔ میں ایک رومان پسند، جوشیلا نوجوان ہی تو تھا۔ لیکن میں آج بھی اپنے رویے پر نادم ہوں۔ میں اس کا [illegible] چاہتا ہوں۔ جو سال ہاتھ سے پھسل گئے [illegible] واپس نہیں لا سکتا۔ البتہ میں کچھ ایسا [illegible] کہ تمہارے دل پر بنے ہوئے سوالیہ نشان [illegible] جائیں۔
میں تمہیں ایڈم گرانٹ سے ملواؤں گا۔"
ان کے بیچ خاموشی کا ایک طویل وقفہ حائل ہو گیا۔ دوسرے سرے پر داؤد کو اس کے تنفس کی مدھم سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ وہ نام سن کر اس کا گم صم ہو جانا کچھ ایسا خلاف توقع بھی نہیں تھا۔ بالآخر پرنیاں کے حلق سے پھنسی ہوئی سی آواز برآمد ہوئی۔
"میں اس سے مل کر کیا کروں گی؟ کوئی اور بات کرو داؤد!"
"وہ بیمار ہے، سچ تو یہ ہے کہ وہ مر رہا ہے۔ تمہیں آخری بار اس سے ضرور ملنا چاہیے۔"
"روزانہ لاکھوں لوگ مرتے ہیں۔ یہی قانون قدرت ہے۔ کسی کے مر جانے سے کیا ہوتا ہے۔ نہ زمین پھٹتی ہے نہ آسمان گرتا ہے۔"
"اس کی حالت افسوس ناک ہے۔"
"مجھ سے زیادہ افسوس ناک نہیں ہو گی۔"
"اسے ایڈز ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتیں، وہ کس اذیت سے دوچار ہے۔"
"داؤد! تم۔۔۔" وہ اٹک گئی۔ "پہلی بار کسی ایڈز پیشنٹ سے واسطہ پڑا ہے؟ کیا سارے ڈاکٹر تمہاری طرح جذباتی ہوتے ہیں؟ خیر جانے دو۔ تمہاری زندگی میں کیا چل رہا ہے؟"
"پرنیاں! میں تمہیں امریکہ بلوا رہا ہوں۔ [illegible] کچھ پیپرز تمہیں میل کرتا ہوں۔ [illegible] بھاگ دوڑ شروع کرتا ہوں۔ [illegible] دعا ہے کہ گرانٹ کے مرنے سے پہلے [illegible] جاؤ۔"
وہ ساری [illegible] اور وہ اٹھ اٹھ کر آسمان پر [illegible] رہی۔ [illegible] سرمئی پروں والے [illegible] آسمان تاریکی کا ایک ایک دانہ چنتا [illegible] سیاہ دانوں کا انبار لگا تھا اور کبوتر کی چونچ میں ایک [illegible] دانہ آتا تھا۔ اس انبار کا حجم گھٹنے میں ہی نہ آتا تھا۔ صبح کے انتظار سے عاجز آ کر وہ صحن میں ٹہلنے لگی۔
"میں جاؤں گی۔" وہ بڑبڑائی۔
"مجھے جانا ہی چاہیے۔ ایک بار تو اسے ویسے ہی ٹھوکر ماروں جیسے اس نے مجھے ماری تھی۔ ایک بار تو اسے اپنے مقابلے میں بے بس دیکھوں۔ ایک بار تو اس کی لاچاری پر قہقہہ لگا کر ہنسوں۔ اس کا ویسا ہی تماشا بناؤں جیسا اس نے مجھے دنیا کے سامنے بنایا تھا۔ اسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے دیکھنا کیسا تجربہ ہو گا؟ اسے آخری چوٹ میرے ہاتھوں ہی لگنی چاہیے۔ کہیں اس سے پہلے وہ مر نہ جائے۔ میں نے اسے ہر روپ میں دیکھا ہے۔ لیکن کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ کسی فلم میں بھی نہیں۔ اسے روتے ہوئے [illegible] ضروری ہے۔ میں نے اس بارے [illegible] کیوں نہیں؟"
وہ چلتے چلتے تھک کر ہانپتی [illegible] بیٹھ گئی۔

اس نے [illegible] میں قدم رکھا گرانٹ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں جھلملاہٹ تھی۔
"[illegible] ٹھیک ہو۔ میں تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ میں [illegible] کہ تم دوبارہ نہ آئے تو کیا ہو گا۔"
اس کا یا پلٹ نے عمر کو حیران کر دیا۔ "آپ ٹھیک ہیں؟ کل آپ کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔" اس نے بیڈ کے قریب رکھے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے محتاط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔
"میں ساری رات تمہارا نام پکارتا رہا۔ مجھے چیزیں بھول جاتی ہیں۔ اس لیے میں بار بار تمہارا نام لیتا رہا تاکہ مجھے بھولے نہیں۔ بڑا ہی خوب صورت نام ہے تمہارا۔ یہ اس نے رکھا ہے؟"
اس کی مراد یقیناً "پرنیاں" سے تھی۔
عمر خاموشی سے اس کی بدلی ہوئی کیفیت پر غور کرتا رہا۔
"اس نے تمہیں مجھ سے ملنے کو کہا ہے؟ کیا تم اسے ہماری ملاقات کے بارے میں بتا چکے ہو؟" امید اور اندیشوں میں گندھا لہجہ۔
جواب دینے سے قبل عمر چند لمحے سوچتا رہا۔
"نہیں۔ میں نے انہیں نہیں بتایا۔ آپ کہیں گے تو میں۔"
"نہیں۔" اس نے جلد [illegible] لیا۔ "اچھا ہے، اچھا ہے، اس [illegible] اچھا ہے۔ اس کی نفرت سننے کی [illegible] مجھ میں۔"
[illegible] قوت الفاظ کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ [illegible] بجھ گئی تھیں۔
"اچھا تو تم مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟" اس کا [illegible] اجنبیت والا اور انداز اپنائیت بھرا تھا۔
کچھ دیر عمر سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ "میں آپ کی کہانی سننے آیا ہوں۔ آپ کی زندگی کہاں سے شروع ہوئی۔ میسا چوسٹس میں آپ کا بچپن کیسا گزرا؟ آپ کے ماں باپ کون تھے؟ جو بھی آپ سنانا چاہیں۔"
اس کی بات نے گرانٹ پر رقت انگیز اثر ڈالا تھا۔ "ہاں ضرور۔ کیوں نہیں اس سے پہلے کیا تم مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو گے۔"
عمر نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے دیا۔ ایک بڑا سا گھونٹ لے کر اس نے گلاس لوٹا دیا اور بولا۔
"میرا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں آ رہی۔ کاش میرے پاس اس کی کوئی تصویر ہوتی تو میں تمہیں دکھا سکتا۔ اس کا نام ابراہیم تھا۔ اس نے میرا نام احمد ابراہیم رکھا تھا۔ کتنا اچھا نام ہے؟"
اس نے عمر سے تائید چاہی۔
"پتا نہیں کیوں میں نے اسے بدل کر نیا نام اپنا لیا۔ میرا موجودہ نام یعنی ایڈم گرانٹ، یہ میں نے کسی مشہور فلمی اداکار سے متاثر ہو کر رکھا تھا۔ اب مجھے بالکل یاد نہیں کہ اس اداکار کا نام کیا تھا۔ بہرحال اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے نام میں گرانٹ آتا تھا۔۔۔۔۔ ہاں تو میں تمہیں اپنے باپ کے متعلق بتا رہا تھا اس کی موت بہت ہی اذیت ناک طریقے سے ہوئی تھی۔ لیکن وہ مرا کیسے تھا؟ مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا ہے۔" وہ جھنجھلا کر اپنے سر پر ہاتھ مارنے لگا۔
"مونا اسٹوکر ایک نن تھی۔ وہ مجھے پسند کرتی تھی حالانکہ میں اس سے چھوٹا تھا۔ میری عمر پندرہ سال

کے قریب تھی۔ لیکن تصویب... میں نے درست نہیں بتایا۔ وہ نن نہیں تھی البتہ اسے نن بننے کی تمنا تھی۔ مجھے اختلاف تھا۔ مجھے یہ پسند نہیں تھا کہ وہ رہبانیت اختیار کرے۔ پھر میں نے اس کا رستہ روک دیا۔ اسے خدا سے دور کر دیا۔ مگر میں نے ہمیشہ خدا کے قریب ہونے کی کوشش کی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس کی ناراضی سے بچنا چاہا ہے۔ میں جب جوائنٹ (جیل) میں تھا تو ساری نمازیں باقاعدگی سے پڑھتا تھا۔ دعا مانگا کرتا تھا۔ وہاں یہ سب کرنا آسان نہیں تھا۔ کچھ قیدی میرا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ مجھے مذہبی جنونی کہا کرتے تھے۔ میں پروا نہیں کرتا تھا۔ خدا پھر بھی مجھ سے راضی نہیں ہوا۔"

وہ ناخن چباتے ہوئے دیوار کو گھورنے لگا۔

اس کے خیالات غیر مربوط تھے۔ وہ کہیں کا ٹکڑا اٹھا کر کہیں جوڑ دیتا تھا۔ اس کی الجھی ہوئی سوچوں سے جو نقش تشکیل پا رہے تھے وہ بے ڈھب اور مہمل تھے۔

عمر نے اسے ٹوکا نہیں۔ وہ چہرے پر اشتیاق اور آنکھوں میں تجسس بھرے اس کی لایعنی باتیں سنتا رہا اور اس دوران اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتا رہا۔ جیسے اس کی گردن تلے تکیے کی سلوٹوں کو نکالنا، اسے سوپ پلانا اور بستر پر اس کے سوجے ہوئے پیروں کی جگہ تبدیل کرنا۔

جب اس نے جانے کی اجازت طلب کی تو گرانٹ پوچھنے لگا۔ "تم کون ہو؟"

عمر نے چونک کر اسے بغور دیکھا۔ کیا وہ اتنی جلدی بھول گیا تھا؟

"ڈاکٹر داؤد نے آپ کو بتایا تو تھا کہ میں کون ہوں۔"

"ہاں! اس نے بے شک بتایا تھا مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

جواب دیتے ہوئے عمر کی آواز بھری تھی۔ "میں آپ کا... بیٹا ہوں۔"

"شکریہ۔ میں بیان نہیں [illegible] یہ بات کتنی خوش کن ہے۔" اس [illegible] کا اظہار کیا جیسے عمر نے اس پر کوئی عظیم احسان کیا ہو۔

"کیا میں تمہیں بیٹا کہہ سکتا ہوں؟"

"اگر آپ چاہیں تو... میں اعتراض نہیں کروں گا۔" عمر نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

گرانٹ نے اطمینان بھری سانس لی۔ "کل کتنے بجے آؤ گے؟"

"میں کوشش کروں گا۔"

"نہیں عمیاست کہو۔ میں نے تو ابھی سے تمہارا انتظار شروع کر دیا ہے۔ مجھے مایوس نہ کرنا۔"

اگلی شام اسے ایک اسائنمنٹ تیار کرنا تھی جس کی وجہ سے وہ ہسپتال نہیں جا سکا۔ مزید دو دن پڑھائی کی مصروفیت نے اسے سر اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ وہ چاہ کر بھی گرانٹ سے ملنے کا وقت نہ نکال پایا۔ چوتھے دن جب وہ ہسپتال پہنچا تو اسے گرانٹ کا قہر جھیلنا پڑا۔

"تم اب بھی کیوں آئے ہو؟ میرے مرنے تک رک کیوں نہیں گئے؟ تم مجھ سے اپنی ماں کا بدلہ لے رہے ہو۔ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ میری بے بسی سے تم حظ اٹھاتے ہو۔"

وہ چیخ چیخ کر ادھ موا ہو گیا تھا۔

اس دن کے بعد عمر باقاعدہ ہسپتال آنے لگا۔ [illegible] جتنا بھی فارغ وقت میسر ہوتا وہ گرانٹ [illegible] گزار دیتا۔ عموماً اس کی آمد گرانٹ [illegible] خوشگوار اثرات مرتب کرتی تھی تاہم [illegible] سے منکر ہو جاتا۔

"داؤد فراڈ [illegible] ہسپتال [illegible] ہوائی تفریح لگا رہیں۔ جس [illegible] منہ اٹھا کر دوڑا چلا آتا ہے۔ تم [illegible] اجنبیوں کو کیوں آنے دیتے ہو؟ یہ کون آیا ہے؟ اسے جلدی بھگاؤ۔ میرے کمرے سے باہر نکال دو۔"

وہ [illegible] مچا دیتا۔ عمر بددل ہو کر لوٹ جاتا اور خود کو سمجھا بجھا کر اگلی شام پھر آ جاتا۔

ایک رات وہ گرانٹ کے کمرے سے متصل باتھ روم میں واش بیسن پر ہاتھ دھو رہا تھا کہ ادھ کھلے دروازے سے کسی لڑکی کی آواز اس کی سماعت سے

ٹکرائی۔ وہ ایک مانوس آواز تھی۔ وہ ہسپتال کے عملے کے ان افراد میں سے کسی کی آواز نہیں تھی جن سے اب عمر بخوبی واقف ہو چکا تھا اور اس کے کانوں میں اترنے والے الفاظ نے شبے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ وہ اسٹاف میں سے نہیں تھی۔

"تم ابھی تک زندہ ہو گرانٹ! یہ جان کر مجھے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ تم بھی اتنے ہی خوش ہوئے جب میں تمہیں اپنے آنے کا مقصد بتاؤں [illegible] ڈاکٹر نے مجھے یقین دہانی کروا [illegible] کان بالکل ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ تمہاری [illegible] صلاحیت ہی میرے لیے [illegible] لیکن اگر تم آنکھیں کھول [illegible] ملاقات کا لطف دوگنا ہو جائے [illegible] تک یہ ہی نہیں [illegible] کہ آنکھیں [illegible] سے بند نہیں ہوتیں۔"

[illegible] اور اس انداز میں گرانٹ سے [illegible] مخاطب تھی؟ عمر نے نل بند کیا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

"جس جہنم سے تم ساری زندگی مجھے ڈراتے رہے، اب خود وہاں جا رہے ہو تو کیسا لگ رہا ہے۔" وہ رک گیا۔ آنے والی یقیناً گرانٹ کو تما خیال کر کے اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔ وہ کشمکش میں گرفتار دروازے کی اوٹ میں ٹھہر گیا۔

"تم اس بات سے خوف کھاتے رہے کہ کہیں میں Prostitute نہ بن جاؤں۔ میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں۔ تمہاری پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ہو گئی ہے۔ میرے گندے خون نے مجھے کچھ اور بننے ہی نہیں دیا۔ آج میں اس کام کی ابتدا کرنے جا رہی ہوں اور آئندہ تمام زندگی میں اسی پیشے سے وابستہ رہنے کا مصمم ارادہ رکھتی ہوں۔ آج پہلا دن ہے تو میں نے سوچا سب سے پہلے اس خوش خبری پر کس کا حق ہے۔"

عمر نے کمرے میں جانے کا خیال ترک کر دیا۔ وہ جس نوع کی باتیں کر رہی تھی اگر اسے علم ہو جاتا کہ گرانٹ کے سوا کوئی اور بھی اس کا سامع تھا تو اس کی خجالت کی کوئی حد نہ ہوتی۔ عمر سامنے آ کر اسے شرمسار

نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی گفتگو نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"[illegible] جز وقتی ملازمت بھی کر رہی ہوں۔ اسی [illegible] تم نے مجھے کام کرنے سے منع کیا [illegible] وہاں کا پاک ماحول پسند نہیں تھا۔ میں نے [illegible] اپنی شفٹ کی تمام ویٹرسز سے زیادہ ٹپ ملتی کی بتا ہے کیوں؟ دراصل میں مرد گاہکوں کو بے تکلف ہونے سے کبھی نہیں روکتی۔ میرا ذرا سا التفات ان کی جیبوں کو مجھ پر کشادہ کر دیتا ہے۔ تصور کرو کہ جب میں کھل کر میدان میں اتروں گی تو کیسا طوفان اٹھاؤں گی۔ میری کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔"

گرانٹ اب تک کچھ نہ بولا تھا۔ شاید صدمے نے اس کے ہونٹوں پر قفل لگا دیے تھے۔ عمر کو کسی حد تک اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ کون تھی۔ اس نے ایک قدم آگے آتے ہوئے احتیاط سے کمرے میں جھانکا۔ وہ سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی ایک دراز قد لڑکی تھی۔

اس نے سرخ اور سفید لباس پہنا ہوا تھا اور اسی مناسبت سے گہرا میک اپ کر رکھا تھا۔ وہ گرانٹ پر نظریں مرتکز کیے زہر اگل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔ وہ بے حد پرکشش تھی۔ اس کے حسین ہونے کے بارے میں دو آرا نہیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن یہ عمر کے ششدر رہنے کا باعث نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی معصومیت تھی کہ اگر وہ خود اسے بولتے ہوئے نہ سن لیتا تو کبھی اعتبار نہ کرتا کہ وہ الفاظ اس کی زبان سے برآمد ہوئے تھے۔ وہ گویا لکھے ہوئے مکالمے کسی اناڑی اداکارہ کی طرح غلط تاثرات کے ساتھ ادا کر رہی تھی۔ وہ اتنا ہی حیران ہوا جتنا کوئی خرگوش کو غراتے دیکھ کر ہو سکتا ہے۔ پلکیں جھپکائے بنا وہ اس عجیب امتزاج کو دیکھتا رہا۔

"کچھ مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے میں نے اب تک خود کو روکے رکھا۔ میری واہیات ماں اپنا اپارٹمنٹ تمہارے نام کر گئی۔ تم نے اس چیز کو میری کمزوری بنائے رکھا۔ میں تمہاری منشا کے خلاف چلتی تو تم مجھے بے دخل کر دیتے۔ اب یہ خطرہ ٹل چکا ہے۔ میں نے تمہارے اٹارنی سے مل کر اطمینان کر لیا ہے۔ وہ بھی تو مرے ہے۔" میری مسکراہٹ کا جواب بے رخی سے دینا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ تمہاری وصیت کے مطابق تمہاری موت کے بعد جو جلد ہی متوقع ہے' وہ اپارٹمنٹ مجھے مل جائے گا اور بالفرض محال اگر مرنے سے قبل تمہیں موقع مل جاتا ہے اور تم وصیت میں تبدیلی کر دیتے ہو تو تمہاری موجودہ دماغی حالت کو کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ میری طنابیں تمہارے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہیں۔ مجھے جانے کی اس قدر جلدی نہ ہوتی تو میں دیر تک تمہاری تکلیف کا تماشا دیکھتی۔ تم بتا نہیں سکتے کہ تم کیا محسوس کر رہے ہو۔"

گرانٹ کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

"میں وہ سب کرنے جا رہی ہوں جس سے مجھے روکتے روکتے تم پاگل پن کی سرحد پر آ پہنچے ہو۔" عمر کو وہ لڑکی پاگل لگ رہی تھی۔ "اگر تم جینا چاہتے ہو تو یہ سب کرنے کا ارادہ رکھتی تھی تو اس کے پاگل ہونے میں کیا شک تھا۔

"میں سڑکوں پر آوارہ گھوموں گی۔ گناہ میرا اوڑھنا بچھونا ہو گا۔ میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتی۔ تمہیں تخیل سے کام لینا زیادہ اچھا لگے گا۔"

وہ جانے کے لیے مڑی۔ پھر دروازے کے پاس ٹھہر گئی۔ "مجھے ترس آ رہا ہے گرانٹ! تمہیں اتنا تو بتانا چاہیے کہ آج مجھے کون روکے گا۔ تمہارا خدا۔ خیر یہ معاملہ تم خدا کے ساتھ طے کر لو۔"

عمر کا سانس سینے میں اٹکنے لگا تھا۔ اس لڑکی کے باہر نکلتے ہی وہ عجلت سے گرانٹ کے سرہانے پہنچا اور اسے پکارنے لگا تھا کہ آواز حلق میں دب گئی۔

وہ سو رہا تھا! صوفیہ مارسیلو بچپن سے اس کی مصاحبت میں رہی تھی۔ کیا وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ نیند میں اکثر گرانٹ کی آنکھیں نیم وا رہتی تھیں۔

اسے یقین تھا' وہ صوفیہ مارسیلو ہی تھی۔ داؤد اور گرانٹ کی زبانی وہ اس کے متعلق اتنا کچھ سن چکا تھا کہ اسے پہچان لیتا وہ جمع دو چار کرنے سے بڑھ کر سہل تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک نظر گرانٹ کے خوابیدہ چہرے کو دیکھا اور دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ کاریڈور سنسان پڑا تھا۔ صوفیہ جا چکی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا' وہ ایمرجنسی بلاک کی طرف رخ کرے گی۔ وہ بھاگا۔ کاریڈور کے موڑ تک پہنچتے پہنچتے وہ ہانپنے لگا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

انیقہ سلیم



"اتنی لوڈشیڈنگ کے بعد بھی اس کا بجلی کا بل کہاں سے بھریں گے تمہارے ابا... سن رہے ہو میری بات؟" رخشندہ نے بیٹے سے کہا جو موبائل میں مصروف تھا۔

"بجلی کٹوا دیں۔" شہباز نے پل بھر کو نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ پھر اس کی نظریں اسکرین پر دوڑنے لگیں۔

"سوچ تو اب میں بھی یہی رہی ہوں مگر بجلی کے بغیر گزارا کر لو گے تم؟" شہباز کے اس بیان پر وہ حیران ہوئی تھیں۔

"اب بھی تو بجلی کے بغیر ہی آدھا دن اور آدھی رات گزرتی ہی ہے۔" وہ کوئی آنے والا میسج پڑھ کر مسکرایا تھا۔

"پانی بذریعہ ڈول نکالنا پڑے گا۔ ٹینک سے نکال لو گے؟"

"یہ تو بڑا ہی رسکی آئٹم ہو گا۔" وہ اب جوابی میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

"ٹھنڈا پانی نہیں مل سکے گا پینے کو۔"

"اب کون سا مل جاتا ہے۔ ہر وقت تو لائٹ جاتی رہتی ہے' ہم مٹکا رکھ لیں گے گھر میں۔" شہباز نے ایک ہاتھ سے چٹکی بجاتے مسئلہ حل کر دیا تھا۔ ایک ہاتھ بدستور موبائل پر تھا۔

"پنکھا بھی نہیں چلے گا' سوچ لو۔" رخشندہ تو شاید سب ہی کچھ سوچے بیٹھی تھی۔

"چھت ہے نا۔ اور یہ بھی۔" اس نے برق رفتاری سے جواب ٹائپ کرتے ہوئے سامنے رکھا اخبار اٹھایا اور رخشندہ کو جھلا۔

"گوشت' مرغی' مچھلی کچھ بھی اسٹور نہیں ہو سکے گی۔"

"جب ضرورت ہو گی' میں لادوں گا۔" اس کا انگوٹھا تیزی سے کی پیڈ پر چل رہا تھا۔

"اور سبزیاں؟"

"وہ آپ روز کے روز ٹھیلے والے سے لے لیجیے گا۔" ٹوں ٹوں' ایک اور میسج آیا تھا۔

"یہ ایک فریج' یہ جوسر' یہ ٹوسٹر' یہ الیکٹرک کیٹل' سینڈوچ میکر۔" رخشندہ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے بے کار ہو جانے والی اشیاء کے نام گنوا رہی تھیں۔

"او ای۔ زندگی جتنی سادہ ہو گی' اتنی ہی

بے سکون ہے۔ اور لگتا ہے چند سال بعد سب ہی کو بجلی کے بغیر رہنا پڑے گا۔ وہ اندیشہ تو یہ ہے کہ ہم ابھی سے بجلی کے بغیر رہنا سیکھ لیں۔"

میسج بھی ساتھ ساتھ ٹائپ ہوتا گیا تھا۔

"تمہاری پڑھائی کا حرج تو نہیں ہوگا؟" رخشندہ کو اس کی پڑھائی کی بہت فکر تھی۔

"میں دن میں پڑھ لوں گی۔" اس کی نظریں موبائل کا لکھا پڑھ رہی تھیں۔

"ڈور بیل بھی نہیں بج سکے گی۔"

"اب بھی تو لائٹ جانے پر دھڑ دھڑانا ہی پڑتا ہے دروازہ۔" موبائل اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس نے دروازے کو دیکھا۔

"ٹھیک بن سکے گا نہ مسالے پس سکیں گے۔"

رخشندہ اسے مزید آگاہی دے رہی تھی۔

"جب بل داخل نہ کروانا پڑے گا تو پانچ ہزار چھ سو بچ جائیں گے ہمارے تو ٹھیک ہم باہر سے پی لیں گے اور مسالے پیکٹ کے آجائیں گے۔" شہباز اب اپنا ان بکس چیک کر رہا تھا۔

"کپڑے تو چلو ہاتھ سے دھل جائیں گے استری کا مسئلہ ہوگا۔"

"میں تو جینز پہنتا ہی اس لیے ہوں کہ استری نہ کرنا پڑے۔ آپ بھی دادی اماں کی طرح کپڑے تہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ لیجیے گا۔ ہاں ابو کے کپڑے ڈرائی کلین کروالیں گے۔ پیسے تو ہوں گے نا۔ بل نہ دینے کی وجہ سے۔"

آخری جملہ اس نے ذرا رخشندہ کی جانب جھک کر اسٹائل سے کہا تھا۔

"کوئی ہمارے گھر رات ٹھہرنے کے لیے نہیں آئے گا۔"

"اچھا ہے نا۔ رات جو پہلے ہی کالی ہوتی ہے اور کالی کیوں ہو۔" موبائل اب اس نے سامنے رکھ دیا تھا۔

"یہ مائیکرو ویو۔ سوچ لو۔ ختم ہو [illegible] چولہے۔" گھر میں وہ ہی سب سے زیادہ مائیکرو ویو

استعمال کرتا تھا اس لیے رخشندہ نے خاص طور سے اس سے پوچھا تھا۔

"ان الیکٹرونک مشینوں کی وجہ سے ہی تو کینسر اور ہیپاٹائٹس پھیل رہا ہے۔ پتا نہیں کیسی کیسی خطرناک شعاعیں کھانوں میں شامل ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے۔" بات کر کے اس نے موبائل اٹھالیا۔ ایک اور میسج آگیا تھا۔

"ٹی وی نہیں چلے گا بجلی نہیں ہوگی تو۔"

"موبائل میں آجاتا ہے اب سب کچھ۔" وہ موبائل ہی میں دیکھ رہا تھا۔

"اور نیٹ؟" رخشندہ نے پوچھا۔

"سب ہی کچھ ہے اس میں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو تھپتھپایا۔

"یعنی تمہیں کوئی اعتراض نہیں صبر سے رہ لو گے نا۔" رخشندہ نے ایک بار پھر اس سے پوچھا تھا۔

"کیوں نہیں۔" ٹی ٹی ٹوں۔ موبائل سے آواز آئی۔ اس کی چارجنگ ختم ہو گئی تھی۔

"ذرا چارجر اٹھایئے گا۔ لائٹ نہ چلی جائے۔" شہباز فکر مندی سے بولا۔

"بجلی نہیں ہوگی تو تمہارا موبائل بھی چارج نہیں ہو سکے گا۔" رخشندہ نے چارجر اس کی سمت [illegible]

"پلیز۔ امی۔ بجلی مت کٹوایئے [illegible] بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔" شہباز نے [illegible] ایک پل بھی نہیں لگا تھا۔

"[illegible] ہوتی ہے۔ میری پڑھائی ہی رات [illegible] شروع ہوتی ہے [illegible] ہو جاؤں گا [illegible] ہوگی تو۔ گوشت، مرغی، مچھلی [illegible] پہچان ہے۔ ابو ہی لاتے ہیں ہفتے [illegible] آپ کی اتنی قیمتی الیکٹرونک مشینری۔ استعمال [illegible] نہیں رہے گی تو ناکارہ ہو جائے گی۔ آپ ہاتھ سے کپڑے دھونے لگیں گی تو بیمار پڑ جائیں گی امی۔ پانچ ہزار چھ سو بچانے کے چکر میں چھ ہزار پانچ سو اور نہ لگ جائیں۔ پلیز امی! بجلی مت کٹوایئے گا۔"



سیلاب

پانی پانی کے اک شور میں کتنی چیخیں ڈوب گئیں
پہلے کچھ آوازیں ابھریں، آخر سانسیں ڈوب گئیں

کون سدھائے بپھرا پانی، کون [illegible] بستی کو
دریاؤں پہ [illegible] والی بانہیں ڈوب گئیں

پانی کا [illegible] گر شہ رگ تک آ پہنچا تھا
بچے جس پر بیٹھے تھے اُس پیڑ کی شاخیں ڈوب گئیں

بستی میں کہرام مچا تھا، آدم روزی مانگے تھا
رازق رازق کہتے کہتے سب کی نبضیں ڈوب گئیں

پتھر کوٹنے والے ہاتھوں میں بچوں کے لاشے تھے
شہر کو جانے والی ساری کچی سڑکیں ڈوب گئیں

نیّر جگ کی اونچ نیچ نے پانی کا رُخ موڑ دیا
تیری مل تو وہیں کھڑی ہے میری فصلیں ڈوب گئیں

شہزاد نیّر

یہ جو پھیلا ہوا زمانہ ہے
اُس کا رقبہ غریب خانہ ہے

کوئی منظر سدا نہیں رہتا
ہر تعلق مسافرانہ ہے

دیس پردیس کیا پرندوں کا
آب و دانہ ہی آشیانہ ہے

عشق کی عمر کم ہی ہوتی ہے
باقی جو کچھ ہے دوستانہ ہے

ندا فاضلی

سُنا ہے
جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے
سُنا ہے
شیر کا جب پیٹ بھر جائے تو وہ
حملہ نہیں کرتا
سُنا ہے ہوا کے تیز جھونکوں میں
مینا اپنے گھر کو بھول کر
کوتے کے انڈوں کو پیروں میں
تھام لیتی ہے
سُنا ہے گھونسلے سے جب کوئی بچہ گرے تو
سارا جنگل جاگ جاتا ہے
سُنا ہے سیلاب آجائے تو لکڑی کے تختے پر
سانپ چیتا اور بکری ساتھ ہوتے ہیں
منصفو! میرے ملک میں بھی
اب جنگلوں کا ہی کوئی دستور لے آؤ
آج کل جو خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے
وہ ختم کرو
جنگل کا دستور لے آؤ

زہرہ نگاہ

کانچ کو خالص ہیرا سمجھے ساری بھول ہماری تھی
اک صحرا کو دریا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی

اک سرمستی کی خواہش میں موت سے ہم آغوش ہوئے
ہم زہر آب کو صہبا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی

چارہ گر جانا قاتل کو، راہبر مانا رہزن کو
اک جھوٹے کو سچا سمجھا، ساری بھول ہماری تھی

طفل تسلی دینے والا، جھوٹے وعدے کرنے والا
اُس کو قول کا پکا سمجھے، ساری بھول ہماری تھی

کتنی خوش فہمی تھی ہم کو اُن کی [illegible]
وہ کیا بولے ہم [illegible] سمجھے، ساری بھول ہماری تھی

اور [illegible] کے محل جانے والے
خود [illegible] سمجھے ساری بھول ہماری تھی

ظہور احمد فاتح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا ابو امامہ (یعنی حارثی) سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
جو شخص مسلمان کا حق [illegible] کرے اللہ تعالیٰ نے
اس کے لیے جہنم کو واجب [illegible] اس پر جنت کو
حرام کر دیا [illegible]
ایک [illegible] یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
اگر وہ [illegible] چیز ہو [illegible]
[illegible] اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگرچہ پیلو کی
ایک [illegible] ہو"

(صحیح مسلم)

اچھی باتیں،

- جب کبھی تم کو اپنے رزق میں کمی نظر آنے لگے تو کچھ مال اللہ کی راہ میں دے کر "اللہ" کے ساتھ تجارت کر لیا کرو۔ (حضرت عمرؓ)
- لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام اس طرح بنا لو کہ مر جاؤ تو تمہارے لیے دعا کریں اور زندہ ہو تو تم سے ملنا پسند کریں۔ (حضرت علیؓ)
- ہر بلا و مصیبت کے پس منظر میں رحمت و نصیحت ہے۔ (حضرت امام حسینؓ)

صبا فضل بٹ۔ مدینۃ الخورد

لیو ٹالسٹائی نے کہا،

ٹالسٹائی نے اپنے کتابچے "مذہب کی روشنی" میں لکھا۔
"اگر یہ کتاب القرآن دنیا کے سامنے موجود ہوتی اور کوئی مصلح یا پیغمبر نہ آیا ہوتا تو حقیقت یہ ہے کہ یہی کتاب انسانی ہدایات اور فلاح کے لیے کافی تھی۔"

فائستہ اکبر۔ ڈگری کالج گدو

غم،

غم حکایت ازلی ہے۔ یہ بڑے لوگوں کو ملا کرتا ہے۔ غم دل بنانے والا ایمرجنسی کیپسول ہے۔ غم کے اندر جو سمٹ گیا اور اطاعت میں چلا گیا، وہ فوری طور پر اللہ کے پاس پہنچ گیا۔ غم میں پریشان نہ ہونا غم میں ٹھہرنا نہیں بلکہ غم کو پہچانو، غم کو محسوس کرو۔ غم تقرب الٰہی ہے۔ یعنی غم اللہ کے قرب کا اعلیٰ مقام ہے۔

(واصف علی واصف)

فرمائش،

ہوائی جہاز میں پہلی مرتبہ سفر کرنے والے ایک صاحب کو الٹیاں آئے جا رہی تھیں۔ آخر ایئر ہوسٹس ان کے قریب آئی اور ہمدردانہ لہجے میں بولی۔
"سر! میں آپ کے لیے کچھ لاؤں؟"
"ہاں۔" ان صاحب نے ہانپتے اور کراہتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے لیے ایک ایئر پورٹ لے آؤ۔"

عجب طرح سے سوچا ہے،

- کبھی راکھ پر محل تعمیر ہو جاتے ہیں اور کبھی چٹانوں پر محض جھونپڑیاں بن پاتی ہیں۔
- انسان جب کبھی مشکل سے گزر کر آتا ہے تو اس کا مزاج بدل چکا ہوتا ہے۔
- پروا محبت کے آنگن کی ایک شے ہے۔
- ہر انسان کا ایک نہ ایک روپ آپ سے

جیسا مزاج خود ہوتا ہے۔ ویسا آپ کسی کے خاص رویے پر چونکتے نہیں

● جذبات، تصورات اور مفروضات کی دھند چھٹ جائے تو حقیقت کا اصل روپ نظر آتا ہے۔

● آپ اپنا کام کرتے جائیں، وقت آپ کے لیے دوستیاں اور محبت خود پیدا کرے گا۔

شمیم شمشاد۔ بے زمان

ہری مرچیں

● بچوں کی زندگی کے ابتدائی بارہ مہینوں میں والدین انہیں چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں اور

اگلے بارہ برس تک انہیں نچلا بیٹھنے اور خاموش رہنے کے لیے کہتے رہتے ہیں۔

(فانس ڈلر)

● ہر چیز مضحکہ خیز ہے، جب تک وہ کسی اور کے ساتھ ہو۔

(ول راجرز)

● کیا آپ نے غور فرمایا۔ جتنے لوگ اسقاط حمل کے حامی ہیں وہ خود تو پیدا ہو چکے ہیں۔

(ریگن)

● زندگی کے بارے میں زیادہ تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ جیتے جی اس سے نجات نہیں پا سکتے۔

نمرہ، اقراء۔ کراچی

مصائب

● مصائب گناہوں کا نتیجہ ہوتے ہیں اور گناہگار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مصیبتوں کے نزول کے وقت واویلا کرے۔

(امام ابوحنیفہؒ)

شکم سیری

ایک دفعہ ابلیس حضرت یحییٰؑ کے سامنے ظاہر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کے پاس ہر قسم کے شکنجے ہیں۔ پوچھا کہ ابلیس یہ شکنجے کیسے ہیں؟"

وہ کہنے لگا۔ "یہ دنیا کی لذتیں ہیں جن میں میں فرزند آدم کو مبتلا کرتا ہوں۔"

حضرت یحییٰؑ نے پوچھا۔ "اس میں میرے لیے بھی کچھ ہے؟"

بولا۔ "جب آپ شکم سیر ہوتے ہیں تو نماز کا پڑھنا آپ پر گراں کر دیتا ہوں اور ذکر الٰہی آپ پر بار ہو جاتا ہے۔"

حضرت یحییٰؑ نے کہا۔ "خدا کی قسم میں اب ہرگز پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔"

مہوش نذر۔ گوجرانوالہ

ہر مصیبت کا علاج

تین افراد حسین بن علیؓ کے پاس آئے۔ ایک نے بارش کی قلت کی شکایت کی کہ کافی عرصے سے بارش نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔

"کثرت سے توبہ و استغفار کرو۔"

دوسرے نے کہا۔ "میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ میں اولاد کا خواہش مند ہوں۔"

فرمایا۔ "کثرت سے استغفار کرو۔"

تیسرے شخص نے شکوہ کیا۔ "زمین میں قحط پڑ گیا۔ غلہ پیدا نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔" اس پر بھی فرمایا۔

"کثرت سے استغفار کرو۔"

آپ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے [illegible] ہوئے۔

"تو [illegible] رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] مختلف شکایات [illegible] جواب دیا۔" [illegible] فرمایا۔

"کیا تم نے [illegible] قرآن نہیں پڑھا ہے۔

اپنے [illegible] معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف [illegible] والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔ تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔"

(نوح 10-12)

فوزیہ ثمرین۔ گجرات

ایک حکایت

کہا گیا ہے کہ ایک بڑھیا نے بھیڑیے کا ایک چھوٹا بچہ پکڑا اور اسے بکری کے دودھ سے پالنے لگی۔ بچہ جب بڑا ہو گیا تو اس نے بڑھیا کی بکری کو مار ڈالا۔ بڑھیا یہ اشعار پڑھنے لگی۔

"تو نے میری ننھی بکری کو مار ڈالا اور میرے دل کو تکلیف پہنچائی جبکہ تو میری ہی بکری [illegible] کیا ہوا ہے [illegible] کے دودھ سے [illegible]

اور تو نے اس سے غداری کی [illegible] تیرا باپ [illegible] عجیب [illegible] فطرت ہی بری ہوتی ہے تو نادب [illegible] ادب سکھانے والا۔"

[illegible] رجان محمد

ہمارے ایک دوست ایک دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔ انگریزی سے والہانہ محبت کے باوجود بدقسمتی سے اس زبان سے متعارف ہونے کی سعادت سے محروم ہیں مگر مجال ہے کہ اپنی یہ محرومی کسی پر ظاہر ہونے دیں۔ چنانچہ جب کوئی انگریزی میں درخواست لے کر ان کی خدمت میں پیش کرتا ہے تو وہ درخواست ہاتھ میں پکڑتے ہی عینک لگاتے ہیں اور پانچ دس منٹ تک پوری توجہ سے اس کے نفس مضمون پر غور کرتے ہیں۔ بالآخر وہ درخواست میز پر رکھتے ہیں، عینک اتارتے ہیں اور میز پر کہنیاں ٹکا کر درخواست گزار سے کہتے ہیں۔

"درخواست میں نے پڑھ لی ہے اب مختصراً مجھے یہ بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟"

(عطاء الحق قاسمی۔ تجاہل عارفانہ سے)

ذکیہ عطاء۔ اوچ شریف

ناقابل یقین

1956ء میں ایک بحری جہاز خالی تیل لے کر سمندر میں جا رہا تھا کہ کسی چٹان سے ٹکرایا اور ڈوب گیا۔ تاہم عملے کو بچا لیا گیا۔ جب تفتیش شروع ہوئی کہ حادثہ کیسے پیش آیا تو کپتان نے بتایا۔

[illegible] اچانک بارش کے ساتھ ایک مچھلی گری وہ [illegible] آسمان پر بادل دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ تفتیش کرنے والوں نے سرزنش کی [illegible] بار بار پوچھا لیکن وہ اپنے بیان پر قائم رہا [illegible] ایسا ہی ہوا تھا۔"

[illegible] کے سامنے اسے پیش کیا۔ انہوں نے بہت سر کھپانے کے بعد فیصلہ دیا کہ کپتان جھوٹا ہی نہیں پاگل بھی ہے۔ کپتان کو پاگل خانے بھیج دیا گیا جہاں وہ سچ مچ پاگل ہو گیا۔

کافی عرصے بعد ایک پائلٹ نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ ایک واقعہ اس نے لکھا کہ ایک جنگل میں آگ لگ گئی۔ اور کنٹرول نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ ایئرفورس سے مدد لی گئی۔ ان کے پاس ایسے جہاز تھے جو قریبی جھیل یا دریا میں سے پانی اٹھا کر جنگل میں ڈال سکتے تھے۔ اس پائلٹ نے ایک جھیل سے پانی اٹھایا اور جنگل کی آگ پر چھوڑ دیا۔ ایک بار اسے لگا کہ پانی حرکت کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے جہاز کا توازن بگڑ رہا ہے۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں جنگل میں پہنچنے سے پہلے جہاز گر نہ جائے۔ اس نے پانی وہیں چھوڑ دیا۔ پائلٹ نے لکھا کہ جھیل کے پانی کے ساتھ ایک مچھلی آ گئی تھی جو اچھل کود مچا رہی تھی۔ اسے نہ گراتا تو جہاز گر جاتا۔

یہی وہ مچھلی تھی جو 1956ء میں حادثے کا شکار ہونے والے بحری جہاز پر گری تھی اور یہی وہ بارش تھی جو دور دور تک بادلوں کا نشان نہ ہونے پر بحری جہاز پر ہوئی۔

بحری جہاز کا کپتان پاگل خانے میں پاگل ہو کر مر گیا... نہ وہ جھوٹ بول رہا تھا نہ وہ پاگل تھا۔

عائشہ اسلام۔ کراچی

امت الصبا

خواتین کی ڈائری

کرن شبیر کی ڈائری سے

انسانی زندگی غم و الم، سوز و گداز سے عبارت ہے۔ ناصر کاظمی کی آواز میں بھی سوز بھی غم نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں ایسی اثرانگیزی اور سحر آفرینی ہے جو ایک نامانوس سی خوشبو سے ذہن کو مہکا دیتی ہے۔

پھر لہو بول رہا ہے دل میں
دم بہ دم کوئی صدا ہے دل میں

تاب لائیں گے نہ سننے والے
آج وہ نغمہ چھڑا ہے دل میں

ہجر تو ہی نہیں محو تسبیح
خون بھی سرگرم دعا ہے دل میں

کہیں چہرہ، کہیں آنکھیں کہیں ہونٹ
ایک صنم خانہ کھلا ہے دل میں

اسے ڈھونڈا وہ کہیں بھی نہ ملا
وہ کہیں بھی نہیں، یا ہے دل میں

کوئی دیکھے تو دکھاؤں ناصر
وسعت ارض و سما ہے دل میں

شازیہ ملک کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر جاوید اختر کی یہ نظم آپ سب قارئین بہنوں کی نذر۔

میں بھول جاؤں تمہیں
اب یہی مناسب ہے
مگر بھلانا بھی چاہوں تو کس طرح بھولوں
کہ تم تو پھر بھی حقیقت ہو
کوئی خواب نہیں
یہاں تو دل کا یہ عالم ہے، کیا کہوں
کم بخت
بھلا نہ پایا یہ وہ سلسلہ
جو تھا ہی نہیں
وہ اک خیال
جو آواز تک گیا ہی نہیں
وہ اک بات
جو میں کہہ نہیں سکا تم سے
وہ ایک ربط
جو ہم میں کبھی رہا ہی نہیں
مجھے ہے یاد وہ سب
جو کبھی ہوا ہی نہیں

عروسہ شہباز کی ڈائری سے

زندگی کا سفر مسلسل اداسی سے لیا ہو تو۔ تھکا دیتا ہے اور جب وجود پورا اداسی ہوا ہو جاتی ہے۔ اداسی کے اس سفر پہ، ہو سکے احمد فراز کی یہ غزل

تھکا گیا ہے مسلسل سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پہ سر اداسی کا

وہ کون کیمیا گر تھا کہ جو بکھیر گیا
ترے گلاب سے چہرے پہ زر اداسی کا

میرے وجود کے ظلمت کدے میں کوئی تھا
جو رکھ گیا ہے دیا طاق پر اداسی کا

میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں ہے میری اداسی کا

یہ اب جو آگ کا دریا ہے میرے وجود میں
یہی تو پہلے پہل تھا شرر اداسی کا

صبا افضل بٹ کی ڈائری سے

خواب کچھ جو صرف دیکھتے ہیں تو خواب یوں بکھرتے ہیں کہ ان کو سمیٹنا بس میں نہیں رہتا مگر پھر بھی لڑکیاں جو صدیوں کے ساتھ اپنے دکھوں کو اپنے دلوں میں سنبھال کر رکھتی رہتی ہیں۔ لڑکیوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں اور سکھ بھی عجیب۔
سلمان قیصر کی یہ خوبصورت نظم لڑکیوں کے جذبات کی ترجمانی ہے۔

ہنستے ہنستے رو پڑتی تھی
کتنی پاگل وہ لڑکی تھی
اس کے ہونٹ تو چپ رہتے تھے
آنکھوں سے باتیں کرتی تھی

چھت پر دھوپ میں بیٹھے بیٹھے
دن بھر وہ سپنے بنتی تھی
الجھی یادیں سلجھانے میں
ساری رات گنوا دیتی تھی

کتنا تنہا تھا اداس میں
لیکن وہ کتنی گہری تھی
اک دن چلتے چلتے اس نے
مجھ سے کوئی بات کہی تھی

اور پھر رستہ ایک نہیں تھا
اس کی منزل اور کوئی تھی
بالکل ویسے پھول کھلے ہیں
جیسے وہ ہنستی رہتی تھی

اب نظر آگیا ہے بطور شاید
اس پہ اک غزل لکھی تھی

ثمینہ شمشاد کی ڈائری سے

اگست کا مہینہ ہم پاکستانیوں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس مہینے ہم نے اپنا پیارا وطن پاکستان حاصل کیا۔ امجد اسلام امجد کی یہ نظم اس بچے کے نام جس نے پوچھا ماں پاکستان کتنی دور ہے ؟ اور وہ پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی ہندوؤں کے ظلم کا شکار ہو گیا۔

وہ دن

چھیاسٹھ سال پہلے ایک دن ایسا بھی آیا تھا
جب اک سورج نکلنے پر
چمکتی دھوپ پھیلی تھی تو منظر جگمگایا تھا
اگرچہ میں نے وہ منظر بچشم خود نہیں دیکھا
مگر جب یاد کرتا ہوں تو سانسیں گنگناتی ہیں
کئی صدیوں سے صحرا میں بکھرتی ریت کی صورت
کروڑوں لوگ ایسے تھے جن کا
نہ کوئی نام لیتا تھا نہ کچھ پہچان تھی باقی
ہر اک رستے میں وحشت تھی
سبھی آنکھوں میں حسرت تھی
نہ آبا سی ہنرمندی نہ اگلی شان تھی باقی
کھلا سر پر ہر اس اعلان کا خوشبو بھرا سایہ
ہلالی سبز پرچم کا وہ ٹھنڈا دلربا سایہ
تو ان کی جان میں جان آئی

لہو میں روشنی جاگی، دلوں میں پھریریاں آئی
چھیاسٹھ سال پہلے کا وہ اک احسان، مت بھولو
خدا کی خاص رحمت ہے یہ پاکستان، مت بھولو

میری بیاض سے

گل نازش ______ لاہور

تو کسی طرح سے یہ احساں مگر اتارے گا
عطا کرے گا جو دستار، سر اتارے گا
نہ مانگ ایک بھی لمحہ خوشی کا دنیا سے
یہ قرض وہ ہے جسے عمر بھر اتارے گا

راحت امتیاز ______ کہروڑ پکا

تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں
میں کہ اک صبر کا صحرا نظر آتا ہوں تجھے
تو جو چاہے تو ترے واسطے دریا رو لوں

صدف جلال ______ مورو سندھ

کروں نہ یاد مگر کس طرح بھلاؤں اسے
غزل بہانہ کروں اور گنگناؤں اسے

عزیزہ وسیم ______ ساہیوال

عرض غم کبھی اس کے روبرو بھی ہو جائے
شاعری تو ہوتی ہے گفتگو بھی ہو جائے
زخم ہجر بھرنے سے یاد تو نہیں جاتی
کچھ نشاں تو رہتے ہیں دل رفو بھی ہو جائے

ملائکہ کوثر ______ بسم اللہ پور

اس کی بات بات کا غم
ایک ساری کائنات کا غم
لاکھ رنجش ہو پھر بھی ہوتا ہے
دل کو ترکِ تعلقات کا غم

ستیدہ ثوبیہ سجاد ______ کہروڑ پکا

وہ جو نکلا نہیں تو بھٹکتے رہے ہیں مسافر کئی
اور لٹتے رہے ہیں کئی قافلے چاند کو کیا خبر

زینت عمر ______ گاؤں لاشوری

اُس آخری نظر میں عجب درد تھا
اُس کے جانے کا رنج مجھے عمر بھر رہا

ثمرہ اقرا ______ کراچی

سرِ صحرا مسافر کو ستارہ یاد رہتا ہے
میں چلتا ہوں مجھے چہرہ تمہارا یاد رہتا ہے
بہت بھر دل کو بکھرا دیتے والے کے اشعول نے
یہی بس ایک دریا کا نظارہ یاد رہتا ہے

عائشہ تحریم ______ گوجرہ

وہ جنگل کے پھولوں پر کیوں مرتا ہے
اس کو اچھے لگتے ہیں ویرانے کیوں
محسن جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہوں
دل کو یاد آتے ہیں یار پرانے کیوں

ثوبیہ ربانی ______ قاضیاں محلہ بالا

پڑی رہنے دو انسانوں کی لاشیں
زمیں کا بوجھ ہلکا کیوں کریں ہم
یہ بستی ہے مسلمانوں کی بستی
یہاں کار مسیحا کیوں کریں ہم

نوشین اقبال نوشی ______ گاؤں بدر مرجان

تیرے فراق کے لمحے شمار [illegible]
بکھر چلے ہیں [illegible]
تجھے خبر ہی [illegible]
محبتوں کو [illegible] ادا کرتے ہوئے

[illegible] ______ خوشاب (جہلم)

[illegible] لیکن تو اس شخص سے کم ملنا
[illegible] ہی محبت پہ زوال آتا ہے

فوزیہ [illegible] ______ گجرات

[illegible] زندگی ہے اک کڑی دھوپ کا سفر
[illegible] برگدوں کی چھاؤں میں کیا ڈھونڈتے ہو تم
بچپنے تمہیں جھرنے تھے شہروں میں بس گئے
اب اداس گاؤں میں کیا ڈھونڈتے ہو تم

امینہ وہاب ______ کھاریاں

میں خاندان کے سر پر ہوں بادلوں کی مثال
سو بجلیوں کی طرح خاندان سر پر ہے
جلا کے خاک ہی کر دے یہ چلچلاتا سورج
مگر دعاؤں کا اک سائبان سر پر ہے

امامہ حبیب ______ عبدالحکیم

نہ ہونا بے مروت بنے بے رخی دکھانا
بس سادگی سے کہنا تم بوجھ بن گئے ہو

عظمیٰ، نادیہ ______ کراچی

خواہشوں کا بھی کوئی [illegible]
کیسی خواہش ہے [illegible] سمندر ہونا

نوشین اقبال [illegible] ______ گاؤں بدر مرجان

[illegible] آئے نہ آنا چاہو تو عذر نہ ملے
[illegible] رستہ، برستی بارش، خراب موسم

[illegible] ______ اسلام آباد

بے صدا مکانوں سے مجھ کو خوف آتا ہے
عجب طیور بستے ہیں، پیڑ جھپٹا ہے
بوجھ ہیں جو صدیوں کا قرب سوچ لیں قسم
بے سبب نہیں آتا، زلزلہ جب آتا ہے

ندا کاشان ______ لاہور

آئینہ دشمن صورت کی طرح سامنے ہے
وہم اک زندہ حقیقت کی طرح سامنے ہے
کل جو ہوگا، وہ سمجھنا کوئی دشوار نہیں
آج جو کچھ ہے، علامت کی طرح سامنے ہے

عندلیب امجد ______ اٹک

خود نماؤں میں گھر گیا ہوں میں
کن خداؤں میں گھر گیا ہوں میں
کوئی پہچانتا نہیں مجھ کو
آشناؤں میں گھر گیا ہوں میں

شازیہ اسلم ______ ہری پور

مجھے [illegible] سو رہی یونہی رات بھر بڑی دیر تک
تجھے [illegible] سکا یونہی رات بھر بڑی دیر تک
[illegible] عجب سماں کبھی تو وفید کبھی تو تھا
[illegible] کہ مل سکا کوئی چارہ گر بڑی دیر تک

شمائلہ عزیز چغتائی ______ لڈن ٹاؤن

قربتیں نہ وفا کے ہوتے ہیں
سارے جھگڑے انا کے ہوتے ہیں
بھول جاتے ہیں مت برا کہنا
لوگ پتلے خطا کے ہوتے ہیں

شاہدہ شبیر رانا ______ رحمان گڑھ

طلسم عشق تھا سب، اس کے ساتھ ہونے تک
خیال دردِ نہ آیا نجات ہونے تک
وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی جیت سمجھتا تھا مات ہونے تک

ارم عمیرہ ______ توبہ ٹیک سنگھ

آج پھر بجھ گئے جل جل کے امیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا
ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

ثمرہ اقرا ______ کراچی

کنارہ کھینچ لے گا اپنی جانب
کہا تو ہے کہ دریا پار مت کر
محبت تیرا میرا مسئلہ ہے
زمانے کو شریکِ کار مت کر

پارس ______ ڈگری کالج ڈہرکی

شیشہ کیا ہے، پتھر پانی ہو جاتا ہے
قائم رہنے والا فانی ہو جاتا ہے
مرتے انسانوں کا قصہ پڑھنے والا
آخر خود بھی ایک کہانی ہو جاتا ہے

☆

اعتذار

بہن رفعت ناہید سجاد کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر "چراغ آخر شب" کی قسط نہ لکھ سکیں۔ اس ماہ ان کے ناول کی قسط شامل اشاعت نہیں آئندہ ان شاء اللہ بہنیں قسط پڑھ سکیں گی۔

خبریں و بگڑیں

غزل ثوبان



یہ عالم خوشی کا

برصغیر پاک و ہند میں موروثی سیاست کے ساتھ ساتھ فلم انڈسٹری میں بھی یہ روایت بھی مستحکم ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور نگ زیب گلوکار عالمگیر کے "ہونہار بروا" (ہونہار پوت) ہیں جو "ایزی" کے نام سے زیادہ پکارے جاتے ہیں۔ ایزی نے ورجینیا کی یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہے۔ اپنے والد کی طرف سے موسیقی ان کے خون میں شامل ہے اور آپ جلدیا بدیر انہیں پرفارم کرتا دیکھ سکیں گے۔

ایزی کی پیدائش کو عالمگیر اپنی زندگی کا سب سے خوش کن لمحہ قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

"اس وقت میں کراچی کے ایک معروف فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد ایک بہت بڑے شو میں پرفارم کررہا تھا۔ لوگ بہت شوق سے سن رہے تھے۔ ان کا ذوق و شوق دیکھ کر میں بھی جھوم رہا تھا۔ گویا محفل اپنے عروج پر تھی۔ اچانک میں نے ایک ویٹر کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ میرے بالکل قریب آگیا۔ میں [illegible] وہ کسی گانے کی فرمائش کے لیے آیا ہے۔ [illegible] بات سننے کے لیے اس کی طرف جھکا تو [illegible] بتایا کہ "آپ کے گھر سے فون آیا ہے' آپ کے ہوا ں بیٹا پیدا ہوا ہے۔" عالمگیر کہتے ہیں کہ "یہ سننا تھا کہ میں خوشی سے بے قابو ہوگیا۔ میں نے خوشی سے کپکپاتی آواز میں مائیک پر اعلان کیا کہ "میرا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ آپ مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہی میں خوشی سے اچھلتا کودتا اسٹیج سے اتر گیا۔ مجمع میں سے مبارک باد کی ملی جلی آوازیں آنے لگیں مگر اس وقت کسے ہوش تھا کہ شکریہ ادا کرتا۔ میں تیزی سے بھاگتا ہوا ہوٹل سے باہر آیا۔ وہاں ایک ٹیکسی جارہی تھی۔ میں نے فوراً اسے ہاتھ دیا اور اس میں بیٹھ کر اسپتال پہنچ گیا۔ ایزی کو دیکھنے اور اسے پیار کرلینے کے بعد میں تھوڑا سکون ہوا۔ گھر واپسی کے لیے اسپتال سے باہر آیا تو پارکنگ میں اپنی گاڑی تلاش کرنے لگا۔ نہ ملی تو گارڈ سے معلوم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ "آپ تو ٹیکسی میں آئے تھے۔" اس وقت مجھے یاد آیا کہ [illegible] اپنی گاڑی تو ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں [illegible] ہوں۔ بعد میں جاکر میں نے گاڑی [illegible] اس "بے قابو خوشی" کی [illegible] عالمگیر نے کہنا کہ "ایزی [illegible] پیدا ہوا تھا جو صرف چند روز [illegible] کے بعد کافی عرصے تک ہمارے [illegible] اولاد نہیں ہوئی۔ لہٰذا جب کافی [illegible] اور انتظار کے بعد ایزی پیدا ہوا [illegible] خوشی کے عالم میں سب کچھ بھول [illegible] صرف یہ ہی دھن سوار تھی کہ بس جلدی اپنے بیٹے کو دیکھ لوں۔"

اس اطلاع کے بعد کہ اور نگ زیب گلوکاری کے میدان میں قدم رکھ رہے ہیں' شائقین موسیقی اور خاص طور پر عالمگیر کے پرستاروں کو انہیں پرفارم کرتا دیکھنے کا شدید انتظار ہوگا۔



خود کو خدا سمجھیں

بے تحاشا خوشی ہو یا غصہ' انسان عجیب و غریب حرکتیں کر ہی بیٹھتا ہے۔ خوشی میں تو خیر خاصی دلچسپ حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں جنھیں بعد میں یاد [illegible] انسان محظوظ ہوتا ہے' لیکن ٹینشن [illegible] غصے میں بعض وقت اس کے منہ سے ایسی باتیں [illegible] جو دوسروں کا دل دکھا دیتی ہیں [illegible] کے جھروکوں سے جھانکتا یہ واقعہ ہمیں [illegible] ایسا ہی احساس دلاتا ہے۔

چند سال [illegible] کی [illegible] کا ایک ڈرامہ شوٹ ہورہا تھا۔ ان دنوں موسم بے حد گرم تھا۔ ریلوے اسٹیشن [illegible] گئی تھی۔ منظر کچھ یوں تھا کہ [illegible] روبینہ اشرف کو ایک صندوق لیے ٹرین سے اتر کر ایک رکشے میں بیٹھنا تھا۔ جب سین شروع کیا گیا تو پتا چلا کہ معاون ہدایت کار صندوق لانا بھول گیا ہے۔ چونکہ اس سے قبل اس صندوق کے ساتھ ریکارڈنگ ہوچکی تھی۔ لہٰذا اسی صندوق کی موجودگی ضروری تھی۔ جب روبینہ کو پتا چلا تو موسم کی ساری شدت ان کے مزاج میں در آئی۔ شائستہ اور دھیمے مزاج کی حامل نظر آنے والی روبینہ نے اسے وہ بے نقط سنائیں اور ایسی بے عزتی کی کہ وہ بے چارہ مرد ہو کر بھی رو پڑا اور اسی وقت دل برداشتہ ہو کر ملازمت چھوڑ کر چلا گیا۔ اگلے دن نیا اسسٹنٹ تلاش کرکے شوٹنگ کی گئی۔

غالباً" اسی لیے ہمارے مذہب میں غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ روبینہ جی! آپ تو شاید یہ بات بھول گئی ہوں گی۔



توبہ تمہارے یہ نخرے

کسی "فلمی ہیروئن" کا نام سنتے ہی ذہن میں فوراً" نخرے دکھاتی کسی خوب صورت سی لڑکی کا تصور ابھرتا ہے گویا فلمی ہیروئن اور نخرے لازم و ملزوم ہیں' لیکن جناب یہ ماضی بعید کی بات تھی کہ جب نخرے اور ادائیں صرف فلمی ہیروئنوں تک ہی محدود تھے۔ اب تو "چھوٹی اسکرین" کی ہیروئن کے بھی "بڑے" نخرے ہوگئے ہیں۔ عائشہ عمر ہی کو دیکھ لیجیے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں عائشہ ایک ٹی وی ڈرامے کی ریکارڈنگ میں مصروف تھیں۔ اب کام کا دباؤ تھا، سخت گرمی یا کوئی اور وجہ۔ عائشہ نے روزہ نہیں رکھا۔ اس کے باوجود وہ سیٹ پر خاصی دیر سے تشریف لائیں اور آتے ہی پانی طلب کیا۔ ان کے لیے منرل واٹر کی بوتل کا انتظام محلے سے کرلیا گیا تھا مگر پانی کی بوتل دیکھتے ہی عائشہ آگ بگولہ ہوگئیں کہ "اتنا گرم پانی پیوں گی؟ ٹھنڈا پانی لاؤ۔" حکم ملنے کی دیر تھی کہ فوراً "ٹھنڈے پانی" کی تلاش میں کچھ لوگ دوڑا دیے گئے۔ چونکہ رمضان کی وجہ سے دکانیں بند تھیں لہٰذا پانی کی دستیابی میں مشکلات کا سامنا تھا۔ پانی آنے تک عائشہ نے شوٹ کرانے سے انکار کردیا۔ پانی کے انتظار کی کوفت مٹانے کے لیے وہ اس دوران عملے کو سخت سست سناتی رہیں۔ کافی تلاش بسیار کے بعد "ٹھنڈا پانی" آیا اور ان کے مزاج کی گرمی بھی ختم ہوئی۔ پیاس بجھی تو تھوڑی دیر بعد عائشہ کو بھوک ستانے لگی اور عائشہ نے پھر عملے کو ستایا۔ یوں نچلا عملہ بے چارہ ایک بار پھر بھاگ دوڑ میں مصروف ہوگیا۔ کھانا دیکھ کر بھی انہوں نے وہی کچھ کیا جو پانی کی دفعہ کرچکی تھیں۔ ہاتھ پیر جوڑ کر انہیں کھانا کھلایا گیا۔ افطار کا وقت ہوا تو سارے دن کی "بھوکی پیاسی" عائشہ روزہ داروں سے بھی پہلے افطاری پر موجود تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں، کہ



روزہ داروں کو تو روزے نے صبر اور حوصلہ دیا ہوگا۔ مگر عائشہ بے چاری تو سارا دن "ایویں" ہی بھوکی پیاسی رہی تھیں نا۔

اکثر لوگ کسی نہ کسی وجہ سے روزے نہیں رکھتے۔ ہمیں ان کے روزہ نہ رکھنے پر اعتراض نہیں کہ یہ خدا اور بندے کا براہ راست معاملہ ہوتا ہے۔ مگر ماہ رمضان اور روزہ داروں کا احترام لازم ہے۔

زہریلا

معروف اداکار شفقت چیمہ کو کون نہیں جانتا۔ یہ بات ہے ان دنوں کی جب وہ ایک فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھے۔ فلم کے پروڈیوسر اور ہدایت کار عمر شریف تھے۔ شفقت چیمہ کے کردار کا نام "زہریلا" تھا۔ جو ہر وقت خطرناک سانپوں میں گھرا رہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے عمر شریف نے دو سو سانپ منگوائے۔ سپیرا بوریوں میں بھر کر سانپ لے آیا۔ اس نے جیسے ہی شفقت چیمہ کے سر پر دونوں بوریاں الٹیں۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ اندھیرا ہوتے ہی سب لوگ سانپوں سے خوف زدہ ہو کر سیٹ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاہم وہ سپیرا اور شفقت چیمہ اپنی جگہ کھڑے رہے۔ لائٹ آنے کے بعد سب لوگ واپس آگئے۔ مگر اس دوران [illegible] سانپ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے [illegible] چھپ گئے تھے۔ لہٰذا ان سانپوں [illegible] شروع ہوئی۔ تیرہ سانپ تو پکڑ [illegible] سانپ آج تک مفرور ہیں۔ [illegible] نہیں نہ لے۔ شفقت [illegible] اس واقعے کے بعد سے [illegible] ایک خوف کے عالم میں ریکارڈ [illegible] انہیں کوئی ہلکی سی بھی سرسراہٹ سنائی دیتی تو سیٹ پر ایک بھگدڑ مچ جاتی۔

سب لوگوں نے اسٹوڈیو کا کونا کونا تو چھان مارا۔ تاہم بہتر ہوتا کہ سب کی آستینیں بھی چیک کرلیتے کہ فی زمانہ سانپ اکثر آستینوں ہی میں بسیرا ڈالتے ہیں۔ ویسے بھی وہ "دو" سانپ تھے اور آستینیں بھی "دو" ہی

ہوتی ہیں جناب!

یہ بیان کا لمانہ

☆ افغان تنہا تھے، باقی ساری دنیا یا تو ان کے دریے تھی یا کچھ حصہ غیر جانبدار تھا۔ (100) ممالک کی فوج نے ان پر یلغار کی۔ امریکہ نے تیسری جنگ عظیم کے لیے جو اسلحہ چھپا کر رکھا تھا۔ وہ بھی افغانوں پر استعمال کیا۔ افغان سرزمین پر بارود کی ایک بارش ہوئی کہ حساب و خواب سے باہر اور پھر پاکستان [illegible] کے خلاف صف آرا ہوگیا۔ [illegible] تنہا یہ جنگ جیتی۔

(عبداللہ [illegible] سہیل ۔۔۔ غیرو و غیرہ)

☆ جب [illegible] کی سرعام قتل و غارت گری [illegible] معصوم انسانوں کے خون ناحق کا حساب [illegible] قانون شکنوں پر ہاتھ ڈالنے والی کوئی [illegible] تو وہی کچھ ہوتا ہے جو اس وقت کراچی میں ہو رہا ہے۔

(عرفان صدیقی ۔۔۔ نقش خیال)

☆ تمری بیچے مشرف کی ایمان داری کی قسمیں کھانے والے نمک خواروں پر، جس شخص نے بحیثیت کیڈٹ چند سو روپے کے کل اثاثوں کے ساتھ زندگی کا آغاز کیا تھا۔ آج اربوں روپے کی جائیداد کا مالک ہے۔ مشرف کی جائیداد کا سلسلہ پاکستان سے لے کر امریکہ، برطانیہ، دبئی اور ترکی تک پھیلا ہوا ہے۔

(ڈاکٹر صفدر ۔۔۔ محمود صبح تخیر)

☆ امریکی ایجنڈے کے تحت لسانی تعصبات کو ہوا دی جارہی ہے۔ کراچی میں اس کا ٹریلر چلا دیا گیا۔

(سلیم سافی ۔۔۔ جرگہ)

☆ قومیت اور لسانیت کا جذبہ وہ جذبہ ہے جس کے ذریعے لوگوں کو بڑی آسانی کے ساتھ ورغلایا اور استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مشرف نے کراچی میں جو لسانی تفریق پیدا کی تھی، وہ محض اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے تھی۔ اس طرح بلوچستان میں انہوں نے جو وحشیانہ آپریشن شروع کیا تھا اس کا تعلق بھی محض اقتدار سے تھا۔ وہ امریکہ سے خود اجازت لیا کرتا کیا گیا وعدے وعید [illegible] کا تقاضا جس پر اب بھی بڑی حکمت اور ہوشیاری سے عمل پیرا ہوا جا رہا ہے۔

(عبداللہ سہیل ۔۔۔ غیرو و غیرہ)

جائیداد ضبط

ہمارے کچھ فنکاروں کے خیال میں بھارت میں دودھ شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس لیے وہ اپنی صلاحیتیں کیش کروانے وہاں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچتے ہیں تو انہیں "اصلیت" کا علم ذرا کھل کر ہوتا ہے۔ اب عدنان سمیع خان کو ہی لیجیے جنہوں نے "بھارتی" بننے کے لیے ہر جتن کروالے لیکن پھر بھی "پاکستانی نژاد" ہونے کے باعث معتوب ٹھہرائے گئے۔ حال ہی میں بھارتی حکومت نے فارن ایکسچینج ایکٹ کے تحت ممبئی میں ان کی 13 جائیدادیں ضبط کرلیں جس کی مالیت ڈھائی کروڑ روپے بتائی جاتی ہے۔ اور ایسا صرف پاکستانی ہونے کے ناتے ان کے ساتھ ہوا ہے۔ بے چارے عدنان کو اپنی نئی بیگم روبا فاریابی کے ساتھ دربدری سہنا پڑی۔ سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ اداکار دیو آنند نے اپنے پالی ہل والے بنگلے میں انہیں رہنے کی پیش کش کی ہے۔ عدنان سمیع خان ابھی تک اس کشمکش میں ہیں کہ آخر یہ نا انصافی کیوں ہوئی؟ حالانکہ جو صورت حال وہاں کے مسلمانوں کو "بھارتی" ہونے کے باوجود درپیش ہے اس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ بہتری یہاں ہے کہ وہاں۔

آپ کا باورچی خانہ

صبا سحر

یوں تو باورچی خانے کا نام لیتے ہی انواع و اقسام کے غذائیت سے بھرپور کھانے اور اشتہا انگیز خوشبو میں بھوک بڑھانے لگتی ہیں اور نت نئی ترکیبیں ذہن میں آجاتی ہیں اور چونکہ یہ عید کا موقع ہے، سو دعوتوں کا بھی ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر خاتون خانہ کے ذہن میں صرف یہ ہی بات ہوتی ہے کہ ''کس کی دعوت میں کیا پکانا ہے۔'' یہ ایک اہم مسئلہ ہے مگر اس سے پہلے جو ضروری بات ہے وہ باورچی خانے کی صفائی اور سجاوٹ ہے، جس پر اکثر خواتین کی واجبی سی توجہ ہوتی ہے، جبکہ باورچی خانہ آپ کے گھر کا وہ حصہ ہے جہاں آپ دن کا بیشتر وقت گزارتی ہیں اور عید تہوار کے موقعوں پر تو تقریباً سارا ہی دن یہاں صرف ہو جاتا ہے، اس لیے اپنے باورچی خانہ کو محض کھانا پکانے کی جگہ نہ سمجھیں۔ اسے اپنے سگھڑاپے اور سلیقہ مندی کی دلیل بنائیں۔

نیچے دی گئی ہدایتوں کی مدد سے اپنے باورچی خانہ کو سنواریں اور صاف ستھرے، نکھرے باورچی خانہ کے ساتھ عمدہ کھانوں سے اپنی عید کا مزا دوبالا کریں۔

1 سب سے پہلے چھت اور دیواروں سے جالے اچھی طرح صاف کرلیں۔ اگر باورچی خانہ کی دیواریں سادہ ہیں اور آپ سفیدی کرنا چاہتی ہیں تو دو کلو چونا لا کر آپ خود بھی رنگ کر سکتی ہیں، کم خرچے میں باورچی خانہ نکھر جائے گا، پھر کیبنٹس صاف کرکے اس میں کوئی پھول دار کاغذ (گفٹ پیپر) بچھالیں۔ مسالوں کے ڈبے دھولیں۔

2 باورچی خانے کے فرش کو بلیچ یا تیزاب سے دھولیں، تاکہ دیواروں کے ساتھ ساتھ فرش بھی چمک جائے۔ اس کے بعد فینائل کا پونچھا بھی لگائیں۔

3 باورچی خانہ کی ایک خالی دیوار پر (اگر کیبنٹس نہ بنے ہوئے ہوں تو) کوئی بڑی سی تصویر لگالیں تو اس سے باورچی خانہ میں ایک اچھا تاثر ابھرے گا۔ عام طور پر سبزیوں اور پھلوں کی تصویر (یا پوسٹر) مناسب رہے گی۔

4 اگر باورچی خانہ میں کوئی اضافی سلیب ہو یا کاؤنٹر پر اتنی جگہ ہو کہ کھانے پکانے کے دوران تنگی نہ ہو تو چھوٹا سا پھولوں کا گلدان بھی رکھ سکتی ہیں یا اگر رکھنے کی جگہ نہ ہو تو دیوار گیر گلدستہ بھی لٹکا سکتی ہیں۔ نیز کھڑکی میں کانچ کی بوتل لگا کر آپ منی پلانٹ لگا کر بھی سجاوٹ کر سکتی ہیں۔

پھولوں سے ماحول میں ایک خوش گوار تاثر پیدا ہوتا ہے اور پھول پودے صرف صحن یا ڈرائنگ روم کے لیے ہی مخصوص نہیں ہیں، انہیں باورچی خانہ میں مناسب جگہ پر اچھے انداز میں لگا کر آپ اپنے باورچی خانہ کو بھی ایک نئی رونق دے سکتی ہیں۔

5 اگر باورچی خانہ میں کوئی کھڑکی ہے تو ... جالیاں بھی بلیچ وغیرہ سے دھو ... اگر آپ پردہ لگانا چاہیں تو ... نظر رکھتے ہوئے پردوں کے ... ہلکے رنگ کے پردے باورچی خانہ ... کا تاثر دیں گے، ہلکے رنگ کے پردے سے سورج کی روشنی بھی مکمل طور پر پہنچ ... کے برعکس گہرے رنگ کے پردے جلد ... ہوں گے۔ تاہم ان سے باورچی خانہ کی کشادگی میں قدرے فرق پڑے گا، لیکن اگر باورچی خانہ بڑا ہے تو پھر نہایت موزوں ہیں۔

لیجیے! آپ کی طرح آپ کا باورچی خانہ بھی عید کے لیے تیار ہے۔ اس عید پر صرف اپنے عمدہ کھانوں پر ہی نہیں، صاف ستھرے اور دلکش باورچی خانہ پر بھی داد وصول کیجیے۔

دعوت کا مینو بنانا بھی ایک مشکل امر ہے، سو آپ کی آسانی کے لیے چند ڈشز مع ترکیب کے پیش ہیں۔



اصفہانی چکن

2 عدد پیاز باریک کاٹ کر تیل میں ہلکی گلابی کرلیں۔ اسی دیگچی میں ڈیڑھ کلو چکن اور 2 کھانے کے چمچے لہسن ادرک کا پیسٹ ڈال کر بھون لیں۔ ایک الگ برتن میں آدھا پاؤ دہی میں ... دھنیا اور 10 سے 12 ... ڈال دیں۔ حسب ذائقہ نمک ... 3 عدد ... باریک کاٹ کر مکس کرکے چکن میں ملا دیں اور ہلکی آنچ پر 25 منٹ تک پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ جب ... آجائے تو سمجھیں اصفہانی چکن تیار ہے۔ ... نان کے ساتھ پیش کریں۔

شاہجہانی پلاؤ

آدھا کلو گوشت میں ایک درمیانی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ 2 چمچے اور حسب ضرورت پانی ڈالیں اور پکا کر یخنی تیار کرلیں۔ الگ برتن میں 3 کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے آٹھ، دس (کم از کم) دانے بادام اور کشمش کے ڈال کر فرائی کرلیں، پھر تیار کی ہوئی یخنی شامل کردیں۔ ایک ابال آجائے تو آدھا کلو چاول دھو کر ڈال دیں اور دم لگا دیں۔ ایک الگ پتیلی میں تقریباً آدھا پاؤ پیاز تل لیں۔ پھر اس میں ایک کپ دہی، آدھا کلو ٹماٹر، ایک چائے کا چمچہ گرم مسالا، آدھا چائے کا چمچہ سرخ پسی مرچ، ہلدی، حسب ذائقہ نمک، 5 ہری مرچیں اور آدھی گڈی ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالیں پھر گوشت شامل کرکے بھون لیں۔ اب ایک ڈش میں چاول نکالیں اور ایک طرف گوشت مسالا رکھیں۔ سائیڈ میں ابلے ہوئے انڈے اور آلو سلائس میں کاٹ کر سجا دیں۔

لیمن جوس میکرونی

ایک پیکٹ میکرونی ابال لیں۔ 4 کھانے کے چمچے گھی میں 2 کھانے کے چمچے میدہ بھون لیں۔ اب اس میں 2 کپ دودھ، نمک اور ایک چائے کا چمچہ سفید مرچ پاؤڈر ڈالیں اور چمچہ چلاتی رہیں۔ گاڑھا ہونے پر اگر پسند کریں تو 4 کھانے کے چمچے مکھن ملا دیں۔ اب اس میں میکرونی ڈال کر ڈش میں نکال لیں۔ 2 لیموں کے رس میں 4 کھانے کے چمچے چینی گھول کر میکرونی پر چھڑک دیں اور پیش کریں۔



عید کے پکوان

خالدہ جیلانی

شکارپوری کباب

اشیا :

قیمہ	ایک کلو
لونگ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
جاوتری	ایک چٹکی
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
ادرک	ایک بڑا ٹکڑا
لہسن	دس جوے
پیاز	دو عدد
کشمش	دس عدد

ترکیب :

ایک برتن میں قیمے کے ساتھ لونگ، دار چینی، چھوٹی الائچی، جاوتری، سرخ مرچ، لہسن، ادرک کا پیسٹ اور نمک ملا کر گلا لیں اور ٹھنڈا کر لیں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد پیس کے ان کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا لیں۔ کشمش سمیت باقی ہرا مسالا پیس کر ان گیندوں میں بھر لیں اور انڈے میں ڈبو کر تل لیں۔ پودینے کی چٹنی اور نان کے ساتھ پیش کریں۔

سفید گوشت

اشیا :

مٹن	ایک کلو (درمیانے ٹکڑے)
پیاز	دو عدد
لہسن اور ادرک	کٹے ہوئے 1/2 چمچہ
لونگ	8 عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
کالی مرچ	15 دانے
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	4 عدد
تیل	ایک کپ

ترکیب :

دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اس کی بو ختم کر لیں۔ تقریباً پانچ منٹ کے وقفے سے اس میں چار گلاس پانی ڈال دیں۔ پیاز کے چار چار ٹکڑے کر لیں، ہری مرچ، نمک، لہسن، ادرک، لونگ، دار چینی اور کالی مرچ گوشت میں ڈال دیں۔ تیز آنچ پر 10 منٹ پکائیں، پھر آنچ ہلکی کریں اور دیگچی پر وزن رکھیں۔ تقریباً دو گھنٹے تک پکنے دیں۔ مزے دار سفید گوشت تیار ہے۔ چاول اور شامی کباب کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آلو کوفتہ بریانی

اشیا :

قیمہ	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں کٹی ہوئی	3 عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

پیاز (کٹی ہوئی)	ڈیڑھ کپ
پکا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	2,3 عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
دہی	ایک چوتھائی کپ
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچ
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچ
زردہ رنگ	2 چٹکی

ترکیب :

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرا دھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کر کے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کر لیں اور کوفتے بنا لیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز سنہری کر لیں۔ نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مسالا، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں۔ کوفتے ڈالیں۔ 5 منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مسالا ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مسالہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں۔

نوڈل پکوڑے

اشیا :

نوڈلز	2 پیکٹ
بیسن	100 گرام
پنیر	۲۰۰ گرام
سبز مرچ	باریک کٹی ہوئی 3 عدد
بند گوبھی	باریک کٹی ہوئی 1,3
پیاز	باریک کٹی ہوئی 1,3
سرخ مرچ	پسی ہوئی ایک [illegible]
سرکہ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ

ترکیب :

نوڈلز کو دو منٹ تک ابلتے پانی میں ابالیں۔ ٹیسٹ میکر ڈالیں اور الگ رکھ لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر پیاز، مرچ، گوبھی، شملہ مرچ اور دیگر اجزا نوڈلز میں شامل کر لیں۔ الگ برتن میں نمک ڈال کر بیسن گھول لیں۔ اب نوڈلز اور دیگر اجزا کا آمیزہ اس میں ڈال دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر لیں۔ پھر پکوڑے تلیں براؤن ہونے پر نکال لیں۔

شیر خرما

اشیا :

سویاں	ایک چوتھائی پیلٹ
دودھ	دو کلو
چینی	3 پاؤ
بادام	حسب مرضی
کھوپرا	حسب مرضی
چھوہارے	ایک پاؤ

ترکیب :

دودھ اچھی طرح [illegible] الائچی کوٹ کر ڈال دیں۔ جب [illegible] جائے تو چینی اور چھوہارے ڈال [illegible] چھوہاروں کو 2 گھنٹے نیم گرم پانی [illegible] رکھ دیں اور جب دودھ میں ڈالنے [illegible] نکال کر 2 ٹکڑے کریں۔) [illegible] گرم ہو جائیں تو باقی میوہ بھی ڈال دیں۔ اب [illegible] ڈال کر پکائیں۔ ہلکا گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں۔

☆

بعض لوگ اپنے اوپر مایوسیاں طاری کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مایوسیوں سے چھٹکارا پائیں اور زندگی کے [illegible] ہیں۔ ہماری زندگی میں تکلیفیں بھی ہیں۔ بعض اوقات کئی تکلیفیں ایک ساتھ گھیر لیتی ہیں۔ ان [illegible] یا خوف زدہ ہونے کے بجائے ان کے حل کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان سے چھٹکارا [illegible] چاہیے۔

[illegible] شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس پر کبھی کوئی تکلیف نہ آئی ہو اور آخر کار اس پر اس نے قابو نہ پا لیا ہو یا خود بخود حالات ایسے نہ پیدا ہو گئے ہوں کہ اس تکلیف سے چھٹکارا مل گیا ہو۔ اس لیے یقین رکھنا چاہیے کہ جس طرح ماضی میں آپ نے تکلیفوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا پا لیا اسی طرح موجودہ یا آنے والی تکلیفوں یا مصیبتوں سے بھی نجات حاصل کر لیں گے۔

ش۔ د۔ ع

ہمارے مذہب نے نامحرم کے لیے کچھ فاصلے رکھے ہیں۔ ان کو برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ بعض اوقات ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ حالات بگڑ جاتے ہیں، خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے رشتوں میں جہاں بے تکلفی ہوتی ہے اور ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، وہاں پر عورتیں بہت لاپروائی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اور نتیجہ یہی نکلتا ہے جو آپ کے معاملے میں ہوا۔ اس سلسلے میں سراسر بے قصور آپ بھی نہیں۔ آپ کے شوہر لاپروا تھے۔ آپ میں دلچسپی نہیں لیتے تھے چنانچہ آپ نے بھی دیور میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میری یہ بات اگرچہ آپ کو کڑوی لگے گی لیکن خود کو ٹٹول کر دیکھیں تو آپ محسوس کریں گی یہ حقیقت ہے کیونکہ آپ کو یہ بھی احساس تھا کہ آپ خوبصورت ہیں آپ کے دل کا چور اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ کہیں مجھے اس سے محبت نہ ہو جائے۔ میری نظر میں مناسب یہ ہے کہ آپ اسے اپنے چھوٹے بھائی یا بیٹے کی طرح دیکھیں۔ مجھے تو آپ اس معاملے میں مجرم معلوم ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ کے دیور اپنے پیروں پر کھڑے ہیں تو ساس کو مشورہ دیں کہ اس کی شادی کر دیں۔ آپ کی ساس اگر سنجیدہ اور بردبار طبیعت کی مالک ہیں تو انہیں بتا دیں۔ اور خود کوشش کریں کہ دیور سے ایک مناسب انداز میں فاصلہ رکھ کر بات کریں۔ اور انہیں احساس دلائیں کہ وہ آپ کے بھائی یا بیٹے کے طور پر ہیں بصورت دیگر گناہ کے ساتھ ساتھ تباہیاں اور بربادیاں آپ کا مقدر بن جائیں گی اور اس وقت پچھتانے سے حاصل کچھ نہ ہو گا۔

☆ ☆ ☆

ر-ت

اچھی بہن! صورت حال یہ ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ بڑے بھائی اپنی بیوی کے ساتھ علیحدہ ہو چکے ہیں۔ والد صاحب کی دوسری بیگم صاحبہ آپ کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں سو والد صاحب نے بھی آپ کو کوئی پیسہ نہیں دیا۔ تو ان حالات میں آپ کو خود ہی ہمت کرنا پڑے گی۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ آپ ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہیں انہیں نہ کہیں اچھی جاب مل سکتی ہے۔ مسئلہ خود اعتمادی کا ہے۔ اعتماد آپ کو اپنے اندر خود پیدا کرنا ہو گا۔ دل سے ناکامی کا خوف نکال دیں اور طے کرلیں کہ جو ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔ اپنی کوشش میں کمی نہیں کرنی ہے۔ یہ سوچ آپ کو نتائج سے بے پروا کردے گی اور خوف دل سے نکل جائے گا۔

ایک بات مزید کہ آپ کے خط اور تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف یہ کہ خود اعتماد ہیں بلکہ باصلاحیت بھی ہیں۔ یہ صرف آپ کی سوچ ہے جو آپ کو کچھ نہیں کرنے دیتی۔ اپنی سوچ کا رخ بدل لیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

آپ کی بہن یا بھائی نے کبھی آپ کی شادی کے بارے میں نہیں سوچا؟ آپ اس سلسلے میں اپنی بہن سے بات کریں۔ اس مسئلے کا ایک حل آپ کی شادی بھی ہے۔

ح-م ..... سیالکوٹ

آپ تعلیم یافتہ ہیں۔ شوہر خالہ زاد تھے۔ لانا" آپ نے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہیں جانتی بھی ہوں گی۔ اب شادی کے۔۔۔ صرف سات ماہ بعد آپ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ ان کو قبول نہیں کرپا رہی ہیں۔ زندگی سے بیزار ہو گئی ہیں۔ موت کی دعائیں مانگتی ہیں۔ بال گر گئے ہیں۔ چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں حتیٰ کہ دعا مانگنے اور نماز پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ آپ کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

پہلی بات تو یہ جو دعا آپ نے مانگی وہ ہو سکتا ہے آپ کے حق میں بہتر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

آپ کی پریشانی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ نے جو کچھ دیا ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے دوسروں کو دیکھتی ہیں۔ آپ کو لگتا ہے کزن کو اچھی سسرال اور شوہر ملا ہے۔

آپ کے شوہر پڑھے لکھے برسر روزگار ہیں بقول آپ کے اچھے انسان ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ [illegible] ذہنی طور پر قبول نہیں کرپا رہی ہیں۔ آپ تو خود نہیں جانتیں کہ وہ آپ کو کیوں ناپسند ہیں [illegible]

اچھی بہن! آپ کو اس صورت حال سے نکلنے کے لیے خود کوئی فیصلہ کرنا ہو گا۔ [illegible] فیصلہ [illegible] ہے تو اس کے لیے آپ چند حقائق بھی مدنظر رکھیں۔

(1) کیا علیحدگی کی صورت میں آپ کے والدین آپ کو قبول کرلیں گے۔

(2) شوہر سے علیحدہ ہو کر آپ کے اخراجات کون [illegible] اٹھائے گا [illegible] جاب وغیرہ کرسکتی ہیں؟

(3) علیحدگی کے بعد کسی ایسی جگہ شادی کا امکان ہے جو آپ کی مرضی کے مطابق ہو۔

بہتر تو یہی ہے کہ آپ سمجھوتا کرنے کی کوشش کریں ورنہ ہمارے مذہب نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ خلع لے سکتی ہے۔

☆ ☆



بیوٹی بکس

امت السبوح

عید الفطر کی خوشیاں چار سو پھیلی ہوئی ہیں۔ ویسے تو ہر خاتون کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ سب سے خوب صورت سب سے منفرد نظر آئے مگر عید تہوار کے مواقع پر یہ خواہش کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے لہٰذا اس کے لیے کئی جتن بھی کیے جاتے ہیں جب ہی تو فلک پر عید کا چاند نظر آتے ہی زمین کی گود بھی کئی "چاندوں" سے بھر جاتی ہے۔

رمضان المبارک میں اکثر خواتین سحر و افطار کے خصوصی پکوانوں کی تیاری میں اپنے آپ کو مکمل نظر انداز کیے رکھتی ہیں پھر آخری عشرے میں گھر کی خصوصی تزئین و آرائش اور بازاروں کے چکر خود پر توجہ دینے سے محروم رکھتے ہیں۔ ایسے میں چہرہ کمھلا جاتا ہے۔ اس لیے آج ہم ایک نہایت سادہ فیشل یعنی کیور اور پیڈی کیور بتا رہے ہیں جو آپ گھر پر با آسانی کرسکتی ہیں۔

☆ سب سے پہلے کسی معیاری صابن یا فیس واش سے چہرہ دھو کر خشک کرلیں۔

☆ اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف کرکے ہیئر بینڈ یا





اسکارف سے باندھ لیں۔

☆ چہرے پر کلینزنگ کریم لگا کر مساج کریں۔ مساج کرتے وقت ہاتھوں کو نیچے سے اوپر کی طرف حرکت دیں۔ کلینزنگ کریم نہ ہو تو اس کی جگہ سیب کا گودا یا دہی بھی استعمال کی جاسکتی ہے یا پھر تھوڑا سا دودھ (کچا ہو تو بہتر ہے) روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں اور دس منٹ بعد چہرہ سادہ پانی سے دھولیں۔ یہ بھی بہترین کلینزر ہے۔

کلینزنگ کریم' دہی یا سیب کے گودے سے دس منٹ تک مساج کریں' پھر نرم اسفنج یا روئی بھگو کر اس سے چہرہ صاف کریں۔

☆ کوئی اسکرب کریم چہرے پر لگا کر ایک بار پھر مساج کریں۔ اسکرب کریم نہ ہو تو کسی بھی موسمی پھل کا گودا چہرے پر لگا کر تقریباً دس منٹ تک مساج کریں' نرم اسفنج یا روئی بھگو کر اس سے چہرہ صاف کرلیں۔

☆ اب ماسک لگائیں۔ ماسک کا انتخاب جلد کی مناسبت سے کریں۔ خشک جلد والی خواتین موئسچرائزنگ ماسک' چکنی جلد والی کلینزنگ ماسک استعمال کریں۔ نارمل جلد کے لیے کوئی بھی معیاری ماسک استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ماسک نہیں ہے تو آپ ماسک گھر پر بھی تیار کرسکتی ہیں۔

☆ ایک انڈے کی سفیدی لیں۔ اس میں ایک کھانے کا چمچ شہد شامل کرکے خوب پھینٹیں۔ چکنی جلد والی خواتین اس میں چند قطرے لیموں کا رس بھی ملالیں' جبکہ خشک جلد والی خواتین چند قطرے روغن بادام ملالیں۔ یہ آمیزہ چہرے پر لگالیں۔ پندرہ منٹ بعد سادہ پانی سے منہ دھولیں۔

چہرے کی صفائی اور فیشل کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر بھی توجہ دیں' کیونکہ عید روز' روز نہیں آتی' لہٰذا اس دن آپ کو سر سے لے کر پیر تک جگمگانا ہے' کچھ اس طرح کہ عید کا چاند بھی آپ سے شرما جائے۔

☆ نیم گرم پانی میں شیمپو اور ڈیٹول (جراثیم کش محلول) کے چند قطرے شامل کرکے ہاتھ اور پیر پانچ منٹ تک بھگوئے رکھیں۔ نرم ٹوتھ برش کی مدد سے ہاتھوں' پیروں کے ناخن' ان کے اطراف کی جلد اور پیروں کی ایڑیاں صاف کریں۔ اس سے میل کچیل اور جلد کے مردہ خلیات صاف ہوجائیں گے۔ بعد سادہ پانی سے ہاتھ پاؤں دھولیں۔

☆ کوئی بھی [illegible] کریم ہاتھوں پیروں پر لگا کر دس منٹ تک مساج کریں۔ اس سے دوران خون تیز ہوگا اور [illegible] شگفتگی آئے گی۔

☆ اب [illegible] کی مدد سے ناخنوں کو شیپ دے لیں۔ پھر [illegible] سے انہیں فائل کریں۔

☆ آخر میں لیموں کا رس یا شہد روئی کی مدد سے ہاتھوں' پیروں اور ناخنوں پر لگائیں۔ دس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔

☆